مفکر ملت نمبر

قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی

بانی دار العلوم دیوبند

اور اکابر امت کے علوم وافکار کا نقیب

ماہنامہ

ندائے دار العلوم وقف دیوبند

Monthly:

NIDA-E-DARUL-ULOOM WAQF DEOBAND

مدیر اعلیٰ

مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ

دفتر ماہنامہ

ندائے دار العلوم وقف دیوبند ضلع سہارنپور، یوپی (انڈیا)

قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند

اور اکابر امت کے علوم وافکار کا نقیب

ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

جلد نمبر ۹ | ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ مطابق ستمبر ۲۰۱۸ء | شمارہ نمبر ۱۰۲

مفکرِ ملّت نمبر

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

مدیر :

مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی

استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

وڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند

مدیر مسئول :

مولانا عبداللہ ابن القمر الحسینی

ناظم شعبۂ نشر واشاعت

دارالعلوم وقف دیوبند

شرح خریداری

علاوہ ڈاک خرچ

فی شمارہ............۲۵ روپے

سالانہ............۲۵۰ روپے

سالانہ مع ڈاک خرچ............۳۲۵ روپے

تاعمر............۵۰۰۰ روپے

شائع کردہ : شعبۂ نشر واشاعت، دارالعلوم وقف دیوبند، سہارنپور (یوپی)

MONTHLY NIDA-E-DARUL ULOOM WAQF DEOBAND

SAHARANPUR (U.P.) INDIA PIN : 247554

Website: www.dud.edu.in / Email : nidaedarululoom@gmail.com

اس شمارے میں

ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' دارالعلوم وقف ویب سائٹ پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

Website: www.dud.edu.in

نوٹ : خریدار حضرات رسالہ سے متعلق ضروری معلومات کے لئے اوقاتِ دفتر ۸ر تا ۲ر بجے ہی رابطہ کریں۔ 01336-222752

اداریہ

شمع روشن بجھ گئی بزم سخن ماتم میں ہے

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب ❖

اہل علم حضرات کی مجالس میں اکثر و بیشتر استعمال کیا جانے لفظ ہشت پہلو اشخاص و افراد سے کان مانوس تھے لیکن بچشم سر ایسے اشخاص کی زیارت وقربت کی آرزو اور تمنا خاموش دعاء کی صورت میں ہمیشہ دل میں موجزن رہتی تھی اور جب بھی اس جذب دروں میں تموّج کی سی کیفیت ہوتی تو یہ آرزو یہ تمنا خاموشی کے قالب سے نکل کر ملفوظ دعاء کی صورت میں دل سے لبوں تک پہونچ جاتی اور میں دعاء کرتا تھا کہ حق تعالیٰ بہمہ صفات مطلوبہ جس کے سبب کسی مقرب بندے کے لئے بالقائے ربانی لوگوں کے قلوب واذہان میں ہشت پہلو صفات کی حامل شخصیت کا تصور بایں طور راسخ ہوجائے کہ یہ لفظ اپنے مکمل معانی سمیت اس شخصیت کا ایسا جز ولازم قرار پا جائے کہ اہل علم کے نزدیک اس کے بغیر تعارف ہی نامکمل ہو، حق تعالیٰ جل مجدہٗ ایسے شخص کی زیارت وقربت کا موقع عطاء فرمادیں جس کو ان کے بیکراں خزانۂ عطاء سے یہ مقام بلند حاصل ہو، عالم تکوین کے فیصلوں کا اس عالم اسباب میں نفاذ کے لئے ایک وقت مقرر ہے جو کسی نہ کسی سبب سے مربوط ہوتا ہے اور میں ایسا سمجھتا ہوں کہ بارگاہ رب العزت میں کسی حسن عمل کی قبولیت کے نتیجہ میں یہ دعاء جو کہ ایک آرزو ایک تمنا اور ایک تڑپ کی صورت نہاں خانۂ دل کے خاکستر میں جگہ بنائے ہوئے تھی اس کی قبولیت و وقوع کے لئے ۲۰۱۴ء کا ہی وقت مقرر تھا جب کہ والد محترم ومکرم خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ کی معیت اور محترم المقام جناب حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب دامت برکاتہم کی راہنمائی میں کاپودرہ کا سفر ہوا اور اس تاریخ ساز موقعہ پر مفکر ملّت رئیس العلماء فخر گجرات نمونۂ سلف حضرت مولانا عبداللہ اسماعیل پٹیل صاحب کاپودری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ سے بہ لحاظ قرب وانسیت پہلی مرتبہ بامعنی ملاقات ہوئی اگر چہ اس سے قبل جدّ محترم حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب

❖ مہتمم دار العلوم وقف دیوبند
مدیر اعلیٰ ماہنامہ ندائے دار العلوم وقف دیوبند

صاحب قدس اللہ سرہ کے ہمراہ بطور رفیق سفر راندیر و سورت کا سفر ہوا اور یاد پڑتا ہے کہ اس موقعہ پر ملاقات بھی ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں اس کے بعد بھی گجرات اور ملک کے دیگر مقامات اور مختلف مواقع پر راقم کو حضرت مفکر ملّت علیہ الرحمہ کی زیارت کا شرف حاصل تھا لیکن ۲۰۱۴ء میں والد مکرم و محترم رحمہ اللہ کی معیت ہوئی اس ملاقات میں شاید بہر دو اکابرین کی جانب سے تصرف باطنی کا اثر تھا یا اس پرنور مجلس کے دورانیہ میں بہر دو بزرگان امت کے درمیان نہایت بلند پایہ علمی گفتگو کی تاثیر تھی جس سے کہ علوم و معارف کے جواہرات و نوادرات کا گویا تانتا بندھا ہوا تھا جو کہ ہم خوردوں کے لئے باعث استعجاب اور موجب اشتیاق تھا کچھ ایسا سماں تھا جس سے قلب و ذہن منور اور زاویۂ فکر و نظر میں ایک تموج کی سی کیفیت موجزن تھی اور اس پر مستزاد حضرت مفکر ملّت رحمہ اللہ کے نورانی چہرے بشرے پر ایک نہایت دل آویز ہلکی سی مسکراہٹ گویا کہ **بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب** کی ایسی واضح ترین مشاہداتی تفسیر کہ درون قلب بصوت تکوینی یہ گواہی سنائی دے رہی تھی کہ ہشت پہلو شخصیت کا لفظ ایسے ہی اہل علم و عمل کے لئے وضع ہوا ہے اور میرے نزدیک حضرت مفکر ملّت رحمہ اللہ ایسے ہی قافلۂ علم و عمل کے ایک جانثار سالار کاررواں تھے جن کو ذات حق جلّ مجدہ نے اپنی بارگاہ عزت سے سند قبولیت بایں طور عطاء فرمائی تھی کہ آثار علم و عمل کی جزئی جزئی کو گواہ بنا کر اپنے لامحدود خزانۂ عطاء سے علم و فہم، شعور و آگہی، وسعت فکر و نظر، حسن کردار و گفتار، گہری بصیرت بہترین اوصاف اعلیٰ اخلاق و اخلاص، سلیقۂ حسن عمل، تواضع و انکساری اور اکرام ضیوف جیسی بہت سی صفات حمیدہ سے متصف فرما کر ایسی سربلندی و مقام عظمت سے سرفراز فرمایا تھا کہ فکر و فہم رکھنے والوں کے لئے حضرت مفکر ملّت رحمہ اللہ کی شخصیت نمونۂ عمل بن گئی اور اس پر مستزار بلا تفریق علاقائیت اور تعارف و شناسائی تمام مدارس اسلامیہ کے اساتذہ و طلباء کے لئے ہمہ وقت فکرمندی اور دل دردمند رکھنے والی شخصیت، ایک بلند پایہ مصنف و محقق، مدبر و منتظم غرض کہ بہمہ انواع اوصاف کی حامل ہشت پہلو شخصیت بالفاظ مختصر یہ کہ بہر دو بندگان مقبولین کی اس نورانی مجلس کے اختتام تک حضرت مفکر ملّت رحمہ اللہ کی دلآویز اور پراثر و پرکشش شخصیت ان کے علوم و معارف کا تبحر، دلکش اندازِ گفتگو اور ان کی بزرگانہ شفقتوں کا دل اسیر ہو چکا تھا اور یہ اوصاف اس طرز و شکل کے تھے جس کا نمونہ سلف صالحین کے حالات و واقعات سے اس طرح مطابقت رکھتا تھا گویا کہ اکابر و اسلاف کی کتابوں کے مطالعہ کی روشنی میں اس کا مشاہداتی عکس، متحرک و متکلم صورت میں نظروں کے سامنے ہو غرض کہ اس صحبت بافیض کے دورانیہ میں حضرت مفکر ملتؒ کی شخصیت ایک بلند پایہ باعمل عالم دین عمیق النظر دانشور، صاحب بصیرت مفکر، اعلیٰ پائے کے مدبر و محقق، بالغ نظر منتظم، درویش صفت، منکسر المزاج اور تواضع پسند، سراپائے انس

والفت اور مجسم محبت وشفقت کی حیثیت سے فکر ونظر پہ نقش ہو چکی تھی اور دل اس ہشت پہلو شخصیت کے فضل وکمال کا گرویدہ ہو چکا تھا جس کا فوری اثر یہ ہوا کہ دل بلا توقف عقل ودماغ اور قوت ادراک کو یہ پیغام دے رہا تھا کہ اگر علم وعمل کے اس چشمۂ صافی سے علمی استفادہ اور صحبت فیض حاصل نہ کر سکا تو یقیناً یہ تیرے حق میں حرماں نصیبی ہوگی پھر تو اس کے بعد موقعہ بہ موقعہ وقفے وقفے سے حضرت مفکر ملت ؒ کی زیارت وصحبت کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ کم وبیش اسی دورانیہ میں الہٰ آباد کا سفر ہوا اور عارف باللہ شیخ طریقت مخدوم گرامی حضرت مولانا شاہ قمر الزماں صاحب الہٰ آبادی ادام اللہ فیوضہم کی خدمت اقدس میں حضرت قبلہ والد محترم قدس سرہ کا مکتوب گرامی بہ سلسلۂ رکنیت برائے مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند لے کر حاضری کا شرف حاصل ہوا، اور دوران گفتگو بتایا کہ یہاں سے اسی غرض وغایت کے ساتھ کاپودرہ جانے کا عزم ہے حضرت والا دامت برکاتہم نے یہ جان کر نہ صرف بیحد خوشی ومسرت ہی کا اظہار فرمایا بلکہ اسی وقت حضرت مفکر ملت ؒ سے فون پر بات کی اور اپنے بزرگانہ عالی مقام سے نہایت شفقت آمیز وقیع ترین کلمات سے راقم کی کاپودرہ آمد کا ذکر فرمایا اور بالخصوص بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ سے نسبی رشتہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت دارالعلوم وقف دیوبند کو عالم تکوین سے لے کر عالم ظاہر تک جو مقام عظمت اور عنداللہ قبولیت وعندالناس مقبولیت حاصل ہے وہ اس امر کی طرف مشیر ہے کہ اسلاف واکابر دیوبند کی تمام نسبتیں اس ادارہ میں مجتمع ہوگئی ہیں لہٰذا دارالعلوم وقف دیوبند کے ساتھ یہ وقیع انتساب روایات اکابر کی نشأۃ ثانیہ اور اس کے تحفظ کا محض عنوان ہی ہے بلکہ وجدان یہ کہتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ اور حضرت حکیم الاسلامؒ سے نسبت وقربت کے لحاظ سے اس ادارے کو عالم تکوین میں مقام عزت وعظمت کی سند قبولیت حاصل ہے، حضرت شیخ طریقت دامت برکاتہم العالی کے الفاظ کی تاثیر اور حضرت مفکر ملت ؒ کے باطنی فیوض وبرکات کے زیر اثر مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند کی رکنیت کو حضرت نانوتویؒ کی نسبت وتعلق کے حوالے سے نہ صرف قبول ہی فرمایا بلکہ دارالعلوم وقف دیوبند اور اس کے بلند پایہ علمی وتعلیمی امور کے سبب ادارے سے ایسا والہانہ تعلق قائم ہوا کہ اس کے بعد مدۃ العمر سفر ہو کہ حضر مجلس ہو کہ اجتماعات اہل خاندان ہوں یا حضرتؒ کے پاس آنے والے واردین وصادرین موقعہ بہ موقعہ دارالعلوم وقف دیوبند کے بلند پایہ علمی کاموں کا بہت ہی وقیع ترین الفاظ میں تذکرہ فرماتے اور ہمہ وقت ادارے کی ظاہری ومعنوی ترقیات کے لئے کوشاں رہتے۔

دارالعلوم وقف دیوبند میں دارالقرآن کی پر شکوہ عمارت حضرت مفکر ملت ؒ کی توجہات اور خصوصی

مستجاب دعاؤں کا ہی ثمرہ ہے زیر تعمیر اطیب المساجد کی تکمیل اور ادارے کے مہمان خانہ کی تعمیر کے لئے بیحد متفکر تھے اور ان دوضروریات ادارہ کے تقدم اور ترجیح کو بہت ہی اہمیت کے ساتھ ذکر فرماتے ہوئے مجوزہ دارالاقامہ جدید کی تعمیر کا تذکرہ فرماتے۔

ادارے کے ساتھ حضرتؒ کے والہانہ تعلق کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ وفات سے قریب ہفتہ عشرہ قبل جب کہ مرض کی شدت غالب آ چکی تھی اور نوساری کے ایک ہسپتال میں ڈاکٹروں کی انتہائی نگہداشت میں ظاہری تدابیر جاری تھیں اور بار بار غفلت کا طاری ہونا اہل خانہ و معالجین کے لئے تشویش اور فکر مندی میں بتدریج اضافہ کا باعث بنا ہوا تھا اسی موقعہ پر عزیزم میاں محمد شکیب قاسمی سلمہ کا بغرض زیارت وعیادت گجرات کا سفر ہوا جیسے ہی غفلت کم ہوئی اور ان کے پہنچنے کی اطلاع ملی تو فوراً اپنے پاس بلایا اور دل موہ لینے والی شفقت سے ملاقات کے بعد ادارے کے احوال اور دارالقرآن کی ناقص فنشنگ پر دوبارہ مجوزہ کام کے آغاز کے تعلق سے نیز دیگر علمی و تعلیمی اور انتظامی و تعمیراتی سرگرمیوں پر تفصیلی گفتگو اس طرح فرمائی کہ درمیان میں اگر غفلت طاری ہوجاتی تھی تو دوبارہ بیدار ہونے پر وہیں سے گفتگو کا آغاز فرماتے جہاں سے غفلت طاری ہونے کے سبب بات منقطع ہوئی تھی اور اس ذہنی استحضار پر حضرتؒ کی گرفت بہ عطائے خداوندی آخری لمحات تک باقی رہی اسی سلسلۂ گفتگو کے دوران دارالقرآن کو دیکھنے کی شدید خواہش کا اظہار کرتے ہوئے بصد شوق وحسرت اس آرزو اور تمنا کو بیان فرمایا کہ دعاء کریں کہ اگر زندگی کی کچھ مہلت باقی ہے تو حق تعالیٰ اتنے وقت کے لئے صحت و ہمت عطاء فرمادیں کہ میں دارالعلوم وقف اور اس میں بنے دارالقرآن کی زیارت کرآؤں۔

اسی استحضار ذہنی کا راقم نے بھی مشاہدہ کیا جب کہ وفات سے ٹھیک ایک روز قبل ۹؍جولائی ۲۰۱۸ء کو طویل سفر سے واپسی کے معاً بعد بغرض زیارت وعیادت کاپودرہ حاضر ہوا، اس وقت اگرچہ آواز ساتھ چھوڑ چکی تھی اور اپنی بات اشاروں میں فرمارہے تھے، حضرتؒ کے لائق وفائق فرزند ارجمند حضرت مولانا اسماعیل عبداللہ پٹیل صاحب کاپودروی نے حضرتؒ کو راقم کے آنے کی اطلاع دی فوراً طلب فرمالیا اور بوقت ملاقات چہرے پر غایت درجہ بشاشت لبوں پر نہایت دل آویز مسکراہٹ اور آنکھوں میں خوشی کی غیر معمولی چمک ان کیفیات کو میں نے ہی نہیں بلکہ وہاں پر موجود تمام ہی حاضرین نے بہت ہی واضح انداز میں محسوس کیا، راقم نے دست بوسی کے لئے حضرتؒ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا تو دیر تک انتہائی شفقت کے ساتھ دباتے رہے اور اشاروں سے فرمایا کہ دعاء کیجئے، قلب و دماغ مضطرب اور آنکھیں اشکبار، یہ آخری ملاقات تھی، ہسپتال لے جانے کی تیاری ہے ایمبولینس دروازے پر آچکی ہے تمام اہل خانہ و متعلقین

سرگرداں و پریشان دلوں کی دھڑکنیں لمحہ بہ لمحہ اس خوف و ہراس میں تیز سے تیز تر ہورہی ہیں کہ نہ جانے کب دم آخر ہوجائے لیکن اس کیفیت اور صورت حال میں بھی ذہنی استحضار کا یہ عالم کہ ہسپتال لے جانے کے لئے اسٹریچر پر لٹایا جارہا ہے، برادر مکرم جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب سے اشاراتی زبان میں راقم کے بارے میں دریافت فرمارہے ہیں کہ ناشتہ ہوا کہ نہیں، پروگرام کیا ہے؟ کھانے کا نظم کیا ہے؟ ائیرپورٹ کون جائے گا؟ اللہ اکبر! مولانا نے جواب میں فرمایا کہ آپ بالکل مطمئن رہیے گا جناب حضرت مولانا اقبال صاحب ٹنکاروی ناظم مدرسہ ماٹلی والا مولانا کے ساتھ ہیں۔

غرض کہ حالات و واقعات کا ایک تسلسل ہے اگر تفصیل کے ساتھ واقعات کا ذکر کیا جائے تو یہ چند صفحات ہرگز اس کے متحمل نہیں ہوسکتے ہیں اگرچہ جی یہی چاہتا ہے کہ تمام واقعات اور احوال کو بالتفصیل ذکر کیا جائے لیکن اس وقت نہ تو وقت میں گنجائش ہے اور نہ ہی زیر نظر مفکر ملتؒ نمبر کی ضخامت اس کی اجازت دے رہی ہے البتہ چند اجزاء کا بالاختصار ذکر ناگزیر ہے۔

ایک موقع پر راقم السطور نے بغرض شرف زیارت حاضری کے لئے اجازت چاہی بزرگانہ مقام عظمت سے فرمایا کہ آپ کا آنا باعث سعادت اور حاضری میرے لئے موجب مسرت ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند نسبت عطا فرمائی ہے آپ کے لئے دل و دماغ اور گھر کے دروازے بلا قید وقت بہر لحظہ و لمحہ آج بھی کھلے ہوئے ہیں اور میرے جانے کے بعد بھی ہمیشہ اسی طرح کھلے رہیں گے، کبھی بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ آج حضرت مولانا شیخ محمد حنیف صاحب لوہاروی دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ و رکن مؤقر مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند نے بندے کی خواہش پر گجرات مدارس کے اساتذہ و طلباء کا ایک اہم اجلاس طلب کیا ہے اور اتفاق سے وہی وقت آپ کے پہنچنے کا بھی ہے بہت ہی اچھا ہو کہ آپ پہلے کھروڈ آجائیں تا کہ آپ کی بھی اس اہم اجلاس میں شرکت ہوجائے اور کچھ بیان بھی ہوجائے، اس اجلاس کے انعقاد کا موقعہ و موضوع دراصل حضرت مفکر ملتؒ کا مدارس اسلامیہ اور اس کے اساتذہ و طلبا کے تعلق سے ایک خاص پس منظر میں فکر مندی سے تھا، یہ بات قابل ذکر و اتباع ہے کہ حضرتؒ نے اس متاع حیات کو ہمیشہ بایں طور عبادت سمجھ کر گذارا ہے کہ اُس کا ایک ایک لمحہ و لحظہ بے ہوش نہیں باہوش تھا تخلیہ سے لے کر مجالس تک، حضرت کی زندگی عباداتی تمثیل سے ہی عبارت تھی کیونکہ وہ ایک عالم باعمل تھے ان کے نزدیک علم محض جانکاری کا نام نہیں بلکہ عملی استواری کا نام علم تھا محض کتابی علم تطہیر باطن کا ذریعہ نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ علم و عمل میں توازن قائم نہ ہو، اگرچہ کسی کا علمی مقام و مرتبہ دنیاوی اعتبار سے کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔

جامعہ قاسمیہ کھرووڑ کے اس تاریخی اجلاس میں حضرت مفکر ملتؒ نے بہت دل سوزی کے ساتھ تاریخ ساز بیان کرتے ہوئے اساتذہ وطلباء کو نصیحت فرمائی کہ اسلام کا کوئی دور ایسا نہیں گذرا ہے جس میں کہ اس کے سامنے چیلنجز، پیش نہ آئے ہوں اور بیدار مغز اہل علم وعمل نے سربہ کف توکل علی اللہ کی مضبوط ترین بنیادوں پر موقعہ ومحل کے حسب حال پیش آمدہ حالات کا مقابلہ کرکے عوام الناس کے قلوب میں ہمت و حوصلوں کے چراغ روشن نہ کئے ہوں اس قائدانہ وصف کا بقائے مستمر ہی دراصل مدارس کی روح ہے اور نفسیاتی اصول کے مطابق بھی مایوسانہ فکر وعمل سے کبھی بھی مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کئے جاسکتے ہیں لہٰذا اسلام کو درپیش موجودہ شدید معاندانہ روش سے نتیجہ خیز مقابلے کے لئے علمی وفکری اور عملی سطح پر بصیرت و حکمت کے ساتھ، ذہنی بلندی، ہمت وحوصلہ اور حکمت عملی کے علی الرغم بہمہ جہت کردار کی مضبوطی کی شدید ضرورت ہے اس کو تقویت بہم پہونچانے کے لئے اپنے اکابر واسلاف کی حیات وخدمات کا بالاستیعاب مطالعہ اور اس کو اپنی عملی زندگی کا جزو لازم بنانا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اساتذہ کے لئے لازم ہے کہ اپنے اکابر واسلاف کے حیات بخش کارناموں کو طلباء کے گوش گزار کریں اور انہیں بتائیں کہ بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، فخر الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اپنے دور کے امام المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب رحمہم اللہ علیہم اجمعین اور اس تابندہ ودرخشاں کہکشانی سلسلے کے دیگر تمام آفتاب و ماہتاب حضرات نے کس قسم کے مایوس کن اور انتہائی شدید وحوصلہ شکن احوال میں اسلام کی سربلندی کے لئے کس ایثار واخلاص اور جانفشانی اور ہمت وحوصلے کے ساتھ جاں گسل حالات کا سامنا کیا جس کے حیات بخش نتائج صدیوں کو محیط ہیں یہ حضرات بھی انہیں مدارس کے پروردہ تھے میرے نزدیک درپیش احوال کے سامنے اہل علم اور خصوصاً اہل مدارس کے لئے مایوسانہ فکر وعمل اور جمود وتعطل کا کوئی جواز نہیں ہے اگر کوئی کمی ہے تو محض اپنے اکابرین کے عظیم الشان علم وعمل سے ناواقفیت اور عدم توازن کی ہے۔ لہٰذا اس تجزیہ کے تناظر میں تمام اہل علم کے لئے بالعموم اور ارباب مدارس کے لئے بالخصوص اکابر واسلاف کی حیات وخدمات کا ناقدانہ نہیں بلکہ منصفانہ اثبات فکر کے ساتھ مطالعہ وعمل ناگزیر بھی ہے اور ذمہ داری بھی ہے۔

بالفاظ مختصر یہ کہ حضرت مفکر ملتؒ عہد حاضر کے ہم آہنگ تقاضوں کے مطابق ذات حق جل مجدہ کی طرف سے اس دور کے ایسے نقیب ومنادمقرر فرمائے گئے تھے جنہوں نے جو کچھ اپنے بزرگوں کے طرز عمل کو

دیکھا سنا پڑھا اور سمجھا اس کو اپنے وقت کی آواز میں ڈھال کر دور رواں کے اسلوب فہم و تفہیم اور استعارہ و اصطلاحات میں منتقل کر کے **کلموا الناس علی قدر عقولھم** کے اصول کے مطابق اپنے سے اگلی نسلوں کی راہنمائی کا فریضہ مدۃ العمر انجام دیا اور یہی وہ مابہ الامتیاز اوصاف تھے جس کے سبب حضرتؒ کو اہل علم اور عوام الناس میں یکساں طور پر قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، آج بے شک جسم و جان اور متحرک و متکلم صورت میں حضرتؒ ہمارے درمیان میں موجود نہیں ہیں اور اتنی دور جا چکے ہیں جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آیا لیکن اپنے علم و عمل اور ورع و تقوی کے حیات بخش نقوش کی صورت میں اپنے تلامیذہ کی شکل میں اپنے افکار و معارف کے پیرائے میں اور اپنی بااصول طرز حیات اور بود و باش کے آئینے میں اپنی بیش بہا اور قیمتی ترین تصانیف و ملفوظات کے قالب میں ہمارے قلوب و اذہان میں تابندہ و پائندہ ہیں اور ان شاء اللہ صدیوں تک باقی رہیں گے۔

انہی یادگار باقیات کے تسلسل کے ذیل میں حضرت مفکر ملتؒ کا ایک قیمتی ترین سرمایہ وہ کتب خانہ بھی ہے جس میں بقول شخصے کہ:

جمع کیا ہے جگر لخت لخت کو

جو کہ ایک بیش قیمت خزانے سے کم نہیں ہے حضرتؒ کی خواہش تھی کہ اس بیش قیمت کتب خانے کو رفاہ عام کے پیش نظر بایں طور محفوظ کر دیا جائے جہاں اہل علم کے لئے رسائی بھی آسان ہو اور آمد و رفت بھی کثرت سے ہو چنانچہ اس غرض و غایت کی قرار واقعی تکمیل کے لئے حضرتؒ کی نظر انتخاب جامعہ قاسمیہ کھروڈ پر ٹھہری جو کہ حضرتؒ کی رہائش سے بھی نزدیک ہے۔

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ حضرت مولانا شیخ محمد حنیف صاحب لوھاروی دامت برکاتہم العالیہ مؤقر رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند نے اپنے بلند علمی مقام سے اس گوہر نایاب کی صحیح جہت کا اندازہ لگاتے ہوئے اس قیمتی ترین علمی سرمائے کو ادارہ کی عام لائبریری میں محفوظ نہیں کیا بلکہ حضرت مفکر ملتؒ کی یادگار میں ایک ریسرچ اکیڈمی قائم کی اور اس کے لئے ایک مستقل پرشکوہ و دیدہ زیب عمارت تعمیر کرائی جس میں بحث و تحقیق کا کام کرنے والے اہل علم حضرات کی جملہ ضروریات کا بھرپور خیال رکھا گیا اکیڈمی کی عمارت سے ملحق نہایت آرام دہ مہمان خانہ ہے اکیڈمی کی لائبریری کو جدید انداز میں منظم کیا گیا ہے، بلاشبہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کا یہ اقدام نہایت لائق ستائش اور قابل استفادہ ہے، حضرتؒ کے پاس جو بھی متنوع علوم و فنون کے دلدادہ صاحبان علم تشریف لاتے، حضرتؒ ان کو اکیڈمی کی زیارت کی ضرور تاکید و ترغیب فرماتے تھے۔

حضرت مفکر ملتؒ کی حیات سے وابستہ مختلف النوع واقعات کا ایک طویل تسلسل ہے اور ہر واقعہ ایک مستقل مضمون کا عنوان ہے چنانچہ اس حقیقت واقعہ کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مفکر ملتؒ کی حیات وخدمات کی مختلف جہات کے تفصیلی تذکرے کو دستاویزاتی صورت میں آنے والی نسلوں کے لئے بطور نقوش حیات خزینۂ تاریخ میں محفوظ کردینے کی غرض سے دارالعلوم وقف دیوبند نے سال رواں ۱۴۴۰ھ کے ماہ جمادی الثانی میں حضرت مفکر ملّت کی حیات وخدمات پر ایک سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے جس میں یقین ہے کہ حضرت مفکر ملتؒ کی مجالس علم وعمل اور درس وتدریس کے فیض یافتہ صاحبان علم کے تجربات، مشاہدات، تأثرات، واقعات کو مدون کرکے ایک نہایت بیش قیمت دستاویز کی شکل میں انشاء اللہ تعالیٰ منصۂ مشہود پر لانے کا عزم وقصد ہے، حضرتؒ سے وابستہ اہل علم وقلم حضرات سے خصوصیت کے ساتھ درخواست ہے کہ اس مجوزہ سیمنار کے تعلق سے دارالعلوم وقف دیوبند کے ساتھ علمی وقلمی معاونت فرمائیں تاکہ ادارہ کی جانب سے اس فرضِ کفایہ کی ادائیگی میں آپ کی حصہ داری کو بھی تاریخ ہمیشہ کے لئے محفوظ کردے۔

آخر میں راقم السطور اپنی طرف سے اور جماعت علمائے دارالعلوم وقف دیوبند کی جانب سے مفکر ملّتؒ کے تمام اہل خاندان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے، بالخصوص برادران مکرم ومحترم جناب مولانا اسماعیل عبداللہ پٹیل صاحب جنہوں نے اپنے آپ کو حضرتؒ کی خدمت وراحت کے لئے وقف کرکے دارین کی ابدی سعادت کو اپنے نام کرلیا ہے، بلاشبہ یہ عظیم ترین حسنِ عمل موجودہ نسل کے لئے ایک روشن مثال اور حاصلِ سبق ہے دوسرے لندن میں مقیم محترم ومکرم جناب حافظ ابراہیم عبداللہ پٹیل صاحب جو کہ دیارِ غیر میں اپنے والد مرحوم ومغفور کی روایات کے امین بھی ہیں اور اس کے علم بردار بھی ہیں، جب جب ملاقات ہوتی ان میں محبت وانسیت اور ادارے سے والہانہ تعلق میں حضرتؒ کی جھلک پاتا ہوں۔ دعاء ہے کہ حق تعالیٰ تمام اہل خانہ کو حضرت مفکر ملّت رحمۃ اللہ کی ہمہ نوع روایات کا ہمیشہ امین بنائے رکھیں۔
آمین یارب العالمین

وما علینا الاّ البلاغ

مختصر خودنوشت سوانح

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ

مفکر ملت حضرت مولانا مفتی عبداللہ اسماعیل صاحب علیہ الرحمہ ❖

ولادت وخاندان کے بارے میں

میرے والد صاحب کا اصل وطن جیتالی، تحصیل انکلیشور، ضلع: بھروچ (صوبہ گجرات) ہے، انگریزوں کے دور میں ہر گاؤں کے پٹیل (مکھیا) کو کافی اختیارات ہوتے تھے، وہ گاؤں کا حاکم سمجھا جاتا تھا، عرصہ سے گاؤں کی یہ سرداری ہمارے خاندان میں تھی، دادا جان ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے، اور ۱۹۰۹ء میں ان کا انتقال ہوگیا، دادا جان کا نام حسین قاسم پٹیل تھا، وہ باوقار اور سادہ زندگی گذارتے تھے، اور علاقہ میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، دادا جان صاحب اولاد تھے، لڑکوں میں ابراہیم، محمد، اسماعیل، موسیٰ، اوراحمد نامی پانچ لڑکے تھے، اور چار لڑکیاں تھیں۔ خاندانی شجرہ گجراتی اور انگریزی میں چھپا ہوا ہے۔

دادا جان کا جب انتقال ہوا، تو میرے والد مکرم ۱۰/۱۱ سال کی عمر کے تھے، جوناگڈھ میں چچا کے ساتھ انگریزی پڑھتے تھے، پھر کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ تعلیم چھوڑ کر ملازمت اختیار کی، قریب کی ایک بستی میں گجرات اسکول میں ماسٹر کی حیثیت سے کام شروع کیا۔

کچھ عرصہ ملازمت کرنے کے بعد ایک ہم پیشہ ماسٹر صاحب کی ترغیب سے برما کا سفر کرنے کا ارادہ کیا، اس دور میں برما تجارت اور دیگر حیثیت سے بہت معروف تھا، والد صاحب نے رنگون اور دیگر شہروں میں کام کیا۔

کاپودرا میں والد صاحب کے حقیقی ماموں ابراہیم قاسم پٹیل تھے، کاپودرا کے پٹیلوں میں ان کا شمار ہوتا تھا، ان کی اکلوتی صاحبزادی آمنہ سے نکاح ہوا، اور نانا جان کی ترغیب کے بعد جیتالی کے بجائے کاپودرا میں مکان خریدا گیا۔

❖ سابق رکن مجلس مشاورت، دارالعلوم وقف دیوبند

۱۹۲۵ء تک برما میں رہے، اس کے بعد ہندوستان واپسی ہوئی، اور والد صاحب نے اپنے حقیقی بھائی محمد پٹیل کے ساتھ اشتراک کر کے انکلیشور میں کپڑے کی تجارت کی، مگر غالباً اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی، اس لیے چار پانچ سال تجارت کرنے کے بعد پھر برما کا سفر کیا۔

برما میں شان اسٹیٹ نامی صوبہ کے ھیہو (HEHO) نامی بستی میں تجارت شروع فرمائی، ۱۹۳۳ء=۱۳۵۲ھ میں اسی شہر میں بندہ کی پیدائش ہوئی، مجھ سے پہلے پانچ بہنوں کی ولادت ہوئی تھی، اس لیے خاندان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

برما میں علماء کرام کے ساتھ والد صاحب کا عقیدت کا تعلق تھا، اور ہندوستان میں حضرت مولانا عیسیٰ صاحبؒ خلیفہ حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ بھی خط وکتابت جاری تھی، نیز خود حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے گاہ بگاہ خط وکتابت کرتے تھے، ان تمام بزرگوں سے میرے لیے دعاء کراتے رہے۔

والد صاحب کے پرانے خطوط میں ایک خط ہے، جس میں والد صاحب نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے دعاء کی درخواست کی ہے:

حضرتؒ نے حاشیہ پر تحریر فرمایا: ''دعاء کرتا ہوں''

میری عمر دو ڈھائی سال کی ہوگی کہ ۱۹۳۵ء کے اواخر میں والد صاحب نے برما سے پھر ہندوستان کا رخ کیا، چوں کہ جیتالی کا مکان فروخت کر چکے تھے، اس لیے کاپودرا میں قیام فرمایا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی شہرت ملک کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی تھی، والد صاحب عرصہ سے خط وکتابت کے ذریعے بیعت ہو چکے تھے، اب اجازت طلب کر کے ''تھانہ بھون'' بھی حاضر ہوئے اور اپنے شیخ کے فیوض سے مستفید ہوئے۔

اس زمانے میں ڈابھیل میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ بدر عالم میرٹھیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ تشریف لائے، والد صاحب ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہتے۔

علامہ بدر عالم میرٹھیؒ، علامہ بنوریؒ اور مفتی مہدی حسن صاحبؒ کو کاپودرا بھی مدعو کرتے رہتے، علمائے راندیر میں مولانا محمد حسین صاحبؒ، مولانا حکیم ابراہیم صاحب، مولانا اشرف صاحب وغیرہم سے اچھے تعلقات تھے۔

والد صاحب نے زیادہ دینی تعلیم حاصل نہیں کی تھی، مگر قرآن مجید کی تلاوت کی پابندی، دینی کتابوں کا مسلسل مطالعہ، علماء وصلحاء کی صحبت کے سبب کافی معلومات رکھتے تھے، اور عقائد اور اعمال میں بہت ہی پختگی تھی۔

ان اکابرین کی صحبت کا نتیجہ تھا کہ والد صاحب نے میری تربیت سختی کے ساتھ کی، اور بچپن سے جماعت کی پابندی، اور تلاوت کی عادت ڈالی۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**

ہمارے خاندان میں - جو جیتالی میں رہتے ہیں - عموماً اعلیٰ انگریزی تعلیم کا رواج تھا، چناں چہ بعض چچا جج تھے، کوئی تحصیل دار تھا، کوئی فوج دار تھا، اور ان کے لڑکے وکیل تھے؛ اس لیے خاندان والوں کا رجحان مجھے بھی انگریزی تعلیم دلوانے کا تھا، مگر والد صاحب نے مجھے دینی تعلیم دلانے کی نیت کر لی تھی، اور باوجود اس کے کہ اقتصادی حالات بہت ہی نامساعد ہوگئے تھے، جس کا تقاضہ تھا کہ مجھے انگریزی تعلیم دلوا کر افریقہ بھیج دیتے، یا حکومت میں کوئی ملازمت کی سعی کرتے، مگر انھوں نے زندگی بھر تکلیف برداشت فرمائی اور مجھے علوم دینیہ کی تحصیل اور اس کے راستے میں مجاہدہ کرنے کی تلقین کرتے رہے۔

اس زمانے میں مجھے اس کا احساس نہیں ہوسکتا تھا کہ والد صاحب نے کتنی بڑی قربانی دی ہے، مگر اب میں ان حالات کو سوچتا ہوں تو والدین کے لیے دل سے دعاء کرتا ہوں کہ دنیوی آسائشوں کو چھوڑ کر انھوں نے مجھے اس مبارک علم کے حصول پر لگایا۔

اگر والدین کی یہ استقامت نہ ہوتی، تو آج میں بھی حکومت کے دفتر میں ہوتا یا افریقہ کے کسی بھی شہر میں زندگی گذرتی۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس عظیم قربانی کو قبول فرما کر بلند درجات نصیب فرمادے، آمین۔

کاپودرا میں حضرت اقدس تھانویؒ سے بیعت کرنے والوں کی اچھی تعداد تھی، وہ سب حضرات میرے پھوپھا محمد پانڈور - جو مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے - کے مکان پر ظہر سے عصر تک حضرت تھانوی کے مواعظ کا مذاکرہ کرتے تھے، پھوپھا جان پڑھتے تھے اور دوسرے حضرات سنتے تھے، کبھی کبھی خاص انداز میں مثنوی بھی پڑھتے تھے، میں کبھی کبھی والد صاحب کے ساتھ اس مبارک مجلس میں شریک ہوتا، کم سنی کے سبب مواعظ تو سمجھ میں نہیں آتے تھے، مگر اسی وقت سے مدرسہ میں داخل ہوکر علم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا گیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس رجحان میں ان مبارک مجلسوں کا اثر تھا۔

میری طالب علمی اور اساتذہ کرام

بندہ کی ابتدائی تعلیم کاپودرا، تحصیل: انکلیشور، ضلع بھروچ کے مدرسہ اسلامیہ نامی مکتب میں شروع ہوئی، مکرم جناب حافظ ابراہیم بن اسماعیل ملاںؒ - جو عمرواڑہ کے باشندے تھے - سب سے پہلے استاذ تھے، الف با سے قرآن مجید مکمل اور اردو قاعدے سے تعلیم الاسلام، بہشتی ثمر کے دو حصے، اور چہل سبق تک ان کے پاس اسباق ہوئے، اسکول کی تعلیم درجہ پانچ تک ہوئی، جو گاؤں کے اسکول میں ہوئی تھی، ۱۹۴۴ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں داخلہ ہوا۔

درجہ فارسی اول اور دوم مولانا داؤد کفلیتوی اور مولانا عبدالحی بن مفتی اسماعیل بسم اللہ رحمۃ اللہ علیہ

سے پڑھا، درجہ عربی اول بھی مولانا عبدالحی بسم اللہ ڈابھیلی مرحوم سے پڑھا، مولانا عبدالحی بسم اللہؒ ایک قابل اور اردو فارسی کے باذوق استاذ تھے، اسباق کی تفہیم کا خاص انداز رکھتے تھے، بندہ کے بہت ہی شفیق استاد اور مربی تھے، چناں چہ فارسی کی درسی کتابوں کے علاوہ، اخلاق محسنی اور یوسف زلیخا کا خصوصی طور پر درس دیا، ان کا مکان ڈابھیل گاؤں میں تھا، مگر مدرسہ کے احاطہ میں بھی ایک کمرہ تھا، جس میں عربی اردو، فارسی کی مختلف کتابیں رکھی رہتی، بندہ کا خادم کی حیثیت سے کمرہ میں جانا آنا رہتا، تو مختلف کتابوں کے مطالعے کی ترغیب دیتے۔

اسی کمرے میں مولانا شبلیؒ کی ''الفاروق'' رکھی تھی، میں نے اس کا مطالعہ شروع کردیا، اور اس کتاب کے پڑھنے میں اتنا لطف آیا کہ چندروز تک اسی میں منہمک رہا، اور غالباً مجھے کتب بینی کا شوق اسی کتاب کے مطالعہ سے پیدا ہوا، سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ کتب بھی اسی سال دیکھی۔

قرآن کی تعلیم قاری بندہ الٰہی میرٹھی صاحب مدظلہ (اب وفات پاگئے، اللہ مغفرت فرمائے۔ مرتب) اور کچھ قاری محمد حسن صاحب امروہیؒ سے حاصل کی، عربی دوم کی کتابیں: نورالایضاح، قدوری، علم الصیغہ، بحرالآداب (مصری) تیسیر المنطق، وغیرہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صوفی ڈابھیلی المعروف بہ صوفی صاحبؒ سے۔ صوفی صاحبؒ اپنی سخت گیری اور قواعد وضوابط کی پابندی اور اسباق کی پوری تیاری کرانے میں معروف تھے، مگر اللہ کے فضل وکرم سے پورا سال عافیت اور صوفی صاحبؒ کی خوشنودی سے گذر گیا، ابتدا کے ایک دوماہ کے بعد صوفی صاحبؒ اعتماد کے سبب بندہ کا سبق بھی نہیں سنتے، ہاں گاہ بگاہ کچھ سوالات کرتے۔

دارالعلوم دیوبند کا سفر والد صاحبؒ کے علم کے بغیر ہوا، حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہؒ بھی -جو جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے مہتمم تھے، اور قبلہ والد صاحب کے تعلق کے سبب راقم الحروف کا خاص خیال فرماتے تھے، اس سفر سے بالکل ناخوش تھے، مگر بندہ کے کچھ رفقاء جو ابتداء عربی میں ساتھ تھے، دارالعلوم داخل ہوگئے۔

ان بزرگوں کی اجازت کے بغیر دیوبند کا سفر ہوا، جس کا خمیازہ بعد میں بھگتنا پڑا، **اللهم اغفرلی ذنبي.**

دیوبند کا یہ سفر ۱۹۴۸ء میں ہوا، جو ملک کی تقسیم کے بعد والا سال تھا، اور ہندو مسلم فسادات پورے شمالی ہند میں جاری تھے، دیوبند میں دوماہ ویسے ہی گذر گئے، اور پھر کنز وشرح جامی کی جماعت میں داخلہ ہوا، کنز الدقائق مولانا نصیر احمد خان صاحب مدظلہ، موجودہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند (حضرت والا بھی اللہ کو پیارے ہوگئے) کے پاس، شرح جامی مولانا فخر الحسن صاحبؒ کے پاس، نفحۃ العرب مولانا سید حسنؒ کے پاس داخل ہوکر اور اصول الشاشی مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی مدظلہ اب رحمۃ اللہ علیہ سے سماعت کی۔ الحمد للہ عافیت سے سال پورا ہوا اور اچھے نمبرات سے کامیابی بھی ہوئی۔

اگلے سال دوبارہ شوال المکرّم میں دارالعلوم حاضر ہوا، شرح وقایہ مولانا نصیر احمد خان صاحب کے پاس، مقامات حریری مولانا معراج الحقؒ کے پاس نورالانوار وغیرہ کتابیں شروع کیں۔ مگر شاید تین ماہ بعد بخار میں مبتلا ہوگیا، سہارن پور کے ایک ڈاکٹر نے غلط تشخیص کی، اور دوستوں نے مجھے واپس گھر بھیج دیا، دوماہ علاج ومعالجہ میں گذر گئے، اور پھر والد صاحب اور رشتہ داروں کی رائے دوبارہ ڈابھیل داخل ہونے کی ہوئی، جامعہ ڈابھیل میں اس سال عربی درجہ چہارم میں کوئی طالب علم نہیں تھا، اس لیے عربی سوم یا پنجم میں داخل ہونے کی رائے ہوئی، صحت کی خرابی کے سبب عربی پنجم میں داخلہ کرلیا، ہدایہ اولین، متنبّی مولانا محمود صاحب پانڈور سملکی، حسامی مولانا عبدالرؤف صاحب کے پاس پڑھی اور مختصر المعانی بھی۔ اگلے سال مشکوۃ شریف، شرح عقائد مولانا عبدالرؤف صاحب کے پاس، جلالین شریف مولانا عبدالجبار صاحب کے پاس، ہدایہ آخرین مولانا فضل الرحمن صاحب کے پاس ہوئی اور پھر دورۂ حدیث شریف کی تکمیل ہوئی۔

بخاری شریف جلد اول حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ، اور جلد ثانی مسلم شریف اور طحاوی مولانا عبدالرؤف صاحب کے پاس، ابوداؤد شریف مولانا فضل الرحمن دیوبندی صاحب سے پڑھی۔ ۱۹۵۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ نے احادیث، سہارن پور میں شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ ودیگر اساتذہ سے پڑھی ہے اور حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب نے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور دارالعلوم کے دیگر اساتذہ سے حدیث شریف کی سند حاصل فرمائی، نیز عالم اسلام کے ممتاز عالم علامہ زاہد کوثری سے بھی ان کو حدیث شریف میں خصوصی اجازت حاصل ہوئی تھی۔

مولانا عبدالرؤف صاحب اکوڑہ، کٹک پاکستان میں شیخ الحدیث رہے، اور اس وقت کسی اور مدرسہ میں ہیں، مولانا فضل الرحمن دیوبندی چھاپی اور تاراپور میں کئی سال شیخ الحدیث رہے، جنھوں نے حضرت مدنی سے دورہ پڑھا۔

چوں کہ میری عربی چہارم وپنجم کی کتابیں بیماری کے سبب مکمل نہ ہوسکی تھیں، اس کی تلافی کی شکل یہ ہوئی کہ ۶۰-۱۹۵۹ء میں مولانا اسماعیل گارڈی کے دو صاحبزادوں مولوی عبدالرحمن صاحب سلمہ اور حافظ حبیب الرحمن صاحب سلمہ کے ساتھ جب دیوبند میں دوسال قیام ہوا، تو شرح وقایہ دوبارہ حل کی، ہدایہ اولین مکمل مولانا اختر حسین صاحب سے سماعت کی، متنبّی مولانا معراج الحق صاحب سے پڑھی، بیضاوی شریف حضرت مولانا فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سماعت کی، نیز بخاری شریف حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے چھ ماہ تک سماعت کی۔ اسی دور میں طحاوی شریف اور رسم المفتی کے کچھ

اسباق حضرت مفتی مہدی حسن سے پڑھے، نیز مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ مرادآبادی، حضرت مفتی مہدی حسن رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے احادیث کی سند تبرکا حاصل کی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مسلسلات کی سند بھی حاصل کی، تمام اسناد میرے پاس محفوظ ہیں۔

اسی ۶۰-۱۹۵۹ء میں جامعہ ازہر مصر کے مبعوث، شیخ محمود مصری طنطاوی مرحوم سے عربی زبان اور بعض نحو کی کتابیں پڑھیں، دوسال ان کی خدمت میں آنے جانے سے عربی اسالیب کے سمجھنے میں بہت فائدہ ہوا، شیخ محمود مرحوم بھی بندہ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، سہارن پور، دہلی وغیرہ کئی سفروں میں ان کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔

دارالعلوم کے طالب علمی کے زمانے میں حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی کتاب پڑھنے کا تو موقع نہیں ملا، مگر کنز الدقائق کا سالانہ امتحان حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہی ہوا۔ کنز الدقائق کا امتحان مولانا نے لیا تھا، اسی دور میں حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں شرکت کا بھی موقع ملا۔ دارالعلوم دیوبند کا آخری دوسالہ قیام بہت مفید ثابت ہوا۔

اسی زمانہ میں سہارن پور کے اکابرین سے ربط ہوا، نیز رائے پور میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خانقاہ میں حاضری ہوئی۔

ندوۃ العلماء، لکھنؤ اور مرادآباد کا سفر بھی اسی زمانہ میں ہوا، لکھنؤ کے سفر میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ، مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ، مولانا سید عبدالعلی الحسنیؒ، ڈاکٹر آصف قدوائی، حکیم عبد القوی صاحبؒ، مولانا منظور نعمانیؒ، مولانا محمد الحسنیؒ، مولانا محمد اویس ندوی مفسر دارالعلوم سے ملاقات و استفادہ کا موقع ملا۔

دارالعلوم دیوبند کے اسی دور میں مولانا عمید الزماں کیرانوی اور دیگر احباب کے ساتھ مل کر ایک عربی پندرہ روزہ جریدہ ''الیقظۃ'' نکالا، جو دارالعلوم دیوبند کا شاید پہلا عربی جریدہ تھا۔

۱۹۶۱ء تک قیام کے بعد حضرت مولانا محمد سعید بزرگ سملکی کی دعوت پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں خدمت کے لیے حاضر ہوا، پانچ سال ڈابھیل میں قیام کر کے جنوری ۱۹۶۶ء میں ترکیسر دارالعلوم فلاح دارین تدریس کے لیے حاضر ہوا، مارچ ۱۹۶۶ء میں اہتمام کی ذمہ داری سپرد کی گئی۔

فراغت کے بعد جہاں جہاں ملازمت کی ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

☆... ستمبر ۱۹۵۳ء میں مجلس خدام الدین سملک میں مکاتب کے ممتحن (وزیٹر) کی حیثیت سے ملازمت کی، دسمبر میں کھروڈ میں مجلس کا جلسہ ہوا، اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے ساتھ ایک

ماہ سفر میں جانے کے لیے استعفیٰ دیا۔

☆۱۹۵۴ء میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں پہلی بار تدریس کے لیے تقرر ہوا، چوں کہ درمیانی سال تھا؛ اس لیے درجۂ اردو سپرد کیا گیا۔

☆۱۹۵۵ء سال دوم میں شوال سے عربی اول کا مکمل درجہ سپرد کیا گیا اور عربی سوم کے دو اسباق: بحر الآداب اور دروس التاریخ الاسلامی للخیاط بھی میرے ذمہ رہے۔

☆۱۹۵۶ء میں مستعفی ہوکر کاپودرا گیا، جہاں رسالہ ''التبلیغ'' گجرات کے دفتر میں محترم منشی محمود قاسم پانڈور صاحب کے ساتھ کام کیا۔

☆۵۸-۱۹۵۷ء کاپودرا میں رہ کر زراعت کا کام کرتا رہا۔

☆۱۹۵۹ء دوبارہ مجلس خدام الدین میں بہ طور ناظم تعلیمات تقرر ہوا۔

☆۶۱-۱۹۶۰ء میں مولوی عبد الرحمن گارڈی اور ان کے بھائی حبیب الرحمن کے ساتھ دار العلوم دیوبند میں قیام رہا۔

☆... مارچ ۱۹۶۲ء=شوال ۱۳۸۱ھ، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں دوبارہ مولانا محمد سعید صاحب سملکی کے ساتھ دفتر میں کام کے لیے تقرر ہوا، دو گھنٹے درس کے لیے مقرر ہوئے، شرح وقایہ، مقامات حریری (خارج میں انشاء، عربی سوم)

☆۱۹۶۳ء=۱۳۸۲ھ، ترجمہ نصف اول، مقامات حریری، نور الایضاح معہ قدوری، روضۃ الادب معہ صفوۃ المصادر، تیسیر المنطق، مرقات، انشاء عربی چہارم۔

☆۱۹۶۴ء=۱۳۸۳ھ، ترجمہ نصف ثانی، دیوان متنبّی، نفحۃ العرب معہ قدوری، میزان الصرف، دروس التاریخ الاسلامی (انشاء، عربی سوم-خ)

☆۱۹۶۵ء=۱۳۸۴ھ، ترجمہ ثانی، منیۃ المصلی، نور الایضاح، مختارات، مقامات، سفینۃ، البلاغۃ الواضحۃ، دیوان متنبّی، انشاء عربی سوم، پھر ۱۴/مارچ ۱۹۶۵ء میں تبدیلی ہوئی، اس میں نور الانوار، نور الایضاح آئی۔

دار العلوم فلاح دارین

☆۱۹۶۶ء=۸۶-۱۳۸۵ھ، ترجمہ قرآن مجید نصف اول، ریاض الصالحین، مختارات اول، شرح وقایہ، قصص النبیین اول، دوم، سوم، القرائۃ الراشدۃ (جولائی کے بعد یہ کتابیں دیگر اساتذہ کو منتقل کردی گئیں، صرف ترجمہ اور ریاض الصالحین اول میرے پاس رہیں)

☆۱۹۶۷ء=۶۷-۸۷-۱۳۸۶ھ صرف اہتمام۔
☆۱۹۶۸ء=۸۸-۱۳۸۷ھ، ہدایہ اولین از کتاب النکاح تا کتاب الطلاق، اہتمام کے کام۔
☆۱۹۶۹ء=۸۹-۱۳۸۸ھ، ہدایہ اولین، (ذی قعدہ تک) ترجمہ نصف ثانی، اہتمام کے کام۔
☆۱۹۷۰ء=۹۰-۱۳۸۹ھ، تمرین النحو، القراءۃ الراشدۃ، ریاض الصالحین ثانی (از ربیع الاول تا اختتام سال)
☆۱۹۷۱ء=۹۱-۱۳۹۰ھ، صرف اہتمام۔
☆۱۹۷۲ء=۹۲-۱۳۹۱ھ، مشکوٰۃ شریف جلد اول، رسالہ اصول حدیث، اہتمام کے کام۔
☆۱۹۷۳ء=۹۳-۱۹۹۲ھ، مشکوٰۃ شریف ثانی، اہتمام کے کام۔
☆۱۹۷۴ء=۹۴-۱۳۹۳ھ، اہتمام۔
☆۱۹۷۵ء=۹۵-۱۳۹۴ھ، القراءۃ الواضحۃ، القراءۃ الراشدۃ، علم النحو، اہتمام،
☆۱۹۷۶ء=۹۶-۱۳۹۵ھ، طحاوی شریف، مختارات ثانی و متنبّی، ترجمہ ثانی، منہاج العربیہ، اہتمام۔
☆۱۹۷۷ء=۹۷-۱۳۹۶ھ، طحاوی شریف، موطین شریف، ریاض الصالحین اول (۲۶ رمحرم الحرام تک) تاریخ الخلفاء، تمرین النحو، اہتمام۔
☆۱۹۷۸ء=۹۸-۱۳۹۷ھ، تمرین النحو، انشاء دوم۔اہتمام۔
☆۱۹۷۹ء=۹۹-۱۳۹۸ھ، تمرین النحو، انشاء اول، انشاء دوم، اہتمام۔
☆۱۹۸۰ء=۱۴۰۰-۱۳۹۹ھ، مفتاح الدروس (خ) تمرین الصرف، النحو الواضح، علم الصیغہ، اہتمام
☆۱۹۸۱ء=۰۱-۱۴۰۰ھ، صرف اہتمام۔
☆۱۹۸۲ء=۰۲-۱۴۰۱ھ، صرف اہتمام۔
☆۱۹۸۳ء=۰۳-۱۴۰۲ھ، صرف اہتمام۔
☆۱۹۸۴ء=۰۴-۱۴۰۳ھ، صرف اہتمام۔
☆۱۹۸۵ء=۰۵-۱۴۰۴ھ، طحاوی شریف، ریاض الصالحین، نحو میر، قصص النبیین (چند ماہ عارضی طور پر) بعض طلبہ کو عقیدۃ الطحاوی اور بعض کو عربی... کی پڑھائی، اہتمام۔
☆۲۹۸۶ء=۰۶-۱۴۰۵ھ، صرف سرپرستی۔ ☆۱۹۸۷ء=۰۷-۱۴۰۶ھ، صرف سرپرستی۔
☆۱۹۸۸ء=۰۸-۱۴۰۷ھ، صرف سرپرستی۔ ☆۱۹۸۹ء=۰۹-۱۴۰۸ھ، صرف سرپرستی۔

حضرت کے صاحب زادے مولانا اسماعیل صاحب کا بیان ہے کہ حضرت نے ۱۹۹۲ء تک باضابطہ سرپرستی فرمائی ہے۔

اہم اجلاس جس میں شرکت نصیب ہوئی

(۱)اجلاس جمعیۃ علماء ہند، ممبئی ۱۹۴۸ء

(۲)اجلاس جمعیۃ علماء ہند، سورت ۱۹۵۶ء

(۳)مجلس خدام الدین کا سالانہ جلسہ، کھروڈ ۱۹۵۳ء

(۴)علی گڑھ کنونشن دہلی

(۵)نمائندہ اجلاس دارالعلوم دیوبند

(۶)صد سالہ اجلاس دارالعلوم دیوبند

(۷)پچاسی سالہ اجلاس، ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۸)الندوۃ العالمیۃ للادب الاسلامی لکھنؤ

(۹)نصاب تعلیم کا مذاکرہ لکھنؤ

(۱۰)مسائل جدیدہ پر غور وخوض آنند

(۱۱)آل گجرات عربی پریشد رادھن پور

(۱۲)جلسہ جمعیۃ علماء صوبہ گجرات بھروچ

(۱۳)الندوۃ العالمیۃ للادب الاسلامی کا دوسرا اجلاس، لکھنو

(۱۴)ختم نبوت کانفرنس لندن

(۱۵)حج سمینار حیدرآباد

(۱۶)المؤتمر الاسلامی الاوربی الاول لندن

(۱۷)توحید وسنت کانفرنس بریڈفورڈ

(۱۸)جے پور راجستھان کے دارالعلوم کا افتتاحی اجلاس

(۱۹)کراچی پاکستان

(۲۰)مکہ معظّمہ کا سفر وزارۃ الحج والاوقاف کی دعوت پر

(۲۱)فقہی سمینار کے اجلاس حیدرآباد، ممبئی، بنگلور

(۲۲)ادب اسلامی کا تیسرا اجلاس بھوپال

(۲۳)ورلڈ اسلامک فورم کا اجلاس لندن

تعزیتی پیغامات

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب ❖

گرامی قدر برادر محترم جناب مولانا اسماعیل عبداللہ پٹیل صاحب و جملہ برادران محترمین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فون پر ایک المناک وغم انگیز پیغام موصول ہوتا ہے کہ مفکر ملت فخر گجرات نمونۂ سلف حضرت مولانا عبداللہ اسماعیل پٹیل صاحب کاپودروی قدس اللہ سرہٗ مؤقر رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند طویل اور تکلیف دہ وصبر آزما علالت کے بعد رخصت ہو گئے ہیں، انا للہ و انا الیہ راجعون و انا ان شاء اللّٰہ بکم لاحقون. اگر چہ علالت کی طوالت وشدت کے سبب ہمہ وقت دل کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ نہ جانے کب خبر آجائے لیکن اس کے باوجود یہ خبر صاعقہ بن کر دل و دماغ پر گری، دارالعلوم وقف دیوبند میں اس خبر کے موصول ہوتے ہی غم والم کی اضطرابی کیفیت طاری ہوگئی اور معاً بعد ہی ایصال ثواب اور دعاؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم تمام خدام ادارہ دست بہ دعا ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اعلیٰ علیین میں مقام کریم سے سرفراز فرمائیں اور اس شدید وقت میں جملہ اہل خاندان، متوسلین ومحبین اور علماء و طلباء کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

اگر چہ حقیقت واقعہ کے طور پر مومنین وصالحین کے لئے موت بذاتِ خود حادثہ نہیں ہے بلکہ ازروئے حدیث تحفہ ہے اور سنت اللہ کے مطابق ایک ایسی حقیقت اور عالمگیر سچائی ہے جیسے کہ دن کے بعد رات کا تسلط یا رات کے سیاہ پردے سے دن کے نور کا نمودار ہو جانا زیر فلک بروئے زمین کسی بھی مخلوق کو موت سے رستگاری نہیں ہے دوام و بقا اور ہمیشگی صرف اور صرف خدائے بزرگ و برتر کے لئے ہے، ہر چیز عدم سے عطائی وجود تک اور اس سے گذر کر پھر سے عدم کی طرف رواں دواں ہے، زندگی موت کے زیر سایہ لمحہ بہ لمحہ لحظہ بہ لحظہ سرگرم سفر ہے اور تمام مخلوقات عالم کوئی بزبان حال تو کوئی بزبان قال اس امر رب کا اشتہار ہے کہ ہر شئے کو کسی نہ کسی دن فنا ہو جانا ہے۔ **کلّ من علیھا فان و یبقٰی وجہ ربك ذو الجلال و الاکرام** مگر اس دنیا میں کامیاب انسان وہی سمجھا گیا ہے جس کو موت بھی فنا نہ کر سکے اور وہ اس دنیا سے جانے کے

❖ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

بعد بھی ہمارے قلوب واذہان، افکار وخیالات میں اپنے علوم ومعارف، لازوال خدمات اور بے مثال تلامیذہ اور فرماں بردار اولاد کی صورت میں ہمیشہ زندہ وتابندہ رہے اور نوعیت کی تبدیلی کے ساتھ فیض رسانی کا سلسلہ بھی بدستور جاری رہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ کے علوم ومعارف کے فیوض کو بقاء حاصل ہے اوران شاء اللہ باقی رہے گی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو میں اسلاف واکابر کے علوم ومعارف کے ایسے نادرالوجود گوہر آبدار پائے جاتے تھے کہ اہل علم پر وجد کی سی کیفیت طاری ہوجاتی تھی، بر وقت و برموقعہ قرآن واحادیث اور فقہ وتاریخ کے حوالے تو گویا بہ نوک زباں ازبر تھے، جن حضرات کو ان کی ہم نشینی اور صحبت کا شرف حاصل تھا وہ ان خداداد خوبیوں وصلاحیتوں سے بہ خوبی واقف تھے۔ راقم السطور کو بھی متعدد مرتبہ حضرتؒ کی پرنور مجلس میں حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے، اگر ان لمحات ولحظات کو میں حاصل حیات سے تعبیر کروں تو یقیناً مبالغہ نہیں ہوگا۔

خوش نصیب وخوش بخت ہے وہ اولاد جس نے دنیا وآخرت کی لازوال کامیابی کا راستہ اپنے والد کی رضا، خدمت اور مستجاب دعوات سحر گاہی میں اور والدہ کے قدموں تلے جنت کا راز جان لینے میں تلاش کیا۔ حضرت والاؒ کی بالعموم تمام ہی اولاد اور بالخصوص آں محترم نے جس طریقے پر خدمت انجام دی ہے وہ واقعتاً نسلوں کے لئے ایک مثال ہے اور حق تعالیٰ جل مجدہٗ آپ کو دارین میں بہترین جزاء عطا فرمائیں اور آپ کے لئے اس عظیم سعادت کو ذخیرۂ آخرت بنائیں۔ آمین

۞......۞......۞

حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری صاحب ❖

نحمدهٗ و نصلی علیٰ رسوله الکریم

حضرت مولانا عبداللہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اللہ کے حضور میں

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ راہیٔ آخرت ہوئے، **انا لله و انا اليه راجعون، انّ لله ما اخذ و له ما اعطی.**

وما كان قيس هلكه هلك واحد

ولـكـنـــه بـنيـان قـوم تهـدمـا

حضرتؒ کی شخصیت ایسی دل نواز، ایسی حیات افروز، ایسی باغ و بہار تھی کہ اس کی خصوصیات کا اس مختصر تحریر میں سمانا مشکل ہے، ان کی ذات اکابرِ دیوبند وندوہ کی مجسم یادگار تھی، ہر علم وفن میں معلومات کا خزانہ تھے، ان کی وسعتِ مطالعہ، ان کا ذوقِ کتب بینی، ان کا مثالی انتظام وانصرام، اکابر واسلاف کے تذکروں سے ان کا شغف، عوام وخواص میں ان کی مقبولیت، ان کا ذوقِ مہمان نوازی، ان کی باغ وبہار مجلسیں، ان میں سے کون سی ایسی چیز ہے جسے بھلایا جاسکتا ہو؟

واقعہ یہ ہے کہ اس دورِ قحط الرجال میں ان کے وصال سے ہمارا گجرات یتیم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو اس دور میں علمی ودینی خدمات کے لئے چن لیا تھا، ''دارالعلوم فلاح دارین'' کا منصب اہتمام کوئی معمولی چیز نہ تھی، حضرت مرحوم نے سالہا سال اس منصب کی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے نبھایا، اس دوران فلاحِ دارین پر نہ جانے کتنے کٹھن اور نازک حالات آئے، لیکن مرحوم نے ان تمام حالات کو برداشت کیا اور اپنی زندگی کا قیمتی حصہ فلاحِ دارین کے لئے وقف کردیا، دور دراز کا سفر کرکے ماہرینِ علوم و فنون کا ایک گلدستہ تیار کرکے ''فلاحِ دارین'' کو ترقیات کے بامِ عروج تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو اپنی رحمت کا مظہر بنایا تھا، آپ اہل علم کے لئے رحمت ورأفت اور شفقت کا پیکرِ مجسم تھے، جس کسی کا آپ سے تعلق ہوا، خواہ مختصر وقت ہی کے لئے کیوں نہ ہو آپ کے اس وصفِ جلیل کا گہرا نقش لئے بغیر نہ رہ سکا۔ آپ اپنے سے تعلق رکھنے والوں کی نجی زندگی کی تفصیلات تک میں اس قدر دخیل تھے کہ آج ان میں سے ہر

❖ شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل

شخص یہ محسوس کر رہا ہے کہ دنیا میں اس کی سب سے گراں قدر پونجی لٹ گئی اور زندگی کا محبوب ترین سایہ چھوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو جن غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا ان میں چند ایسی ہیں کہ اس وقت پورے گجرات میں شاید ہی کوئی ان سے متصف ہوں، اللہ تعالیٰ نے مولانا کو اس گئے گزرے دور میں عوام الناس میں عموماً اور اہلِ علم میں خصوصاً ہر ایک کی خیر خواہی کے لئے چن لیا تھا، آپ واقعتاً نبی کریم ﷺ کے پاک ارشاد "**الدین النصیحة، قالوا لمن؟ قال لله ولرسوله ولأئمة المسلمین و عامتهم**" کا مظہرِ اتم تھے، ہر شخص کی بھلائی چاہنا، اس کی تکلیف و پریشانی کو دور کرنا، ان کی حیات کا جزءِ لاینفک بن چکا تھا، زندگی کے آخری ایام جن میں ضعف و نقاہت کا دور چل رہ تھا ان دنوں بھی ہر ایک کی خبر گیری کا سلسلہ برابر جاری تھا۔

اس زمانے میں تعصب عام ہوگیا ہے، عوام تو عوام اہل علم بھی اس مرض کے شکار ہیں، مگر مولانا کے مزاج میں ذرہ برابر بھی تعصب نہیں تھا، ہر ایک کے ساتھ بڑی فراخ دلی اور وسعتِ ظرفی کے ساتھ پیش آنا ان کا شیوہ تھا۔

فلاحِ دارین ترکیسر جیسے بڑے ادارے کے انتظام و انصرام کی ذمہ داریوں کے باوجود ان کا علمی مذاق ہمیشہ تازہ اور ان کی علمی استعداد سدا بہار رہی۔ اردو، عربی، گجراتی تینوں زبان میں ان کی تحریریں اس کا بین ثبوت ہیں، علاوہ ازیں وقتاً فوقتاً اہل علم کو علمی و تحریری امور کی طرف متوجہ کرنا، رہنمائی کرنا اور حوصلہ افزائی کرنا ان کا اہم مشن تھا۔

مرحوم میں انتظام و انصرام کی صلاحیت بڑی اونچی تھی، اس کی شہادت کے لئے حضرت اقدس قاری صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہٗ (جو مولانا کی انتظامی صلاحیت کے بڑے مداح تھے) کا ملفوظ بیان کردیان کافی ہے، فرمایا: "مولانا کو اللہ تعالیٰ نے ایسی انتظامی صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ وہ پورے ملک کا نظام بہتر سے بہتر طریقے سے چلا سکتے ہیں، ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔" احقر نے یہ بات حضرت قاری صاحبؒ سے دو مرتبہ سنی ہے۔

اخیر میں دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی دینی، علمی، ملی، تمام خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ان کو جوارِ رحمت میں مقاماتِ عالیہ سے نوازے۔ آمین

حضرت مولانا ابوعمار زاہدالراشدی صاحب ❖

محترم ومکرم جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب

حضرت مولانا محمد عبداللہ کاپودرویؒ کی وفات پورے برصغیر کے مسلمانوں اور خاص طور پر اہل علم کے لئے گہرے رنج وصدمہ کا باعث ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون

میری ان سے نیازمندی رہی ہے اور برطانیہ کے اسفار کے دوران ان کی صحبت اور فیض سے بہرہ ور ہوتا رہا ہوں، مولانا محمد عیسیٰ منصوری، مولانا مفتی برکت اللہ اور دیگر اصحابِ دانش کے ہمراہ میں بھی اس ''ورلڈ اسلامک فورم'' کا حصہ چلا آرہا ہوں جس کے سرپرستوں میں حضرت مولانا محمد عبداللہ کاپودرویؒ نمایاں تھے اور ہماری مختلف مجالس میں شرکت فرما کر دینی، علمی وفکری معاملات میں ہماری راہ نمائی اور سرپرستی فرمایا کرتے تھے۔

ایک باوقار، سنجیدہ اور صاحب فکر عالم دین کے طور پر ان کی شخصیت کا نقش ہمارے ذہنوں میں ہمیشہ قائم رہے گا اور ہم انشاءاللہ تعالیٰ ان کے فیوض سے استفادہ کرتے رہیں گے۔ قحط الرجال کے اس دور میں ثقہ اہل علم کا ہم سے رخصت ہوجانا المیہ اور حزنیہ کی سنگینی میں اضافہ کررہا ہے اور اس ذوق کے باقی ماندہ لوگ خود کو تنہا محسوس کرنے لگے ہیں۔ گذشتہ دنوں ایک دوست نے احوال وکیفیات کے بارے میں سوال کیا تو بے ساختہ منہ سے نکلا کہ جوں جوں اردگرد ہجوم بڑھ رہا ہے اس سے کہیں زیادہ تنہائی کا احساس بھی بڑھتا جارہا ہے۔ حضرت مولانا کاپودرویؒ کی وفات نے اس احساس کو مزید گہرا کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں ان کو بلند سے بلند تر درجات نصیب فرمائے، ان کے خاندان، تلامذہ اور متوسلین کو ان کی حسنات کا سلسلہ جاری رکھنے کی توفیق دیں اور ہم خوشہ چینوں کو ان کے علمی فیوض وبرکات سے استفادہ کرتے رہنے کے مواقع عطا فرمائیں۔

آمین یارب العالمین

❖ بانی وڈائریکٹر الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ / بانی وسرپرست ورلڈ اسلامک فورم، لندن

حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب ❖

برادرِ مکرم ومحترم جناب مولانا محمد اسماعیل بن مولانا عبداللہ کاپودروی واخوانہ واخواتہ وافرادہ واسرتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عظّم اللّٰہ اجرکم جمیعاً فی وفاۃ والدکم العظیم، و أدخلہ فسیح جناتہ مع النبیین والصدیقین والشھداء و حسن الئك رفیقا.

حضرت مولانا عبداللہ بن اسماعیل کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت سے پوری علمی، دینی دعوتی اور تعلیمی دنیا محزون ومغموم ہے کیوں کہ وہ نہ صرف خطۂ گجرات کے؛ بل کہ بورے برصغیر کے منفرد عالم دین تھے اور علم ومطالعہ کا شغف رکھنے والے علماء وطلباء کی اتنی قدر کرتے تھے، جس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ انہوں نے ایسا خلا چھوڑا ہے جس کا پُر ہونا مشکل ہے، وہ ہر ایک کے دل میں اور زبان پر مذکور رہیں گے۔ ان کے لئے ہزاروں زبانیں دعا گو اور ثنا خواں رہیں گی۔ اُن کے ایسی محبوب اور دل آویز شخصیت ہیں راقم نے بہت کم دیکھی ہے۔ انہیں کتاب وسنت کے علوم کے علاوہ عربی اور اردو زبان پر ایک سال اور بھر پور تمدنی تاریخ پر اُن کی گہری اور وسیع نظر تھی۔ وہ کسی علم وفن کی نادر کتابوں کے جوہری تھے اور کسی بھی قیمت ومحنت سے انہیں ضرورت حاصل کر لیتے تھے۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ اہل ذوق اور ذی علم مذاقِ مطالعہ کے حامل افراد کتابوں کے معاملے میں بڑے بخیل ہوتے ہیں، دوسروں کی کتابیں ہتھیا لیتے ہیں، لیکن اپنی کتابیں کسی کو نہیں دیتے۔ مولانا عبداللہ کاپودروی، کسی قدرداں ذی علم کو اپنی نادر کتابیں ہدیہ کر کے بہت خوش ہوتے تھے۔ یہ اُن کی بے انتہا اور لاثانی سخاوت کی دلیل تھی۔

اللہ انہیں بہت نوازے اور حضور ﷺ کی رفاقت نصیب فرمائے اور آپ سب لوگوں کو اُن کی جدائی کے غم کا اتنا بدلہ دے کہ دنیا اور آخرت کے سارے غم محو ہو جائیں۔ آمین

یہ راقم آپ لوگوں کے غم میں برابر کا شریک ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ دعا گو رہے گا اُن کے لئے بھی اور آپ کے لے بھی۔

❁……❁……❁

❖ استاذ ادب ومدیر الداعی دارالعلوم دیوبند

....مے کدے سے ایک بادہ خوار اٹھا

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری❖

تواضع وانکساری

حضرت اقدس مولانا عبداللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے متعلق کیا عرض کروں؟ مجھے عموماً باتیں یاد نہیں رہتیں، بھول جاتا ہوں، پہلے تو میں تصحیح کرلوں، مولانا عبدالقیوم صاحب نے شروع میں حضرت سے اپنے تعلق کے قائم ہونے کی بات کہی، اس سال حضرت رمضان گزارنے کی نیت سے یہاں (ڈابھیل) تشریف لائے تھے، یہ آپ کی بڑی تواضع اور انکساری کی بات تھی کہ ایک ایسے آدمی کے پاس استفادہ کی غرض سے آنا جوآپ کے شاگردوں اور تلامذہ کے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، اس دور میں کوئی معمولی چیز نہیں ہے اور اُس سال میں عمرہ میں نہیں گیا تھا بلکہ دورانِ رمضان دوسرے عشرہ میں حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں دیوبند گیا تھا، اس وقت میں نے حضرت سے درخواست کی تھی کہ آپ اس سلسلہ کو یہاں جاری رکھیں۔

انتظامی صلاحیت، عظیم خوبی

بہرحال حضرت مولانا نوراللہ مرقدہٗ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑی عظیم صفات سے نوازا تھا، سب سے بڑی خوبی آپ کی انتظامی صلاحیتیں تھیں، حضرت جب یہاں (ڈابھیل) سے ترکیسر تشریف لے گئے اور وہاں آپ کا تقرر ہوا، اس وقت ترکیسر میں مسندِ اہتمام پر حضرت مولانا غلام محمد صاحب تھے۔ حضرت کو بحیثیت مدرس کے وہاں دعوت دی گئی تھی، کچھ مدت کے بعد وہاں کے ذمہ داروں نے یہ محسوس کیا کہ اگر ہم اہتمام اور نظامت کی ذمہ داری حضرت کے حوالے کریں تو فائدہ ہوگا۔ ادھر حضرت مولانا غلام محمد

❖ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

صاحبؒ کے مزاج میں کچھ سختی بھی تھی۔ لہٰذا ذمہ داروں نے حضرت کو وہاں کا مہتمم بنایا اور اُس وقت فلاحِ دارین کا جو درجہ اور مقام تھا وہاں سے حضرت نے اس کو اپنی انتظامی صلاحیت سے اُس مقام تک پہنچایا جہاں آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ سب حضرت کی انتظامی صلاحیتوں کا صدقہ ہے، حضرت نے اپنے خون سے اس دارالعلوم کو سینچا ہے۔ مدرسین کے انتخاب کے لئے بڑے بڑے سفر کئے، حضرت مولانا سید ذوالفقار صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے تقرر کے سلسلہ میں مجھے خوب یاد ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں میرا پہلا سال تھا، حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ تشریف لائے تھے اور ہمارے ہی کمرہ (کمرہ نمبر ۲۶) میں حضرت نے حضرت مولانا ذوالفقار صاحبؒ کو بلایا اور وہیں ان کا تقرر ہوا تھا۔ اسی طرح اور بھی حضرات مدرسین کے انتخاب کے لئے باقاعدہ دور دور کے اسفار کرنا اور مدرسہ کے نظم وانتظام کو بحسن وخوبی سنبھالنا حضرت کا ایک امتیازی وصف تھا۔

پورے ملک کا نظام چلا سکتے ہیں

حضرت کے یہاں ہر چیز میں خاص اصول پر عمل کیا جاتا تھا، تعلیم کے معاملہ میں تو تھا ہی، اسی طرح طلبہ کی رہائش کے سلسلے میں ان کے کمروں کی نظافت اور صفائی کے سلسلے میں آج بھی حضرت کے قائم کردہ بہت سارے اصول دارالعلوم فلاح دارین میں برتے جارہے ہیں اور ان ہی اصول پر آج بھی وہ مدرسہ اپنی شان قائم کئے ہوئے ہے۔

حضرت کی انتظامی صلاحیت سے متعلق حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی نوراللہ مرقدہٗ کی زبانی میں نے دومرتبہ یہ بات سنی کہ ''مولانا کو اللہ نے ایسی انتظامی صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ وہ پورے ملک کا نظام بہتر سے بہتر طریقہ سے چلا سکتے ہیں، ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔'' حضرت قاری صاحبؒ، حضرت مولاناؒ کی اس انتظامی صلاحیت کے بہت زیادہ قائل تھے اور اسی لئے حضرت ان سے بڑی محبت بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں اس طرح اداروں کے نظم وانتظام کو سنبھالنا اور اس کو ترقی کی معراج تک پہنچانا کوئی معمولی چیز نہیں ہے، بہت بڑے دل گردے کا کام ہے، اس کے لئے آدمی کو اپنا خون جلانا پڑتا ہے، بڑی محنت کرنی پڑتی ہے، اس کے بعد یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ حضرت مولانا نے واقعۃً بڑی قربانیاں دی ہیں اور ایسا نہیں کہ وہاں بیٹھے بٹھائے یہ سب چیزیں حاصل ہوگئیں، حضرت نے بڑی تکالیف اور مشقتیں برداشت کی ہیں، اس راستہ میں حضرات منتظمین کو جو مسائل درپیش ہوتے ہیں اور جو مخالفتیں ہوتی ہیں وہ تمام حضرتؒ کو بھی برداشت کرنی پڑیں۔

......اور مولانا مان گئے

ایک موقع پر ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا ڈابھیل میں آٹھ دس روز قیام تھا اور اسی قیام کے دوران جیسا کہ حضرت کا معمول تھا دیگر مدارس (راندیر، ترکیسر، بھروچ وغیرہ) میں تشریف لے گئے۔ اسی زمانے میں ترکیسر میں کچھ ایسے حالات پیش آئے تھے کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ نے استعفیٰ دیدیا تھا، وہ استعفیٰ قبول نہیں کیا گیا تھا، لیکن مولانا نے یہ طے کرلیا تھا کہ میں یہاں سے نکل جاؤں گا، چنانچہ ہم ترکیسر گئے اور وہاں حضرت نے مولانا کو تنہائی میں بلاکر حالات سنے اور ایک جملہ کہا، حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ اپنے خاص لوگوں کے سامنے بار بار اس جملے کو دہرایا کرتے تھے، بڑا عجیب جملہ تھا، فرمایا کہ ''مولوی صاحب! ہمارے بزرگوں نے بڑی قربانیوں سے اور بڑی تکلیفیں اٹھا کر یہ ادارے قائم کئے ہیں، کیا ہماری قسمت میں ان کا اجاڑنا ہی تھا؟'' اس جملے کے بعد حضرت مولانا نے سارے حالات کے باوجود اپنا ارادہ ختم کردیا۔ اس واقعہ کو سنانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ حضرات ایسی قربانیاں دے کر ان اداروں کو بام علو تک پہنچاتے ہیں، ان کے متعلق لوگ غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ مسند پر بیٹھے بیٹھے انہوں نے آرام سے کام کیا ہوگا۔ نہیں! وہ کیسی کیسی قربانیاں دیتے ہیں ان کا دل جانتا ہے۔ بہر حال حضرت مولانا نوراللہ مرقدہٗ کو اللہ تعالیٰ نے جو خوبیاں عطا فرمائی تھیں، ان میں سب سے نمایاں خوبی اعلیٰ درجے کی انتظامی صلاحیت تھی، اس سلسلہ میں حضرت اہل مدارس کو مشورہ بھی دیا کرتے تھے اور اسی درد کا نتیجہ تھا کہ فلاح دارین سے براہِ راست تعلق کے ختم ہونے کو آج سالہا سال ہو جانے کے باوجود حضرت کا مزاج یہ تھا کہ ازراہِ خیرخواہی تمام مدارس کے اہلِ علم کے روبہ رو مختلف مواقع پر اپنے دردِ دل کو بڑے سوز کے ساتھ پیش کیا کرتے تھے۔ آج ایسا شخص ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت کے جانے سے اس نوع (مدارس کے حالات کا درد اور کڑھن) کا بھی ایک بڑا خلا واقع ہوا ہے، ایسے افراد دنیا میں بہت کم ہوا کرتے ہیں۔

آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

حضرت کے دل میں عجیب وغریب کڑھن تھی، آج سے ایک سال یا دو سال قبل کھروڈ میں سب کو بلایا تھا، میں سوچتا تھا کہ حضرت نے کیوں بلایا ہے؟ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ حضرت کو صرف اہل علم کا غم تھا، حضرت کی عادت شریفہ تھی کہ جب بھی کوئی نئی کتاب آتی تو اہل علم کو اس سے آگاہ کرتے، اگر اس کے نسخے زیادہ ہوتے، تو اہل علم کی خدمت میں بھجواتے کہ آپ اس کا مطالعہ کیجئے، لیکن آج ہمارے مدارس اور اہلِ علم

کے طبقے پر جو سرد مہری چھائی ہوئی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت کی اتنی عنایتوں اور شفقتوں کے باجود جن کے پاس کتابیں بھیجی جاتی تھیں، وہ پڑھتے تو کیا، یہ اطلاع بھی نہیں دیتے کہ آپ کی فلاں کتاب ملی۔ حضرت کو اس کا بڑا درد تھا، چنانچہ اسی درد کے اظہار کے لئے حضرت نے کھروڈ میں گجرات کے تمام مدارس کے علماء کو جمع کیا اور ان کے سامنے اپنے درد کا اظہار کیا۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

واقعہ یہ ہے کہ اس علمی انحطاط کے زمانہ میں، انحطاط کے اسباب کو پرکھنا اور اس کو دور کرنے کی کوشش کرنا معمولی بات نہیں ہے، ورنہ ایسے مواقع پر آدمی ناامید اور مایوس ہو کر کہہ دیتا ہے کہ جاویں جہنم میں مجھے کیا ہے لیکن نہیں۔ صاحبزادہ مولانا اسماعیل صاحب اور ان کے بھائی حافظ قاسم سنا رہے تھے کہ ایسی بیماری اور سخت تکلیف جو ان کے لئے ناقابل برداشت تھی، اس کے باوجود اخیر تک یہ فکر تھا کہ فلاں مدرسہ میں فون کر کے پوچھو کہ تعلیم شروع ہوئی یا نہیں؟ فلاں جگہ فون کر کے پوچھو کہ تعلیم شروع ہوئی یا نہیں؟ ایسی بیماری میں جو تکلیف دہ ہوتی ہے، وہ تصور سے باہر ہے۔ حضرت ایسی تکلیف میں بھی کبھی یہاں اور کبھی وہاں بے چینی میں وقت گزارتے تھے اور گھر والوں سے کہتے تھے کہ یہاں سے لے جاؤ، وہاں لے جاؤ۔ بہرحال میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایسی حالت میں بھی مدارس پر نگاہ رکھنا اور ان کا خیال رکھنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ اسی آدمی کا کام ہو سکتا ہے جس کے دل میں یہ چیز سمائی ہو۔ آج ہم لوگوں کی ایک ایسے سرپرست، محسن اور مشفق سے محرومی ہوئی ہے جو ان صفات کا مالک تھا۔ پتہ نہیں آئندہ ایسے لوگ میسر ہوتے ہیں یا نہیں؟

مع المحبرة إلى المقبرة

بہرحال حضرت کی خوبیوں میں سے ایک خوبی کتابوں کا شوق ہے۔ بعض حضرات انتظامی امور میں اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں، لیکن ان کا علمی و کتابی مطالعہ کا ذوق اتنا بلند نہیں ہوتا لیکن حضرتؒ کے اندر علمی ذوق بھی بڑا عجیب وغریب تھا۔ آپ کے پاس کوئی کتاب آئے اور آپ اس کا مطالعہ نہ کریں، یہ ہو نہیں سکتا اور مطالعہ کرنے کے بعد اس میں کوئی خوبی کی چیز نظر آتی تو جو بھی اہل علم آپ کی ملاقات کے لئے جاتے ان کے سامنے اس کتاب کی خوبی، اس میں فلاں مضمون اور فلاں موضوع پر بہت بہترین بات، ان تمام چیزوں کا تذکرہ فرماتے۔ گویا اس طرح ان کی رہنمائی کرتے تھے۔ یہ آپ کا خاص مزاج تھا بلکہ اخیر زمانے میں تو

بہت سی کتابیں آپ نے اپنی جیب خاص سے منگوائیں اور اہل علم کی خدمت میں پیش کیں اور اس سے بڑی کیا بات ہوگی کہ اپنا پورا کتب خانہ وقف کر دیا۔

کسی بھی بڑے اور بالخصوص وہ عالم جس کا مزاج علمی ہو، اس کو اپنے کتب خانہ اور کتابوں سے جو محبت ہوتی ہے وہ کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ وہ تو اس کتاب کا ایک ورق بھی کہیں جائے اس کو گوارہ نہیں کر سکتا، لیکن آپ نے اپنے پورے کتب خانہ کو اہل علم کے لئے وقف کر دیا کہ سب لوگ آ کر اس سے فائدہ اٹھائیں۔ کھروڈ میں مستقل عمارت بنائی اور آپ کی ساری کتابیں وہاں بھجوائیں، یہ بھی آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

کم یاب خوبی

آپ کی ایک خوبی ہر ایک کی خبر گیری کرنا تھی، کسی کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ بیمار ہے یا اس کو کچھ حالات پیش آئے ہیں تو جب تک اس کے متعلق اطمینان نہ ہو جائے اور وہ بیماری سے شفایاب نہ ہو جائے، تب تک برابر اس کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، پوچھا کرتے تھے کہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ اور اس سلسلے میں اپنی طرف سے جو تعاون کر سکتے، اس میں ذرہ برابر بھی آپ کی طرف سے کمی اور کوتاہی نہیں ہوا کرتی تھی۔ یہ بھی آپ کی ایک ایسی خوبی تھی جو آج کل بہت کم پائی جاتی ہے۔

سب ہی میرے ہیں

اس زمانہ کے اعتبار سے سب سے بڑی خوبی ''عدم تعصب'' تھی، یہ تعصب کا زمانہ ہے، لوگ اس کو اپنی خوبی سمجھتے ہیں۔ میں اگر یہاں جامعہ ڈابھیل کی مسجد میں بیٹھ کر کسی دوسرے مدرسہ کی خوبی بیان کروں تو یہاں بیٹھنے والا بڑا طبقہ اس کو گوارا نہیں کرے گا، تجھے یہاں جامعہ ڈابھیل کی مسجد میں بیٹھ کر اس مدرسہ کی تعریف کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ ایک ایسا مزاج بنتا جا رہا ہے، مدارس میں آپس میں تعصب اور تصوف کے سلسلوں میں آپس میں تعصب، ایک سلسلہ کے شیخ کے مختلف مجازین اور خلفاء میں آپس میں تعصب ہے، ہر چیز میں تعصب اور جو جتنا زیادہ اس تعصب کا اظہار کرے، وہ بعض لوگوں کے نزدیک زیادہ اچھا سمجھا جاتا ہے اور جو اپنے آپ کو اس سے دور رکھے وہ سب کی نگاہوں میں معیوب رہتا ہے۔

تو ہی ناداں.....

ہمارے حضرتؒ کے مزاج کو میں نے دیکھا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ اختلافات تو ہوتے رہتے ہیں

لیکن اختلافات کے موقع پر جس سے اختلاف ہو اس کی خوبی کا اقرار اور تصدیق ہونی چاہئے کہ فلاں کے اندر یہ خوبی ہے، فلاں کے اندر یہ خوبی ہے۔ ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ ہمیشہ شکایت کرتے تھے کہ آج یہ زمانہ آ گیا کہ آپس کے اختلافات کی وجہ سے سامنے والے کی خوبیوں کا انکار کیا جاتا ہے، بلکہ اس کے خلاف اس پر الزامات اور تہمتیں لگائی جاتی ہیں اور حضرت ایسی چیز کو پسند نہیں کرتے تھے اور ایسے تعصب کو کسی حال میں روا نہیں رکھتے تھے۔ دارالعلوم میں اختلاف ہوا اور دارالعلوم کے دو حصے ہوئے، مظاہر کے دو حصے ہوئے، میں جب حضرت کی خدمت میں دیوبند جاتا تھا، تو میری عادت تھی کہ وہاں کے قیام کے دوران کہیں بھی جانا ہو، تو حضرت کی اجازت لے کر جاتا تھا، مجھے قبرستان قاسمی جانا ہوتا تو حضرت سے اجازت لیتا تھا کہ حضرت آج میں فجر کے بعد فلاں قبرستان جاؤں گا۔ پھر میرے اساتذہ اور وہاں کے بڑوں کی ملاقات کرنی ہوتی تو اجازت لے لیتا کہ میں آج وہاں جاؤں گا تو حضرت مجھے تاکید فرماتے تھے کہ مولانا سالم صاحبؒ کی ملاقات کر لینا اور پوچھتے بھی تھے کہ ملاقات کی یا نہیں؟ اگر دیوبند میں پانچ چھ روز کا قیام ہوتا تو ایک دن کے لئے سہارنپور جاتا تھا، جب سہارنپور سے واپس آتا تو حضرت مجھ سے پوچھتے کہ حضرت مفتی مظفر حسین صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے ملاقات کی یا نہیں؟ تو میں کہتا کہ جی کر کے آیا، تو خوش ہوتے تھے۔ بہر حال یہ ہمارے حضرت کا خاص مزاج تھا۔ آج کل یہ عصبیت جو اہل علم کے طبقہ میں جڑ پکڑ چکی ہے اور جس نے ان کے افادات کے سلسلہ کو متأثر کر دیا ہے، بہت خطرناک چیز ہے۔ الحمد للہ! حضرت مولاناؒ کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ کے مزاج میں ذرہ برابر بھی تعصب نہیں تھا۔ ہر ایک کے ساتھ بڑی فراخ دلی وسعت ظرفی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ کسی بھی ادارے سے تعلق رکھنے والا ہو، ڈابھیل، راندیر، کنتھاریہ یا کہیں کا بھی ہو، آپ کے یہاں کوئی تفریق نہیں تھی، ہر ایک کے ساتھ بڑی گرم جوشی اور محبت وشفقت سے پیش آتے تھے اور یہ وہ چیز ہے جو علم اور اہل علم کو آپس میں جوڑتی ہے۔

علم ایک وحدت ہے

بھائی! علم تو ایک وحدت ہے، ایک یونٹ (Unit) ہے۔ ہم ڈابھیل میں ہیں، کوئی راندیر میں، کوئی ترکیسر میں، کوئی کنتھاریہ میں تو اس کی وجہ سے یہ وحدت ختم نہیں ہوتی، چیز ایک ہی ہے، جیسے نور ہوتا ہے، چار چراغ جلاؤ، دس چراغ جلاؤ، تو آپ کو فضا میں ان چار یا دس چراغوں کی روشنی میں کوئی فرق نہیں دکھے گا، پوری فضا روشن معلوم ہوگی، کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ روشنی خاص فلاں چراغ کی وجہ سے ہے، نہیں! ہمارے اہل علم کا معاملہ اسی طرح ہونا چاہئے۔

کلماتِ تعزیت اور دعاؤں کی سوغات

بہر حال! آپ کی خوبیاں، آپ پر لکھنے والے ان شاء اللہ لکھیں گے، میں نے تو اس وقت، وقتی طور پر میرے ذہن میں جو دو چار باتیں آئیں، وہ میں نے عرض کی ہیں۔ان سب کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم بھی ان سب خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت کی وفات سے، ہمارے گجرات اور پورے ہندوستان بلکہ پورے عالم میں جو خلا پیدا ہوا ہے، اپنے فضل سے اس کو پُر فرمائے اور حضرت نے اپنی زندگی میں اہل علم اور اہل مدارس کے ساتھ جو محبت اور شفقت کے معاملات کئے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا بہترین بدلہ آخرت میں عطا فرمائے، کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور آپ کی حقیقی خوبیاں تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور وہی اس کا بدلہ دینے والا ہے، ہم تو اس موقع پر خود بھی تعزیت اور تسلی کے محتاج ہیں اور آپؒ کے خاندان کے جو افراد یہاں موجود ہیں، آپ کے صاحبزادے، پوتے، ہم ان کے واسطے سے پورے خاندان تک تسلی کے الفاظ پہنچاتے ہیں۔واقعۃً اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خوبیاں عطا فرمائی تھیں، آپ لوگ بڑے سعادت مند ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا باپ اور دادا نصیب فرمایا اور آپ کے جانے سے جو کچھ بھی کمی آئی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو پوری فرمائے۔

دل سے دعا کریں اور آج بھی جو کچھ ابھی پڑھا ہے اس کا ثواب بھی حضرت کی روح کو پہنچا دیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسی راہ پر پورے اخلاص اور استقامت کے ساتھ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

۞......۞......۞

ایک چراغ اور بجھا

حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی صاحب مدظلہ العالی ❖

گذشتہ چار پانچ ماہ، کائنات علم و دانش کے لئے بے پناہ خسران و حرماں کے حامل رہے، دارالعلوم وقف دیوبند کے قافلہ سالار، علوم قاسمی کے امین نسبت تھانویؒ کے کہسار، روایات اکابر کے چلتے پھرتے نمونے، قاسمی برادران، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ اوران کے برادر اصغر حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمیؒ یکے بعد دیگرے دنیا سے پردہ فرما کر دیوبند کی علمی و روحانی فضاء کو سوگوار کرگئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

ابھی اہل علم و علماء کے اس عظیم خسارہ پر آنسو خشک بھی نہیں ہوئے تھے کہ گجرات کی بلند و بالا علمی شخصیت، بے نظیر عالم دین مصنف، مدرس، مقرر، ادیب، علم دوست و علماء پسند حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودرویؒ بھی اپنے خوبصورت اور دل کش وجود کے ساتھ معمورۂ عالم سے رخصت پذیر ہوئے، ثم انا للّٰہ و انا الیہ راجعون!

حضرت مرحوم صوبہ گجرات کی علمی و عبقری شخصیت تھے۔ جامعہ اسلامیہ فلاح دارین ترکیسر کے ان کے آتشیں نفوس سے گرم سفر، اوران ہی کے سنہرے دور میں اوج کمال تک پہونچا، حضرت مرحوم کا مزاج، ذوق و سرشت کلیۃً علم کے سانچے میں ڈھلے ہوئے، خلوت ہو یا جلوت، سفر ہو یا حضر کتابیں، ان کی رفیق اور علمی گفتگو ان کی غذاء، اس سلسلے میں وہ بہت باذوق اور حساس واقع ہوئے تھے، حق تعالیٰ جل مجدہ کے فضل وکرم سے ان کا فیض علمی ہندوستان کی سرحدوں کے پار بھی پہونچا۔ ساؤتھ افریقہ، کنیڈا، انگلینڈ، ری یونین جیسے ممالک میں حضرت مرحوم نے اداروں اور افراد کی شکل میں اپنا علمی ورثہ چھوڑا، وہ جہاں پہونچتے علماء، طلبہ اڑ اڑ کران کے گرد جمع ہو جاتے، اور حضرت بھی داعی و میزبان حضرات سے اس ملک میں موجود کتب خانوں کی کھوج و تجسس، اور وہاں جانے اور استفادہ کرنے کی پروگرام کو تمام دیگر مصروفیات پر ترجیح

❖ صدر المدرسین و ناظم تعلیمات دارالعلوم وقف دیوبند

دیتے، یہ وہ چسکا تھا کہ جس کا آج طبقہ علماء میں فقدان ہے۔

حضرت مرحوم کی اسی لگن اور تڑپ کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے ایک قیمتی ، بہترین ذاتی کتب خانہ اپنی رہائش گاہ پر تعمیر کرلیا تھا، پھر عمر کے اختتامی مراحل میں جامعہ کھر وڈ میں ایک دیدہ زیب عمارت میں اپنا یہ دیدۂ ودل روحانی غذا کے خوش ذائقہ پھل کتابوں کی شکل میں منتقل فرمادیئے۔

دارالعلوم وقف دیوبند کے مجلس مشاورت کے رکن رکین، صحت کی ناسازی کے باوجود بیشتر شرکت کا اہتمام فرماتے۔مجلس میں ان کی تمام تر دلچسپیوں کا مرکز نصاب، تعلیمی کیفیات، کتب خانہ اور کتابیں تمام گفتگوان ہی عناصر کے گرد گھومتی، اوراپنے قیمتی مشوروں سے اربابِ جامعہ کونوازتے۔

بلاشبہ حضرت مرحوم اسلاف کانمونہ، اوراکابر کی اقدار و بلند روایات کے امین تھے۔ان کی وفات سے بہت سے ادارے یتیم ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے حسنات کوقبول فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین

مفکرملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ

جامع الکمالات شخصیت

حضرت مولانا محمد سلیم دھورات صاحب ❖

مؤرخہ ۲۶؍شوال ۱۴۳۹ھ؍مطابق ۱۰؍جولائی ۲۰۱۸ء؍بروز منگل عالم ربانی، علما میں معزز، اکابر کا معتمد، بزرگوں کی نسبتوں کا حامل، ماہر تعلیم، نظم ونسق میں یکتا، مدبر ومنتظم، جدید وقدیم کا سنگم، موجودہ تقاضوں سے باخبر، منکرات پر بے دریغ نکیر کا عادی، رسم ورواج سے متنفر، اصول وضوابط کا پابند، متواصل الاحزان اور دائم الفکرۃ پیغمبر کا سچا جانشین، امت کی نبض پر ہاتھ رکھنے والا اور سیادت وقیادت کا آفتاب دنیا کے افق سے غائب ہوگیا، مفکرملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

میرے شیخ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے حضرت شیخ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے سانحۂ ارتحال کے موقع پر جو بات تحریر فرمائی تھی، وہ مفکرملت، مربی ومرشدی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ پر لفظ بہ لفظ صادق آتی ہے: ''موت کوئی اچنبھا چیز نہیں کہ اس پر حیرت وتعجب کا اظہار کیا جائے، یہ سنت بنی آدم ہے، یہاں کا آنا ہی جانے کی تمہید ہے، یہاں جو بھی آیا جانے کے لیے آیا، سرائے عالم کا ہر مسافر منزل عدم کا راہ نورد ہے۔

لـــه مــلك ينـادي كـل يـوم
لـدوا لـلموت وابنوا للخراب

موت کے قانون سے نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے، نہ ولی، نہ عالم، نہ جاہل، نہ نیک، نہ بد، نہ مومن، نہ کافر، نہ شاہ، نہ گدا، اپنے اپنے وقت پر سب ہی گئے اور سب ہی کو جانا ہے، لیکن جانے والوں میں کچھ ایسے خوش بخت بھی ہوتے ہیں، کہ زندگی ان کے نقش پا سے راستے ڈھونڈتی ہے، قومیں ان کے نور سے روشنی پاتی ہیں،

❖ بانی وشیخ الحدیث اسلامک دعوہ اکیڈمی، لیسٹر، برطانیہ

انسانیت ان سے غازۂ حسن مستعار لیتی ہے، شرافت ان پر ناز کرتی ہے، محبوبیت انہیں دیکھ دیکھ کر اپنی کاکل وگیسو سنوارتی ہے، ایوان علم ان کے بہار آفریں وجود سے گل ولالہ بن جاتا ہے، مجروح قلوب ان کے انفاس سے مرہم شفا پاتے ہیں، بے کس ودرماندہ افراد ان کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیتے ہیں، وہ شمع کی مانند خود پگھلتے ہیں، مگر مخلوق خدا پر ضوفشانی کرتے ہیں، خود جلتے ہیں، مگر دوسروں کو جلا بخشتے ہیں، خود بے چین وبے قرار رہ کر دوسروں کو راحت وسکون عطا کرتے ہیں، ان کے آئینۂ رخ زیبا میں یاد خدا کی تصویر جھلکتی نظر آتی ہے، (اذا رؤوا ذکر اللہ)، ان کی دید دل کو سرور اور آنکھوں کو نور عطا کرتی ہے، ان کی محفل سکینت جنت کا نمونہ پیش کرتی ہے، وہ خاموش ہوں، تو ہیبت ووقار پر باندھ پہرہ دیتے ہیں، بات کریں، تو موتی رولتے ہیں، مسکرائیں تو پھول برساتے ہیں، ناز کریں، تو آسمان سے صدائے لبیک آتی ہے، گڑگڑائیں تو عرش الٰہی کانپ جاتا ہے، دنیا سے یہ بھی جاتے ہیں، مگر اس شان سے جاتے ہیں، کہ ہر چہار سو صف ماتم بچھ جاتی ہے، آسمان وزمین نوحہ کرتے ہیں، انسانیت کا پرچم سرنگوں ہو جاتا ہے، زمانہ تاریخ کی کروٹ بدل دیتا ہے، اور قصر ملت میں زلزلہ آجاتا ہے، ہمارے شیخ رحمہ اللہ چلے گئے، لیکن آہ! ملت کا صبر وسکون بھی ساتھ لے گئے، آج کون اشکبار نہیں؟ کون دل فگار نہیں؟ اہل نظر تصویر حیرت ہیں، کہ متاع دین ودانش لٹ گئی، علما مبہوت ہیں، کہ علم وفقاہت کی بساط الٹ گئی، دانشوروں کو غم ہے کہ فضیلت وسیادت کی مسند خالی ہوگئی، اہل حق سراسیمہ ہیں کہ ان کی ڈھال چھن گئی، یتیموں اور بے کسوں کو صدمہ ہے کہ ان کا مشفق ومربی اٹھ گیا، عالم اسلام مغموم ہے کہ ملت ایک دیدہ ور رہنما سے محروم ہوگئی۔ **ان للہ ما أخذ و له ما أعطی، و کل شئ عنده بأجل مسمی.**

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت شیخ قدس سرہ کو اس قدر ظاہری وباطنی کمالات سے نوازا تھا اور اتنی خوبیوں سے آراستہ فرمایا تھا کہ نہ تو ان کا صحیح ادراک ہوسکتا ہے، نہ ان کے لیے مناسب الفاظ وتعبیرات مل سکتی ہیں۔

پہلی ملاقات

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ سے پہلی ملاقات ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم بری میں ہوئی، میرے والد صاحبؒ اور حضرت مولانا کا گجرات کے مشہور ادارے مجلس خدام الدین کے حوالے سے قدیم تعلق تھا اور آپ کی اس سلسلے میں ہمارے گاؤں ''بھوریا'' تشریف آوری بھی رہتی تھی، اس لیے والد صاحبؒ سے آپ کا نام بچپن ہی میں سن چکا تھا، پھر گجرات کے مشہور تعلیمی ادارے دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کے حوالے سے ذکر خیر کانوں میں پڑتا رہا، اس لیے دل میں حضرت مولانا کی عظمت اور محبت کا بیج

بہت پہلے سے پڑھ چکا تھا، بندے کے ذہن میں آپ کے بارے میں ایک پر جلال، ''ہٹو بچو'' اور رعب ودبدبہ والی شخصیت کا تصور تھا، لیکن جب ملاقات ہوئی، تو آپ کو اس کے بالکل برعکس پایا، عظیم ہونے کے باوجود بالکل سادہ طبیعت، مرنجاں مرنج اور تکلف سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔

حضرت والد صاحبؒ کا حوالہ دے کر ملاقات کی، بہت خوش ہوئے، اور بغیر کسی تکلف کے گجراتی میں گفتگو فرمائی، اس پہلی ملاقات ہی میں دل کو موہ لیا اور عظمت ومحبت میں اضافہ ہوا، اور پھر تیس سال پر محیط دسیوں ملاقاتوں اور صحبتوں میں محبت بڑھتے بڑھتے عشق میں اور عظمت وعقیدت میں تبدیل ہوگئی، دوسری طرف حضرت مولانا کی بلند خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی دین کے خدام؛ بل کہ ادنی کارکن کی بھی قدردانی اور ہمت افزائی تھی، اس لیے ۱۴۱۲ھ/ مطابق ۱۹۹۱ء میں اسلامک دعوہ اکیڈمی کے قیام کے بعد حضرت مولانا کی توجہ، محبت اور شفقت میں بھی اضافہ ہی ہوتا چلا گیا، اور برطانیہ تشریف آوری کے موقع پر اپنے دو حقیقی بیٹوں کے یہاں لندن اور بولٹن آمد کے ساتھ اپنے اس مجازی بیٹے کے یہاں لیسٹر بھی تشریف آوری کا پروگرام بھی ضرور بنتا، اللہ تعالی شانہ بندے کو ''المرء مع من أحب'' کا مصداق بنا کر آخرت میں بھی آپ کی معیت میں انبیا علیہم السلام، صدیقین، شہداء، اور صالحین کی رفاقت نصیب فرمائے۔ آمین

جامع الکمالات

حضرت مولانا بڑی خوبیوں کے مالک تھے، اس قحط الرجال کے دور میں کسی ایک فرد میں ایسی خوبیوں کا یک جا پایا جانا ممکن نہیں، تو مشکل ضرور ہے۔ اللہ تعالی کی عام سنت یہ ہے کہ وہ فرد واحد کو گنی چنی چند خوبیوں سے نوازتے ہیں، اور خاص سنت یہ ہے کہ اپنے بعض مخصوص اور منتخب بندوں کو بہت ساری خوبیوں اور خصلتوں سے آراستہ فرما کر جامع الکمالات بناتے ہیں، آپ بھی اسی منتخب طبقے کے ایک فرد تھے۔ آپ کی ذات ایک انجمن تھی، آپ بہ یک وقت مفکر بھی تھے اور مصلح بھی، مدرس بھی تھے اور مربی بھی، مہتمم بھی تھے، اور ناظم بھی، خطیب بھی تھے، اور صاحب قلم تھے، حق گو بھی تھے اور امت کے خیر خواہ، غم گسار اور ہمدرد بھی، اسی وجہ سے آپ عوام وخواص، اصاغر واکابر، اپنے اور پرائے، الغرض سب ہی کے لیے محبوبیت کا مرکز تھے۔

ادب اور احترام

حضرت مولانا کی زندگی میں ادب احترام اور وقار بہت اعلی درجے کا تھا، چاہے بیماری ہو، یا

تھکاوٹ، سفر ہو یا حضر، بندے نے کبھی بھی حاضرین کے ساتھ کیف ما اتفق بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا، ہمیشہ مناسب لباس، سر پر ٹوپی، (کبھی اس کے ساتھ رومال) زیب تن کرکے ادب اور وقار کے ساتھ بیٹھے ہوئے آنے والوں کے ساتھ پوری توجہ سے ملاقات کرتے تھے، چاہے آنے والا چھوٹا ہو یا بڑا، واردین وحاضرین کو کبھی اشارتاً وکنایتاً بھی محسوس نہ ہونے دیتے کہ اب مجلس برخاست ہونی چاہیے، یہ بات کہنے میں تو بہت آسان ہے، مگر عمل کرکے دکھانے بڑی ہمت کا کام ہے۔ ذوالقعدہ ۱۴۳۷ھ/ مطابق اگست ۲۰۱۶ء میں کنیڈا ملاقات کی غرض سے حاضری ہوئی، تو دیکھا کہ ملاقات کے اوقات سے پہلے صاف ستھرے نفیس کپڑوں میں ملبوس ہوکر اپنی کرسی پر تشریف فرما ہوتے اور بیماری کے باوجود پورے وقار کے ساتھ اخیر تک وہی نشست رہتی۔

نظافت ونفاست

صفائی ستھرائی اور نفاست آپ کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ خود بھی نفیس، آپ کی گفتگو بھی نفیس، آپ کا لباس بھی نفیس، آپ کی تقریر بھی نفیس، آپ کی تحریر بھی نفیس، آپ سراپا نفاست تھے، آپ کو دیکھ کر "النظافة من الایمان" کا نہ صرف جملہ یاد آجاتا تھا؛ بل کہ اس کی عملی تشریح بھی سمجھ میں آتی تھی، پھر اس کے ساتھ سادگی اتنی اور تکلف وتصنع سے اس قدر دوری کہ آپ "البذاذة من الایمان" کا مظہر بھی نظر آتے تھے۔

عملی پختگی

آپ کی علمی استعداد بہت مضبوط اور پختہ تھی، میں نے بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ جسے جاہل رہنا ہو، وہ مدرسے کا اہتمام سنبھالے؛ مگر حضرت والا نے جہاں اہتمام کی ذمہ داری کو کما حقہ نبھایا، وہاں اپنے علمی ذوق کو بھی باقی رکھا؛ بل کہ اسے پروان چڑھایا، اس کی جھلک آپ کی تقاریر میں بھی پائی جاتی تھی، موضوع کوئی بھی ہوتا، بہترین تقریر کرتے، اس موضوع کے متعلق نئی معلومات کا ایک دفتر کھول دیتے اور علما وطلبہ عش عش کرتے رہ جاتے۔

اکیڈمی میں جب دورۂ حدیث کا آغاز ہوا، تو جس دن بخاری شریف کی حدیث کی بسم اللہ تھی، حسن اتفاق سے اسی دن حضرت والا کی تشریف آوری ہوئی، ہمارے لیے یہ تشریف آوری نعمت غیر مترقبہ تھی، ایک سنہرا موقع کو غنیمت جان کر حضرت والا سے بسم اللہ کرنے کی درخواست کی، عذر فرمایا؛ مگر ہماری طرف سے

اصرار کے بعد ہمیشہ کی طرح شفقت فرما کر ہماری درخواست کو شرف قبولیت نصیب کیا۔ آپ نے بہترین درس دیا، فلاح دارین ترکیسر کے شیخ الحدیث اور حضرت ہردوئی رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت مولانا ایوب سورتی صاحب دامت برکاتہم بھی مجلس میں موجود تھے، درس کے بعد آپ نے فرمایا کہ: آج کے درس سے مجھے بھی بہت فائدہ ہوا۔ آپ کو عربی، فارسی، اردو اور گجراتی زبانوں پر عبور تھا۔

عملی زندگی

عملی پختگی کے ساتھ آپ کی عملی زندگی بھی اعلی تھی، آپ کے ظاہری اخلاق آپ کے باطنی فضائل کے ترجمان تھے، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق حسنہ کا اہتمام بھی آپ کی زندگی کا حصہ تھا، آپ کے روزمرہ کی زندگی میں سنت نبوی کی جھلک بھی نمایاں طور پر نظر آتی تھی، آپ ہر چھوٹے بڑے کو پوری توجہ کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملتے تھے، آنے والوں کے لیے اکراماً کھڑے ہوجاتے، سلام اور مصافحہ کرتے اور اس کو اس کی حیثیت کے مطابق مناسب جگہ بیٹھاتے، لب پر مسکراہٹ ہوتی، ہر ایک کے ساتھ نظریں ملا کر بات کرتے، ہر ایک کی بات توجہ سے سنتے اور مناسب جواب بھی دیتے، کبھی کسی کے ساتھ بے اعتنائی کا معاملہ کرتے نہیں دیکھا، ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ اس کی استعداد کے مطابق بات کرتے اور ہر ایک کے مزاج کو سامنے رکھ کر اسے اللہ اور دین سے قریب کرنے کی کوشش کرتے، آپ کی مجلس اور صحبت سے علما ومدرسین، مرشدین ومصلحین، دین کے خدام، طلبہ، جدید تعلیم یافتہ، عوام، بوڑھے اور جوان سب مستفید ہوکر اٹھتے۔

مہمان نوازی

آپ کی طبیعت میں مہمان نوازی بھی کوٹ کوٹ کر ودیعت کی گئی تھی، اپنے وطن انڈیا میں ہوں، یا کنیڈا میں، یا پھر برطانیہ میں اپنے صاحب زادوں کے یہاں، ”فلیکرم ضیفہ“ کا مظہر اتم ہوتے، درجنوں آدمی ملنے کے لیے آتے جاتے، مشروبات اور ناشتے سے سب کی خاطر ہوتی، اگر کھانے کا وقت ہو، تو پرتکلف کھانوں کا بھی اہتمام ہوتا اور بہت زیادہ مسرور نظر آتے، دسترخوان پر ہر ایک کا خیال رکھتے اور مہمان زیادہ ہو، تو ہر ایک کا نام لے کر خدام کو خاطر تواضع کرنے کی تاکید فرماتے۔ ذوالقعدہ ۱۴۳۷ھ/ مطابق اگست ۲۰۱۶ء میں حضرت مولانا کی زیارت اور ملاقات کی غرض سے کنیڈا حاضر ہوا، تو کھانے پر کئی لوگ مدعو تھے اور قسماقسم کے کھانے چنے گئے تھے، بندے کے کچھ عرض کرنے پر فرمایا کہ: آج تمہارے آنے کی وجہ سے میرے لیے عید ہے۔

آداب المعاشرت

آداب المعاشرت کا بھی آپ کی زندگی میں بہت اہتمام تھا، ہر وقت یہ خیال رہتا تھا، کہ کسی کو ادنی تکلیف بھی نہ پہونچے، آپ "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے رنگ میں ایسے رنگے ہوئے تھے کہ کسی اور کے عمل سے کسی کو تکلیف پہونچتی، اس سے بھی آپ کو رنج ہوتا، کبھی وعظ کے پروگرام کے دوران اعلان ہوتا کہ کسی کی گاڑی غلط جگہ پر کھڑی ہے، تو چہرہ پر تکلیف کے آثار نمایاں ہوتے اور درد دل کے ساتھ اس غلطی کی اصلاح فرماتے، ایسے موقع پر آپ اس خیال سے بے چین ہو جاتے کہ اس قسم کی حرکتوں کی وجہ سے غیر مسلم بدظن ہوکر اسلام اور مسلمانوں سے دور ہو جاتے۔

۱۴۲۸ھ/ مطابق ۲۰۰۷ء میں سفر ہندوستان کے دوران حضرت کے پاس آپ کے وطن کا پودرا میں ایک رات قیام رہا، سونے سے پہلے مکان کی بالائی منزل میں تشریف لائے، اور جس کمرے میں ہمیں سونا تھا، وہاں سے بیت الخلا تک خود لے جا کر بیت الخلا کی جگہ بتلائی، بستر کے قریب ٹیبل پر پانی سے بھرا ہوا جگ اور اس کے ساتھ گلاس رکھوایا، اور ایک ٹورچ بھی، تا کہ ہم مہمانوں کو تکلیف نہ ہو، صبح حضرت مولانا کی معیت میں فلاح دارین ترکیسر حاضری ہوئی، وہاں سے فارغ ہوکر میرے والد صاحبؒ کے ہم عصر، حضرت مولانا آدم پٹیل صاحبؒ کی ملاقات کر کے کیم کے مدرسے میں پہونچنا تھا، اور پھر آگے دارالعلوم کٹھور، کچھ تاخیر بھی ہوگئی تھی، فلاح دارین کی مسجد سے حضرت کے ساتھ نکل رہے تھے، کہ کسی نے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید ذوالفقار صاحبؒ کا پیغام پہونچایا کہ میں سورت پہونچ چکا ہوں، اور تھوڑی دیر میں فلاح دارین پہونچ رہا ہوں، اور ملاقات کا متمنی ہوں۔ حضرت مولانا علیہ الرحمہ بندے کے محسن بزرگوں میں سے تھے، اس لیے بندے کی بھی بہت چاہت تھی، کہ زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہو، مگر حضرت والا نے یہ کہہ کر مجھے روانہ کر دیا کہ میں مولانا سے بات کرلوں گا، آپ چلے جائیں؛ ورنہ آگے کے تمام پروگراموں میں گڑبڑ رہے گی اور میزبان منتظمین کو تکلیف ہوگی۔

وقت کی حفاظت

آپ وقت کی پابندی کا بہت اہتمام فرماتے، آپ کا ہر کام نظم وضبط کے ساتھ وقت پر ہوتا، چاہے ذاتی ہو یا کسی اور سے متعلق، کہیں جانا ہوتا تو ہمیشہ وقت سے پہلے تیار ہو جاتے اور وقت سے پہلے پہونچ جاتے، اس سلسلے میں کوتاہی سے آپ بہت تکلیف محسوس کرتے، نماز کے لیے بھی وضو وغیرہ کر کے نماز کے

وقت سے بہت پہلے تیار ہو جاتے اور مسجد میں پہونچ کر نماز، تلاوت اور ذکر میں مشغول ہو جاتے، تلاوت ہمیشہ تدبر کے ساتھ کرتے، تلاوت کرتے ہوے چہرے پر کبھی سرور تو کبھی حزن کے آثار نظر آتے، کبھی کبھی خوف کی وجہ سے جسم پر شکستگی بھی ظاہر ہوتی ار کبھی محو سرور ہو کر خوشی میں جھومتے ہوے بھی نظر آتے۔ جاہ، مال، دنیا اور دنیاداروں سے مستغنی رہنے میں ''الزاهد فی الدنيا و الراغب فی الآخرة'' کے مصداق تھے۔

ارباب علم وفضل سے تعلق

اہل علم، مدارس اور خدام دین کی بہت قدر فرماتے، حسب مراتب ارباب علم وفضل کی تشریف آوری پر اپنی جگہ سے اٹھ کر کبھی دروازے تک کبھی گاڑی تک اور کبھی اسٹیشن یا ایئر پورٹ تک بھی چلے جاتے، جہاں کہیں جاتے وہاں کے مقتدر علما اور دین کے خدام کی ملاقات کرتے، چاہے وہ عمر میں چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں، صاحب کمال کے کمال اور صاحب فضیلت کی فضیلت کا برملا اعتراف اور اظہار میں کبھی بخل نہ کرتے، بلکہ عوام وخواص کو ان کی طرف متوجہ کر کے استفادے کی تلقین کرتے، ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک کے علماء اور خدّامِ دین سے ملاقات کا بہت اہتمام کرتے، ملنے کے لئے خود سعی فرماتے اور بہت ادب واحترام سے ملاقات کرتے۔

دین سے تعلق رکھنے والی چیزوں کا احترام

آپ کے دل میں دین اور دین سے تعلق رکھنے والی چیز کا بہت زیادہ احترام تھا، ۲۰۰۱ء میں یہ روسیاہ باربےڈوس اور پناما جاتے ہوئے حضرت والا کی خواہش پر کنیڈا پہنچا، آپ علیل چل رہے تھے، بندہ واقف تھا؛ اس لئے حضرت والا کی خدمت میں فون سے عرض کیا کہ آپ ایئر پورٹ ہرگز تشریف نہ لائیں، برادرِ مکرم مولانا اسماعیل صاحب زید مجدہ کو بھی اس سلسلے میں بہت تاکید کی، مگر امیگریشن (immigration) سے نکلا تو حیران ہو گیا کہ حضرت والا انتظار میں سب سے آگے کھڑے ہیں، میرے کچھ عرض کرنے پر فرمایا کہ آپ ہزاروں میل کا سفر کر کے دین کی باتیں کرنے کے لئے آئے اور ہم دین کی نسبت پر آنے والے ایک خادمِ دین کے استقبال کے لئے آدھے گھنٹے کا سفر بھی نہ کریں؟ اس کے بعد اس سفر کے ہر بیان میں شرکت کی اور بیان سے پہلے اس بے حیثیت طالبِ علم کا بلند الفاظ سے تعارف کروا کے لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتے رہے، جب تک صحت اچھی تھی، اس وقت تک علماء میں سے کسی کا بھی ٹورنٹو ورود ہوتا، داعی چاہے کوئی بھی ہو، حضرت استقبال کے لئے ایئر پورٹ تشریف لے جاتے اور پروگراموں میں شریک رہتے، چاہے وہ اصاغر میں سے ہی کیوں نہ ہو۔

اسلاف سے والہانہ محبت اور عقیدت

آپ کو اسلاف بالخصوص اکابرِ دیوبند سے والہانہ محبت اور لگاؤ تھا، عمومی وعظ ہو یا خصوصی مجلس، ہر موقع پر ان بزرگوں کا بڑی محبت سے وقیع تذکرہ فرماتے، آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ تک کئی اکابر سے استفادہ کیا اور ان کی توجہات سے فیض یاب ہوئے، اکابر کی رحلت کے بعد بھی مشائخ کی ملاقات اور افادہ واستفادہ کا سلسلہ برابر جاری رہا، کئی بزرگوں نے اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو اجازتِ بیعت سے بھی نوازا، علماء کو نصیحت کرتے ہوئے اسلاف واکابر سے وابستگی اور تزکیہ واصلاح کے اہتمام کی تاکید فرماتے اور اسی کو فتن سے محفوظ رہنے کا طریقہ بتلاتے، خدمتِ دین، اشاعتِ علم اور تبلیغِ اسلام کے لئے طریقۂ کار میں تجدد اور تنوع کی ضرورت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے افکار ونظریات میں تسلسل وتوارث کو ضروری قرار دیتے اور ”عَضُّوا عَلَيهَا بِالنَّوَاجِذِ“ کی تاکید فرماتے۔

اسلاف سے کٹ گئے تو دین سے کٹ جائیں گے

اکیڈمی کا ابتدائی زمانہ تھا، حضرت کی تشریف آوری ہوئی، ہم نے مکاتب کے اساتذہ کے لئے ایک سیمنار رکھا، حضرت والا کے خطاب کے بعد باہمی مذاکرہ ہوا جس میں بندے نے عرض کیا کہ مکتب کا تعلیمی نصاب اب انگریزی میں ہونا چاہئے، اس لئے کہ بچے اردو سے ناآشنا ہوتے جارہے ہیں اور دین کی بنیادی تعلیم، عقائد، فقہ اور اخلاق، کمزور ہوجائے گی، لیکن ہر مکتب میں اردو بحیثیتِ زبان ضرور سکھانا چاہئے تاکہ ہمارے بچے اکابر اور ان کی تعلیمات سے وابستہ رہیں۔ ایک نوعمر فاضل نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ تعلیم سے مقصود اکابر سے جوڑنا ہے یا دین سے؟ ابھی میں کچھ عرض کرسکوں اس سے پہلے حضرت والا نے فرمایا کہ اس کا جواب میں دوں گا، اور فرمایا کہ دین سے جوڑنے ہی کے لئے اسلاف واکابر سے جوڑنا ضروری ہے، اسلاف سے کٹ گئے تو دین سے کٹ جائیں گے۔

اصاغر پروری

اصاغر پروری بھی آپ کی ایک بڑی خصوصیت تھی، دین کے کسی خادم کو آپ سے ملنے کے لئے جانے سے پہلے اپنا جو کام معمولی نظر آتا تھا وہ آپ کی ملاقات کے بعد غیر معمولی محسوس ہوتا تھا، حضرت مولانا کی

مجلس سے دین کا ہر خادم خدمتِ دین کے جذبے سے سرشار ہو کر اٹھتا، گذشتہ سال ہی بندے کے دورسالے، علماء کا آپس کا احترام اور دین کی خدمت اور دعوت وتبلیغ کے مختلف طریقے، خوب اہتمام کے ساتھ گجرات کے تمام مدارس میں تقسیم کرائے، ملاقات کے لئے آنے والے علماء کو بھی دیتے رہے اور بندے پر بقلمِ خود خط لکھ کر اس کی خبر بھی دی، آپ کی اصاغر نوازی سے فیض یاب ہونے والا دل ہی دل میں کہتا ہوگا، ''بَجَّحَنِی فَبَجِحَت اِلَیَّ نَفسِی''۔

رجال سازی

آپ اس اعتبار سے بھی بہت ممتاز تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے رجال سازی کا کام لیا، آپ صرف مدرس یا مہتمم ہی نہیں، بلکہ صاحبِ نظر مزاج شناس مربی بھی تھے، سنگریزوں میں گوہر کو پہچان لینے کا ملکہ رکھتے تھے اور خاک آلود ہیروں کو پرکھنے، تراشنے اور چمکانے کا ہنر جانتے تھے، اسی لئے آپ کے تربیت یافتہ فضلاء پوری دنیا میں پھیل کر مختلف میدانوں میں دین کی قابلِ قدر خدمت انجام دے رہے ہیں۔

تعصب وتحزب سے دوری

آپ تعصب، تحزب، گروہ بندی اور حلقہ بازی سے بہت دور تھے، تمام اہلِ حق کو اپنا سمجھتے، بندے کو تعلقِ خاطر کی وجہ سے مفید ہدایات اور مشوروں سے نوازنے کا معمول رہا، لیکن تیس سال میں بندے کا کبھی کسی کے خلاف ذہن بنانا تو بہت دور کی بات ہے، کبھی اشارہ بھی نہیں کیا، حضرت کے سامنے حضرت سے اختلاف کرنے والوں کی اچھائی بیان کرتے ہوئے کبھی جھجک محسوس نہیں ہوئی، اس لئے کہ خوبی اور فضیلت کسی کی بھی بیان کی جائے ہمیشہ خوش ہوتے تھے۔

''مُتَوَاصِلُ الأَحزَان''

جس طرح آپ کو دین اور امت کی ترقی سے بے حد خوشی ہوتی تھی، اسی طرح آپ دین اور امت کے نقصان سے دور بھی بہت محسوس کرتے اور بے چین ہوجاتے، آپ ''مُتَوَاصِلُ الأَحزَانِ دَائِمُ الفِكْرَةِ'' نبی کے سچے وارث تھے، آپ کی فکر ونظر جس طرح آفاقی تھی اسی طرح آپ کے قلب وجگر کا درد بھی آفاقی تھا، دنیا کے ہر خطے کے مسلمانوں کی دینی یا دنیوی، چھوٹی یا بڑی، ہر تکلیف کا درد محسوس کرتے اور آپ کی خصوصی اور عمومی مجلسوں میں اس کا تذکرہ رہتا تھا، عوام اور خواص دونوں کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق امت کے مسائل کی طرف متوجہ فرماتے اور حل کرنے کا طریقۂ کار بھی بتلاتے۔

فراست ودانائی

اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کو اعلیٰ درجے کی فراست سے بھی نوازا تھا، بڑے بڑے مشکل مسائل کی گتھیاں منٹوں میں سلجھادیتے، میرے حاجی فاروقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے حضرت مسیح الامت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ملفوظ سنا تھا کہ دو اوصاف بہت اہم ہیں، موقع شناسی اور مردم شناسی، اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو ان دونوں اوصاف کا وافر حصہ نصیب فرمایا تھا اور دارالعلوم فلاحِ دارین میں آپ کا دورِ اہتمام اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

’’أَیُنقَصُ الدِّینُ وَأَنَا حَیٌّ‘‘

اپنے متعلقین اور دین کے دیگر خدّام کو خطوط لکھ لکھ کر دین کی ضروری خدمتوں کی طرف متوجہ کرتے، اسی طرح جو جس میدان میں سرگرم عمل ہوتا، اس کے لئے جو چیز کار آمد ہوتی، مثلاً کوئی مشورہ، کتاب یا مضمون، وہ اس پر روانہ کرتے،، جماعتوں، جمعیتوں، تحریکوں، مدارس اور دینی کاموں کے ذمہ داران کو بھی موقع اور مناسبت سے خطوط لکھ کر رہنمائی فرماتے اور کمزوریوں کی انشان دہی کرتے، ساتھ ساتھ اچھائی اور خوبیوں کی تعریف کرکے ہمت افزائی بھی کرتے، آپ خوش اخلاق ہونے کے ساتھ حق بات کے برملا اظہار میں ’’**لایخافون فی الله لومة لائم**‘‘ کے مظہر تھے، آپ کی زندگی جہدِ مسلسل سے تعبیر تھی، ااپ ہر وقت قوم وملت کی فلاح و بہبودی کے لئے فکرمند اور کوشاں رہتے، امراض وعوارض کے باوجود پیرانہ سالی میں بھی آپ ’’**أینقص الدین و أنا حی**‘‘ کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

ذوقِ مطالعہ

جمعِ کتب اور کتب بینی دونوں کا خوب ذوق وشوق تھا، کون سی کتاب کس مصنف کی کس کی تحقیق کے ساتھ کہاں چھپ رہی ہے، اس کی معمولات رکھتے اور پھر اپنے متعلقین کو بھی آگاہ کرتے اور ہوسکتا تو حاصل کرکے بھیجتے بھی تھے، بندے پر بھی ہر آنے والے کے ساتھ کوئی نہ کوئی کتاب ضرور ارسال کرتے، آپ کے ذاتی کتب خانے میں بھی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا جن میں کئی نایاب کتابیں بھی تھیں، آپ نے یہ تمام کتب جامعہ قاسمیہ کھروڈ کو وقف کردی اور وہاں ایک شاندار اکیڈمی، مجمع الشیخ عبداللہ الکافودروی کے نام سے شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف لوہاروی صاحب مدظلہم کی نگرانی میں تیار ہوگئی ہے۔

تِلْكَ آثَارُنَا

ان شاء اللہ تعالیٰ یہ کتب خانہ اور آپ کی سرپرستی میں پروان چڑھنے والے سینکڑوں ادارے (بالخصوص دارالعلوم فلاحِ دارین جس کو آپ نے اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا)، اسی طرح پوری دنیا میں پھیلے ہوئے آپ کے تربیت یافتہ درجنوں علماء وفضلاء آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہوں گے اور ان سب کا اجر و ثواب آپ کے میزان حسنات میں ہوگا۔تِلْكَ آثَارُنَا تَدُلُّ عَلَيْنَا، فَانْظُرُوْا بَعْدَنَا إِلَى الْآثَارِ

اعترافِ تقصیر

حضرت کی ذاتِ ستودہ صفات کے بارے میں میرے جیسا بے بضاعت آدمی کیا لکھ سکتا ہے؟ مشہور مقولہ ہے، ''لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ''، حضرت والا کی شخصیت پر غور کرتا ہوں تو ''رَجُلٌ لِكُلِّ فَنٍّ'' نظر آتے ہیں، ان کو پہچاننے کے لئے علم وفضل والی آنکھیں چاہئے، ''إِنَّمَا يَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ مِنَ النَّاسِ ذَوُوْهُ'' لعل و گوہر کی صحیح تعریف ایک اچھا جوہری ہی کرسکتا ہے اور اس کا کامہ حقہ تعارف بھی اسی کا حق ہے، یہ ناکارہ نہ جوہری ہے نہ اس کے پاس کوئی صلاحیت ہے، پھر وہ گجرات کے اس ہمہ گیر اور عالم گیر انمول ہیرے کے بارے میں کیا تبصرہ کرسکتا ہے؟ شرمندگی اور اعترافِ تقصیر کے ساتھ چند بے ربط سطور سپرد قرطاق کردی ہیں، اللہ تعالیٰ کمی کوتاہی کو معاف فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی شفقتوں اور محبتوں کا بہترین صلہ نصیب فرمائیں، آپ کی تمام دینی کاوشوں کو قبول فرمائیں، آپ کی بال بال مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس میں بلند درجات نصیب فرمائیں اور امت مسلمہ کو نعم البدل عطا فرمائیں۔(آمین)

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلىٰ خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ
وَعَلىٰ آلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ أَجْمَعِينَ

حضرت مفکر ملت کی حیاتِ طیبہ کے

چند نمایاں پہلو

مولانا محمد اسماعیل کاپودروی ❖

حضرات! والدمرحوم حضرت مفکر ملت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نوراللہ مرقدہٗ اللہ تعالیٰ کے اُن عظیم بندوں میں سے تھے جن کو قوموں اور ملکوں کی ہدایت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے اور جو اپنے عظیم کارناموں، مجاہدوں اور سرفروشیوں کی وجہ سے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کی صفتِ ختم نبوت کی روشن دلیل ہوتے اور صفاتِ نبوت کے حامل ہوتے ہیں، جو ہرزمانے میں قصرنبوت کی حفاظت وصیانت کا بےنظیر کارنامہ انجام دیتے ہیں، ان کی حیاتِ طیبہ منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے، جس کی روشنی میں قافلۂ اہلِ ایماں راہِ رشدوہدایت کو بہ آسانی طے کرتا ہے۔

اکابرین سے آپ کو غایت درجہ محبت وتعلق تھا، دورِطالب علمی ہی سے اکابرین کی زیارت وملاقات کا اہتمام رہا، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّدحسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ، حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ، حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ، حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب جون پوریؒ، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ، حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ وغیرہ اکابر علماء کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کیا اور اُن سے خصوصی کسبِ فیض فرمایا۔ اِن حضرات اکابر نے آپ کو ہمیشہ محبت واعتماد کی نظروں سے دیکھا اور آپ کے ساتھ بڑی عنایتوں کا معاملہ فرمایا، حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّدحسین احمد مدنیؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سیّدعلی میاں صاحب ندویؒ کی شخصیات نے آپ کے ذہن ودماغ پر سب سے زیادہ اثر چھوڑا، جنیدِوقت حضرت قاری سیّدصدیق احمد صاحب باندویؒ

❖ صاحبزادۂ محترم، خلیفۂ اجل وخادمِ خاص حضرت مفکر ملت نوراللہ مرقدہٗ

اور حضرت مولانا سیّد علی میاں ندویؒ کا آپ کو خصوصی اعتماد حاصل رہا، آخر الذکر دو حضرات نے آپ کے بارے میں بڑے وقیع کلمات ارشاد فرمائے ہیں، اِسی محبت وتعلق کا نتیجہ تھا کہ نو اکابر ومشائخ نے آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا اور آپ آخری دم تک عوام وخواص کے رشتہ کو اکابرین کے ساتھ مربوط کرنے کے سلسلے میں بڑی مستعدی کے ساتھ کوشاں رہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو ایک حساس اور خوب صورت دل عطا فرمایا تھا جو زندگی کے آخری سانس تک اپنے سے زیادہ دوسروں کے لیے دھڑکتا رہا، دنیا میں کہیں کوئی حادثہ ہوا ہو، کوئی پریشانی ہو، کوئی غم ہو، کوئی فکر ہو، حضرت بے چین ہوجاتے، راتیں آنکھوں میں کٹتیں، علماء و مدارس کی فکر نے تو سراپا اضطراب بنادیا تھا، آپ کے اس وصفِ عالی میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ عالیہ **"کان دائم الفکرۃ، طویل الاحزان"** کی جھلک نظر آتی ہے۔

دوسرا بہت ممتاز اور نایاب وصف خاکساری اور تواضع کا تھا، لباس سادہ پہنتے، سادہ کھانا تناول فرماتے، ہر آدمی کے ساتھ اکرام کا معاملہ فرماتے، یہاں تک کہ اپنے سے چھوٹوں کو بھی "حضرت" کہہ کر پکارتے، چھوٹے سے چھوٹے بچے کو "آپ" کہہ کر مخاطب فرماتے، یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے آپ کو اپنی پلکوں پر بٹھایا اور عزت ومحبت سے نوازا ؂

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کردیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

حسنِ اخلاق آپ کی زندگی کا نہایت روشن باب ہے، جو بھی ایک بار آپ سے ملاقات کرتا یا آپ کی مجلس میں شرکت کی سعادت حاصل کرتا آپ کا گرویدہ ہوجاتا، ملاقات کے وقت سراپا بچھ جاتے، لوگوں کی دل آزاری سے بہت ہی زیادہ احتیاط برتتے، زندگی کے ہر موڑ پر لوگوں کو راحت وسکون پہنچانے کی کوشش کرتے، حد یہ ہے کہ مراحلِ مابعدالموت کے سلسلے میں بھی اِس کا خصوصی لحاظ رکھا، چناں چہ نمازِ جنازہ کے بارے میں وصیت فرمائی کہ لوگوں کا انتظام کرکے حاضرین کو کھڑے رہنے کی زحمت میں مبتلا نہ کریں، نیز تدفین کے لیے ایسی جگہ خود منتخب فرمائی جہاں آسانی سے لوگوں کی آمد ورفت ہوسکے اور لوگوں کو تلاش وجستجو کی زحمت میں مبتلا نہ ہونا پڑے۔

وسعتِ ذہنی کا یہ حال تھا کہ ہر مکتبِ فکر کے ساتھ اپنائیت کا معاملہ برتتے، کسی کو آپ سے اجنبیت محسوس نہ ہوتی، آپ کا فیض صرف علماء و مدارس تک خاص نہ تھا، بل کہ اسکولوں، کالجوں، یونی ورسٹیوں، انجمنوں، سیاسی شخصیات، اخبارات ورسائل، رفاہی اداروں اور سماجی کارکنوں؛ غرض ہر ایک کے لیے مرجع

وملجاء کی حیثیت رکھتے تھے، ہر ایک کو اُس کے میدانِ کار و صلاحیت کے اعتبار سے ہدایات دیتے، حوصلہ افزائی فرماتے اور ترقی کی راہ ہموار کرتے، جس کی برکت سے اللہ نے آپ کو ہر دل عزیز شخصیت بنا دیا تھا۔

قوم وملت کا زوال آپ کے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا، آپ جہاں یہ فکر فرماتے تھے کہ لوگوں میں علم و دین سے تعلق پیدا ہو وہیں قوم کے معاشی احوال کی اصلاح کے لیے کُڑھن بھی لگی رہتی، گجرات کے مسلم اخبار ''گجرات ٹوڈے'' میں ایک مرتبہ قوم کے نام یہ پیغام نشر فرمایا کہ مسجد کے مناروں کے ساتھ ساتھ فیکٹریوں اور کارخانوں کی چمنیاں بھی بلند ہونی چاہیے تاکہ مسلم قوم افلاس کی دلدل سے باہر نکل سکے۔ دوسرے پیغام میں فرمایا کہ مسلم طلبہ کو حساب، جغرافیہ اور سائنس جیسے عصری علوم میں خصوصی مہارت حاصل کرنی چاہیے تاکہ معاشرے میں ان کی افادیت قائم ہو سکے۔ گجرات میں مسلم اخبار جاری کرنے کے لیے بے انتہا کوشش فرمائی اور بار بار لوگوں کو اس جانب متوجہ فرمایا۔

مدارس و جامعات کا جمود اور تشتت ختم کرنے کے لیے زندگی بھر متحرک رہے، مگر آخر عمر میں بڑے افسوس کے ساتھ کئی مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی طرف سے خاطر خواہ تعاون حاصل نہ ہو سکا، آپ کے دل کی آرزو تھی کہ علما و عوام میں ربط بڑھے، اس غرض سے کالج و یونی ورسٹیز کے پروفیسران کو مدعو فرماتے، مدارس کے نصاب و نظام سے ان کو مانوس فرماتے، ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ فرماتے، اسی طرح آپ کی یہ چاہت تھی کہ علماء علمی میدان میں ترقی کریں، جدید اسلوب میں لکھی جانے والی کتابوں کا مطالعہ کریں، مخطوطات کی تحقیق کریں، علمی وتحقیقی مقالے لکھیں، اپنے اذہان کو وسیع کریں، اپنے ملک پر تصلب کے ساتھ ساتھ دوسروں کے لیے وسعت پیدا کریں، ہر ضروری علم وفن نیز عصری زبانوں اور علوم میں بھی بقدر ضرورت دلچسپی لیں ''**الحكمة ضالة المؤمن حيث وجدها فهو أحق بها**'' پر شدت کے ساتھ مل پیرا رہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کی رحلت کا صدمہ علما و مدارس کے ساتھ ساتھ عصری اداروں میں بھی یکساں طور پر محسوس کیا گیا۔

امت میں اتحاد و یکجہتی پیدا کرنے کے لیے ہمیشہ متفکر رہتے، خصوصا علماء مشائخ، جماعتوں وجمعیتوں اور دینی اداروں کے انتشار سے نہایت ملول خاطر ہوتے، صلح کے لیے آپ کی ذات عالی سے جو کچھ بن پڑتا اس سے دریغ نہ فرماتے، اس سلسلے میں بسا اوقات انتہائی ناگوار حالات کا بھی سامنا کرنا پڑا، مگر آپ کے پائے استقلال میں جنبش پیدا نہ ہوتی۔

کتابوں کے ساتھ وارفتگی عشق کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، دنیا کے کسی بھی کونے میں کوئی نئی کتاب چھپتی تو اس کے حصول کے لیے تگ و دو فرماتے، کسی مصنف کی کوئی کتاب مارکیٹ میں نئی آتی تو اپنی جیب خاص

سے رقم صرف فرما کر یا اہل ثروت کو متوجہ فرما کر اس کے متعدد نسخے حاصل فرماتے اور گجرات کے اداروں اور ملک کی اہم شخصیات کے نام ہدیۃً ارسال فرماتے، اس سے مقصود جہاں علمائے کرام کو نئی کتابوں سے مطلع کرنا ہوتا، نیز ان کے اندر مطالعہ کا شوق پروان چڑھانا ہوتا، وہیں مصنفین کی حوصلہ افزائی بھی مقصود ہوتی، یہ جذبہ آخری سانس تک آپ کے دل و دماغ پر مسلط رہا، حضرت کی ان ہی مساعی جمیلہ کی برکت سے علمائے گجرات میں مطالعہ و کتب بینی اور تحریر و تقریر کی جانب میلان بڑھا۔

وقت کی قدر و قیمت آپ کی زندگی کا ایک زرّیں اصول تھا، ہر کام کے لیے ایک وقت متعین تھا، دوسرے کے اوقات کا بھی خصوصی خیال فرماتے، وقت کی قدر دانی ہی کی برکت ہے کہ جہاں آپ نے درجن سے زیادہ کتابیں یادگار چھوڑیں وہیں سیکڑوں کی تعداد میں نفوس اپنے پیچھے چھوڑے جو آج بڑے بڑے اداروں اور دانش گاہوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

یہ آپ کی حیات طیبہ کے چند روشن پہلو ہیں، ان کے علاوہ اور بھی دسیوں ممتاز اوصاف و کمالات ہیں جن کو قلت وقت کی وجہ سے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ایک غیر معمولی اور عبقری شخصیت کے حامل بزرگ تھے۔ آپ کی ذات عالی نوع بنوع کے کمالات سے آراستہ و پیراستہ تھی، آپ جیسی جامع الکمالات شخصیات صدیوں میں جا کر کہیں نظر آتی ہیں، آپ جیسے گنجینۂ کمالات کا اٹھ جانا پورے عالم اسلام کا زبردست خسارہ ہے، جس کی بھرپائی بظاہر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی کامل مغفرت فرمائے، درجات میں پیہم ترقی نصیب فرمائے اور ہم پس ماندگان کو حضرتؒ کے بتائے ہوئے ان خطوط پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

دلِ دردمند اور زبانِ ہوش مند کا حسین امتزاج

مفکرِ ملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحبؒ

مولانا اقبال بن محمد ٹنکاروی ❖

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شفقتیں وعنایتیں اس عاجز پر زمانۂ طلب علمی سے مختلف ومتنوع حیثیتوں سے مسلسل جاری تھیں، ایک مشفق ومربی باپ جیسے اپنی اولاد کی بچپن سے لے کر جوانی اور کہولت میں بھی مسلسل فکر رکھتے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صلبی اولاد سے بھی زیادہ اپنی علمی وروحانی اولاد کی فکر کی، آپ کے ہر ایک شاگرد کو یہ احساس ہوتا ہے کہ حضرت کو مجھ سے بہت قریبی تعلق ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وسیع المشربی نے اپنے فیض اور تعلقات کو فلاح دارین تک ہی محدود نہیں رکھا؛ بلکہ کسی بھی ادارہ کے فارغ علمائے کرام کی تصنیفی، تالیفی یا تدریسی خدمات کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت کشادہ دلی وخندہ پیشانی سے سراہا ہے۔

کئی نوجوان علمائے کرام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہماری چھوٹی بڑی علمی خدمات کو ہمارے اساتذۂ کرام سے بھی زیادہ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سراہا اور مجمع کے سامنے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی ہے، کتنے نوخیز مصنفین نے مجھے یہاں تک کہا کہ ہماری علمی خدمات کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حوصلہ افزا کلمات نے ہی قائم دائم رکھا ہے، ورنہ گجرات جیسے حوصلہ شکن ماحول میں؛ جہاں ہماری تالیف کی تعریف وتوصیف تو بہت دور رہی کتاب ملنے پر وصول یابی کی اطلاع تک نہیں دی جاتی، ملاقات کے موقع پر بھی بھول سے تذکرہ تک نہیں ہوتا، وہاں حضرت جیسے مشفق عالم دین ہماری اتنی قدر کرتے ہیں کہ آپ کی ملاقات کے بعد ساری حوصلہ شکنیوں کو فراموش کر کے ہم تازہ دم ہو جاتے ہیں، اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم کوئی کام کر رہے ہیں۔

ایسے مشفق ومربی استاذ محترم کی کرم فرمائی میں کیا لکھوں؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو

❖ مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

بہت ساری صلاحیتوں اورصفات سے نوازا ہے،ان میں ہم طالب علموں کے لئے جوسب سے بڑی فائدہ مند علمی منفعت والی چیز ہے، وہ حق تعالیٰ شانہ کا آپ کومردم شناسی کے وصف خاص سے نوازنا ہے۔

آپ نے ماہراساتذہ کی تلاش میں لمبے لمبے تکلیف دہ اسفار کئے اورمنت وساجت کرکے ایسے لائق وفائق اساتذہ جمع فرمادیئے تھے جنہوں نے فلاح دارین کوخونِ جگراورآہِ سحر سے سینچنے میں آپ محترم کی مکمل معاونت کی اور بنیان مرصوص بن کرفلاح دارین کوترقی کے بام عروج پر پہنچایا۔

کسی بھی مدرس کی تدریسی کامیابی یہ ہے کہ متعلق اسباق سے اس کو ذاتی دلچسپی ہو، وہ اس کو ذوقی ووجدانی کیفیت سے پڑھاتا ہو،اس فن میں اس کوکمال حاصل ہو،محض رسمی وقت گذاری نہ ہو، نیز تفہیم کی صلاحیت سے بھی نوازا گیا ہو،توپھر وہ اپنے طلبہ کومکمل طور پر مطمئن کرسکتا ہے۔

الحمدللہ! فلاح دارین کے ہمارے ان اساتذۂ کرام میں سے ہرایک کوہم نے اسی ذوق ووجدان اور فنی کمال والا پایا، ہرایک کا اپنا ایک نرالا انداز تھا۔

یہ سب کمال ہے اللہ پاک کے اس نیک وصالح بندے(رئیس الجامعہ) کا جواپنی محنت اوراخلاص کے ساتھ فلاح دارین کوسینچنے میں مختلف رنگت وخوشبووالے گلوں کوچن چن کرجمع کرنے میں لگا ہوا تھا۔

حضرت کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی استاذ صاحب رخصت پر ہوں تو آپ طلبۂ عزیز کو دفتر میں بلاتے تھے،اس وقت کتاب کے متعلق معلومات کے علاوہ استعداد بنانے کے جوگر بتاتے تھے وہ یقیناً بہت قیمتی تجربات ہوتے تھے، طالب علم کوآپ کے درس سے توانائی ملتی تھی، اس کی بیٹری چارج ہوجاتی تھی، اورکئی دنوں تک نئے حوصلے واُمنگ کے ساتھ مطالعہ وتکرار میں لگا رہتا تھا،طلبۂ عزیز کی صرف مدرسہ کی چہار دیواری میں ہی آپ نے نگرانی ورہنمائی نہیں فرمائی؛ بلکہ فراغت کے بعد بھی ان کی مسلسل فکررکھتے ہیں،ان کا تفقد کرتے ہیں،اچھی کتابوں کی طرف رہنمائی کرنا،معلومات کے تبادلہ کی کوشش کرنا اوراس سلسلہ میں متعدد بارعلماء کوخطوط کے ذریعہ جوڑنے کی کوشش بھی شامل حال ہے، بندہ کے نام ۱۳؍اکتوبر ۱۹۹۹ء کو کنیڈا سے لکھے ہوئے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

> ’’بندہ نے ترکیسر عریضہ لکھا تھا کہ ارباب ذوق اساتذہ کی ایک انجمن بنائی جائے، ماہ دوماہ میں مختلف جگہ جمع ہوں،اورنئی کتابوں سے مضامین کے بارے میں تبادلۂ خیالات کریں، ایک دوسرے کو اچھی کتابیں پہنچائیں،’’مجلس ارباب ذوق‘‘یا’’مجلس اخوان الصفا‘‘نام رکھا جاسکتا ہے۔‘‘

ایک دوسرے خط (۱۲؍جون ۲۰۰۱ء کنیڈا) میں تاریخی معلومات لکھتے ہوئے اس قسم کی مجلس کا ذکر

کرتے ہیں، تیسرا خط ۱۲؍اگست ۲۰۰۱ کا لکھا ہوا ہے؛ اس میں تحریر فرماتے ہیں:

”...الحمدللہ! ہمارے بھروچ ضلع کے مدرسوں میں بعض اساتذہ علمی ذوق کے ہیں، جمبوسر، کنتھاریہ، بھروچ، کھروڈ، ہانسوٹ، ترکیسر، رانڈیر، ڈابھیل کے ایسے باذوق اساتذہ اپنی ایک انجمن قائم کریں، اور ماہ دوماہ میں ایک مجلس ہو جس میں علمی موضوعات نیز کتب جدیدہ پر تبادلۂ معلومات ہو تو بہت فائدہ ہوگا۔“

ان دونوں خطوط سے حضرت کا فارغ شدہ طلبۂ عزیز کے ساتھ علمی ربط و تعلق اور ان کی معلومات میں اضافہ ہو، اس کی فکر اور اس سلسلہ میں وہ کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہتے تھے؛ لیکن فارغین کی طرف سے سرد مہری دیکھ کر آپ نے خود ہی چند ماہ پہلے ایک علمی مجلس منعقد کروائی اور اس میں گجرات بھر کے مدارس اسلامیہ کے اساتذۂ کرام اور ذمہ داروں کو مدعو فرما کر ایک باقاعدہ کمیٹی بنوائی اور ان کی ذمہ داری کے خطوط اربعہ طے کرتے ہوئے پھر دوبارہ جمع کیا اور شدید بیماری کے باوجود اس میں بڑی جگر سوزی کے ساتھ احساس ذمہ داری کی طرف توجہ منعطف کرائی۔

طلبہ میں مطالعہ کا ذوق کیسے پیدا ہو اور انحطاط کے اسباب کیا ہے؟ اس پر غور وخوض کے لئے تقریبا ۲۰۰۹ء میں مسجد عائشہ کاپودرا میں ایک بڑی مجلس کا انعقاد کیا تھا، اسی طرح چند سال پہلے ایک مجلس کا انعقاد کر کے مدارس گجرات کے اساتذۂ کرام کو تدریسی اصول و تربیتی نظام وغیرہ سمجھائے گئے، انفرادی مجالس میں بھی آپ کی مسلسل یہ کوشش رہتی تھی کہ مدارس کے فضلاء اپنے اوقات عزیزہ وغالیہ کو زیادہ سے زیادہ بارآور ثابت کریں، باہمی علمی اتحاد و اتفاق اور تعارف و تناصر کا جذبہ قائم ودائم رکھے، افراد سازی کی مہم تیز تر ہو، اس عنوان پر مختلف بہانوں سے علمائے کرام کو مدعو کرنا، ان کی خاطر خواہ مہمان نوازی کرنا، کاپودرا میں شاندار کتب خانے کی قیمتی عربی اردو کتابیں مدارس کے اساتذہ کو مطالعہ کے لئے عنایت فرمانا؛ یہ آپ کی کشادہ دلی کے ساتھ اندرونی کڑھن اور ایک عظیم مقصد کی غماز ہے۔ مدرسین کے مسائل میں بھی مشورہ کرنے پر صحیح معقول بات کی رہنمائی کرنا، انتظامیہ کے ساتھ تعاون، طلبۂ عزیز کی علمی ترقی کی فکر وغیرہ چیزوں کی طرف توجہ منعطف کرانا ہوتا تھا۔ تو انتظامیہ کے آنے پر اساتذہ کے ساتھ ہمدردی اور ان کی ضروریات کا لحاظ کرنا وغیرہ باتوں کی تلقین کی جاتی تھی۔ اس طرح الحمدللہ گجرات کے سارے مدارس علمی، عملی، تربیتی وروحانی نقطۂ نظر سے حضرت کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، روزانہ کسی نہ کسی مدرسہ کے اساتذہ یا ذمہ داران بلکہ دوسرے دینی ملی، سماجی، رفاہی، سیاسی اور اسکول کالج سے وابستہ تعلیمی حضرات بھی مفکر ملت کی خدمت میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے حاضر ہوتے تھے، مجھے تو حضرت کی طرف سے

ان کی مہمان نوازی کا منظر دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ حضرت کے گھر کی مستورات کی یہ بہت بڑی قربانی ہے اور ساتھ میں حضرت کی طرف سے بھی مالی خرچ برداشت کرنا آج کی مہنگائی کے دور میں بہت بڑا ایثار ہے۔ آج کی دنیا تجارتی سوچ والی ہے، نفع نقصان کا تخمینہ لگا کر کسی پر خرچ کیا جاتا ہے، وہیں جان و مال اور قیمتی وقت کو خالصۃً لوجہ اللہ خرچ کرنا بڑی اولوالعزمی کی بات ہے، اور **انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاء ولا شکورا** کی عملی تفسیر ہے۔

دارالعلوم فلاح دارین

جیسے مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح حضرت کا فلاح دارین کے ساتھ تعلق تھا، فلاح دارین اینٹ، ریت اور پتھر کی بلڈنگ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک زندہ متحرک علمی اور عملی تربیت گاہ ہے، جس کو آپ نے خون جگر اور آہ سحر گاہی سے سینچا ہے، اس کے ایک ایک کل پرزے کو درست کرنے اور اس کے گیسو کو سنوارنے میں آپ نے اپنی حیات مستعار کے اوقات عزیزہ صرف کئے ہیں، فلاح دارین کی در و دیوار اور شجر و حجر کا ہر پتہ و ذرہ آپ کی خدمت و محنت کا شاہد ہے۔ آپ ہر وقت طلبہ، اساتذہ و کارکنان کو ہر طرح کی راحت فراہم کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ آپ نے سردی، گرمی اور ناخوش کن حالات کا مقابلہ کر کے دارالعلوم (فلاح دارین) کو ترقی دینے، اس کے گیسو اور نوک و پلک درست کرنے اور اس کو ترقی کی معراج پر پہنچانے کے لئے اپنی ذات وقف کر دی تھی۔

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ کوئی بھی ادارہ صرف ایک دو آدمیوں کی محنت سے ترقی نہیں کر سکتا، اس کے مختلف شعبہ جات میں ایک مشین کے مختلف کل پرزوں کی طرح مختلف صلاحیات و استعداد رکھنے والے افراد کی ضرورت ہوتی ہے، فلاح دارین بھی تنظیمی و تعمیری ترقی کے ساتھ تعلیمی و تربیتی ترقی میں ایسے بہترین باصلاحیت، اعلی استعداد رکھنے والے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے والے حضرات سے مالا مال رہا جنہوں نے اپنے خون جگر اور آہ سحر گاہی سے ادارہ کو ترقی کے بام عروج پر پہنچایا۔

یہ حضرات اساتذۂ کرام آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمدم و ہمراز بن کر ہر نشیب و فراز اور ترشی و تلخی اور ہر آزمائش میں شانہ بشانہ ہو کر معاصرین و اخلاف کے لئے ایثار و قربانی اور وفاداری کا ایک نمونہ قائم کر گئے۔

فلاح دارین کا نصاب

حضرت مفکر ملت نے فلاح دارین کے نصاب کی تعیین میں جس فکری اعتدال اور عصر حاضر کی

ضروریات ومقتضیات کا لحاظ فرمایا اور طلبۂ عزیز کو مختلف فنون کی کتابیں پڑھانے والے متبحر وتجربہ کار اساتذۂ کرام کو تلاش کر کے جمع کیا، یہ آپ کا ہم طلبہ کے ساتھ بہت بڑا احسان ہے، آپ نے ہمیں ایک فکر عطاء فرمایا، تصلب فی الدین کے ساتھ عصری ضروریات، لسانیات اور مختلف فنونِ جدیدہ کا اضافہ کیا اور ایک متحرک زندہ نصاب سے بہترین ٹیم تیار کی۔ آپ کے حسن عمل، ذہنی فکر، دل دردمند اور زبان ہوشمند کے نتیجہ میں جو افراد تیار ہوئے وہ الحمدللہ تعالیٰ اپنے اپنے دائرۂ عمل میں بہت کامیابی سے خدمات انجام دے رہے ہیں، نصاب کی قدرے جدت نے قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے مضامین کے حصول میں کوئی خلا نہیں محسوس ہونے دیا، عربی زبان کی مسلسل محنت اور نئے اسالیب عربیت نے طلبہ کی علمی صلاحیتوں میں اضافہ کیا۔ وہ سطحیت جس کا خطرہ دیگر اداروں کے تجربہ سے لوگوں نے محسوس کیا تھا۔ الحمدللہ تعالیٰ فلاح دارین میں علیا کے بہترین صلاحیت والے اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور حضرت مفکر ملت کی اس طرف خاطر خواہ توجہ نے اعتدال کے ساتھ تمام علوم وفنون میں یکساں بارآوری فرمائی۔

اسی طرح تجوید وقراءت جس کا قرآنی علوم میں سے ہونے کی وجہ سے حق بھی بنتا تھا، اس کو بھی آپ نے اس کا صحیح حق دلوانے میں بہت محنت فرمائی، آج جب کہ سارے مدارس میں اس کی اچھی فضا بن چکی ہے اور ماحول بڑا سازگار ہے، میری یہ بات اتنی اہمیت نہیں رکھتی ہے؛ لیکن اُس وقت قراءت سبعہ متواترہ کے سلسلے میں لوگوں کی زبانیں جہالت عن القرآن وعلوم القرآن کا ثبوت پیش کر رہی تھی- اور حضرت مفکر ملت رحمۃ اللہ علیہ عربی زبان اور تجوید وقراءت کے سلسلے میں مدارس اسلامیہ کے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے- ہر سنی سنائی بات آپ کی طرف منسوب کر کے پھیلائی جارہی تھی، لیکن آپ نے صبر وثبات سے اس کا مقابلہ کیا اور آج وہی چیزیں مدارس کے لئے باعث افتخار بنی ہوئی ہے۔ **تلك الایام نداولها بین الناس.**

عمومی تعلیمی دل چسپیاں

حضرت مفکر ملت نے تعلیمی بیداری کے عنوان سے نصاب تعلیم کی تبدیلی کے ساتھ نظام تعلیم وطریقہ تدریس پر بھی خصوصی توجہ مبذول فرمائی ہے، چنانچہ ۲۸/ ذی قعدہ بروز جمعرات ۱۴۲۹ھ کا پودرہ میں مجلس تعلیمی گجرات کی زیر نگرانی بڑے مدارس کے اساتذۂ کرام نے شرکت فرمائی، اس موقع پر حضرت مفکر ملت نے جو تاریخی خطاب فرمایا اس میں بہت ہی قیمتی مواد اساتذہ وطلبہ اور منتظمین کے لئے جمع فرما دیا، ہم نے اس خطاب اور اس میں اساتذۂ مدرسہ کی طرف سے پیش کی جانے والی آراء کا گجراتی ترجمہ کر کے دارالعلوم ماٹلی والا سے شائع ہونے والے گجراتی پرچہ ''پیغام رحمت'' میں شائع کیا، تو بہت سارے احباب نے اس پر

تحسینی کلمات فرمائے، اس کے بعد یہ فکر انگیز خطاب المعہد الاسلامی مانک مؤسہار نپور سے اردو میں شائع ہوا، اور اس کا عنوان ''تعلیمی، تدریسی اور فکری بیداری فنی اساتذہ کرام ہی پیدا کر سکتے ہیں'' رکھا گیا۔

اسی طرح مکاتب کے اساتذۂ کرام کو جمع کر کے ایک خطاب باٹلی (U.K.) شہر میں فرمایا، اس کو بھی ''پیغام رحمت'' میں گجراتی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا گیا۔

حضرت کا لقب ہی ''مفکر ملت'' ہے جو اسم بامسمّیٰ ہے، کیوں کہ آپ امت مسلمہ کے تمام طبقات کے دین کی فکر کرتے تھے، خصوصا مدارس، مکاتب کے ساتھ آپ کو اسکول کالج کے مسلم طلبۂ عزیز و اساتذۂ کرام کی بھی بہت فکر دامن گیر رہتی تھی۔

اس کے لئے آپ وقتا فوقتا اسکول کے طلبہ و اساتذہ کے سلسلے میں لکھتے رہتے تھے، نیز بیانات میں بھی ان کی رہنمائی فرماتے تھے۔

لارڈ میکالے کے لادینی نظام تعلیم کے تدارک کے لئے آپ نے ایک چھوٹا سا رسالہ گجراتی زبان میں شائع فرمایا ہے، جو درحقیقت سورتی سنی وہورا کمیٹی کی ۲۵/ سالہ تقریب کے موقع پر آپ کا دیا ہوا خطاب ہے، اسی طرح اس وقت کی حکومت نے جو نیا تعلیمی نظام و پالیسی پیش کی ہے اس سے بھی آپ بہت فکر مند ہیں، چنانچہ حضرت کے ایماء پر ہی بندہ نے اسکول کی پانچویں کلاس سے لیکر بارہویں تک کے نصاب کا مطالعہ کیا اور اس میں جو چیز عقائد، تاریخ، فلسفہ، سماجیات، سیاسیات، سائنس، اقتصادیات اور اصول قانون کے عنوان سے پڑھائی جاتی ہے، ان میں اسلام کے خلاف نظریات یا ان میں اسلامی نقطۂ نظر کا ذکر نہ کرنا ایک مسلمان طالب علم اور استاذ کو ذہنی و قلبی طور پر پریشان کرتا ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس سلسلے میں اسلام کوئی رہنمائی ہی نہیں کرتا ہے؛ جبکہ اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات میں اس کا بدل یا اس کا حل موجود ہوتا ہے۔

اس کے تدارک کے لئے بندہ نے عقائد، سیرت، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، سائنس، اقتصادیات اور اصول قانون کے موضوع پر گجراتی میں کتابیں لکھنے کا آغاز کیا تھا اور الحمدللہ تعالیٰ تمام موضوعات پر کتابیں تیار ہو چکی ہیں۔ **الحمد لله تعالى على ذالك .**

اس سلسلے میں حضرت مفکر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب ''مسلم سائنسدانوں کی گراں قدر سائنسی خدمات'' کا گجراتی ترجمہ مولانا فرید بیگ فلاحی صاحب سے کروا کر دوبارہ اس کو شائع کروا کر مختلف اسکول کے ٹیچروں کو پہونچایا تھا۔

عربی زبان کے ساتھ والہانہ تعلق

عربی زبان کے ساتھ والہانہ تعلق نے آپ کو صاف ستھری سلجھی ہوئی بہترین عربی زبان ارتجالا بولنے پر قدرت عطاء فرمائی۔ گجرات بلکہ ہندوستان کے چندہی مہتمم حضرات کو ہم نے بہترین عربی اردو زبان بولنے والا پایا، آپ کو عربی کے سینکڑوں اشعار زبانی یاد ہیں، اسی طرح عربی نثر کے بھی مختلف جملے آپ کو زبانی یاد ہیں، آپ نے دیوبند سے نکلنے والے پرچے''الیقظۃ'' میں جو حضرت مولانا وحیدالزماں صاحب کیرانوی کی زیرنگرانی اور حضرت مولانا عمید الزماں (رئیس التحریر) و مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم (سکریٹری التحریر) کی مشترکہ کوششوں سے شائع ہوتا تھا، اس میں شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ مطابق فروری ۱۹۶۱ء میں کئی مضامین لکھے ہیں، جن میں سے ایک مضمون کی چاشنی سے آپ کو بھی محظوظ کرانا چاہتا ہوں:

....ونحن نعيش الآن فى عهد قد تطورت طرق الحياة الاجتماعية وشاعت النظريات الجديدة والفلسفات الغربية الضالة المضلة وقد تفرقت الشعوب شيعا واحزابا، فهولاء يدعون الى اللا دينية ، وهولاء ينادون الشيوعية، وهولاء يهتفون بالقومية والوطنية وبتعبير فضيلة الاستاذ ابى الحسن على الندوى "ردة ولا ابابكر لها" فواجبنا ان نتسلح بسلاح جديد لمحاربتها والدفاع عن الاسلام.(شعبان المعظم سنة ١٣٨٠هـ مطابق فبرائر سنة ١٩٦١ء)

اسی پرچہ کے ایک دوسرے شمارہ (اگست ۱۹۶۱ء) میں مولانا عمید الزماں صاحب اپنے اور حضرت مفکر ملت کے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی خدمت میں الیقظہ کے سلسلے میں حاضری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قد حظيت انا وصديقى الاستاذ عبدالله السورتى بزيارة فضيلة الشيخ ابى الحسن على الحسنى الندوى فى شهر ذى القعدة فى مدينة "ميرتھ" وكانت هذه هى المرة الاولى التى تشرفت فيها بزيارة سماحته ، فعرفنا (انا والاستاذ عبدالله) انفسنا اليه فاستقبلنا الشيخ استقبالا حارًّا يليق بالصّغار واظهر لنا حفاوة زائدة وعاملا مُعاملة اب عطوف واستاذ كريم ومستشار مخلص وبالغ فى اكرامنا عند ما علم اننا نقوم بادارة اليقظة واعرب عن ارتياحه الكبير وسروره البالغ باصدارنا هذه الجريدة

وشجعنا كثيرا على مواصلة هذا العمل المثمر واستغرقت زيارته ساعة كاملة وتحدثنا معه ووجهنا إليه بعض الاسئلة كما طلبنا اليه ان يبدى رأيه من الكتاب القديرين فى مصر كالدكتور طٰهٰ حسين واحمد امين وحسن زيات ومحمود عباس العقاد فعلّق لنا على اسلوب كتابتهم ونقد هم واظهر لنا ما هى ميزات كل منهم وما يوجد فى كتب بعضهم من نقص فى ناحية البحث والحديث.

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے آپ دونوں بزرگوں کی خدمات کو سراہتے ہوئے اور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے وقیع کلمات سے نوازا، چنانچہ فرماتے ہیں:

ولٰكن صدور صحيفة باللغة العربية من دارالعلوم ديوبند كبرى المدارس العربية فى الهند ، حادث يسترعى الانتباه ويثير الاهتمام ويستحق التهنئة والتشجيع وتعقد به اٰمال كبار لذلك نهنئ القائمين على شئون هذه المجلة على نشاطهم ويقظتهم ونتمنى لهم التوفيق والنجاح.(۱)

فضیلۃ الشیخ محمد مجذوبؒ جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے، اور بعد میں ان کی ہی سعی سے فلاح دارین کا جامعہ مدینہ منورہ سے الحاق ہوا تھا، آپ نے فلاح دارین میں چند روز گذارے تھے، حضرات اساتذہ کرام سے بھی آپ کی کئی مجالس ہوئی، حضرات اساتذۂ کرام کے ساتھ کئی مسائل پر بحث ہوئی ،اس میں ''مؤلفۃ قلوب'' کو زکوۃ دینے کے سلسلہ میں حضرت مفتی احمد بیمات صاحبؒ (شیخ الحدیث) اور حضرت مولانا ابرار صاحبؒ سے مباحثہ ہوا، اس کے بعد فجر میں حضرت مفکر ملت کے سامنے ان اساتذۂ کرام کی بہت تعریف وتحسین فرمائی، مدینہ منورہ جانے کے بعد حضرت مفکر ملت کی شخصیت، عربیت، اخلاق حمیدہ وغیرہ سے متأثر ہوکر ایک مضمون آپ کی سوانح پر لکھا، اس میں حضرات اساتذۂ کرام کے متعلق ایک جملہ لکھا ہے:

وبلغ مدرسوها الواحد والثلاثين، وفيهم من يضاهى اكابر علماء العالم الاسلامى.

فلاح دارین کے متعلق لکھا ہے:

والداخل الى ساحته لا يستطيع الا الموافقة على قول سماحة الشيخ ابى الحسن الندوى عنها بانها (جنتان عن يمين وشمال) وحدث ولا

(۱) ابوالحسن علی الحسنی الندوی، میرٹھ ۵/۱۱/۸۰ھ

حرج، عن مدرسة الراسخين فى العلم ، وعن طلابه النظاميين الذين وجدنا فيهم من يستظهر الاجزاء الكثيرة من كتاب الله ، ويتلوها فى تجويد يكاد يزاحم به كبار المقرئين المشهورين، وهو الذى لم يبارح سن الحداثة.

اسی مضمون میں ایک خط شیخ مجذوبؒ نے مفکر ملت رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف وتحسین اور خاص کر کے آپ کی عربیت،فصاحت وبلاغت اور معلومات کی وسعت کے متعلق لکھا ہے، یہ ایک بڑے عرب عالم اور شیخ کی شہادت علمیہ ہے، جو عالم اسلام کے ہزاروں علمائے کرام سے ملاقات کر چکے ہیں،اور جن کی فلاح دارین اور حضرت مفکر ملت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے کوئی دنیوی منفعت وابستہ نہیں تھی۔

فضیلۃ الشیخ مجذوب فرماتے ہیں:

سلام عليكم ورحمة الله وبركاته.. ولكم أخلص الشكر على هديتكم النفيسة (أضواء على تاريخ الحركة العلمية والمعاهد الإسلامية والعربية في غجرات) وإنه كتاب قيم أتمنى لو يتاح توزيع مقادير منه على ذوي الثقافة في المواطن العربية ليتعرفوا من خلاله جهاد الأجيال من أئمة العلوم العربية والإسلامية في الهند ، أولئك الجهابذة الذين ما انفكوا يتتابعون على إعلاء كلمة الله تحت راية القرآن والسنة ، وفي حراسة اللسان المبين الذي جعله الله الوسيلة المثلى لفهمهما والاستضاء ة بنورهما....

والحق إنني لم افاجأ بروعة المضمون ولا بسلامة الأسلوب ، لأن الذي عرفته عنكم خلال الأيام المباركة التي تلاقينا بها في تركيسر وندوة العلماء قد ملأ نفسي إعجابا بمواهبكم (وعربيتكم) وانتظام أفكاركم العميقة، لذلك كانت مطالعتي في الكتاب فرصة جديدة لاستئناف ذلك اللقاء السعيد، الذي أضاف إلى شخصكم الكريم صحبة العشرات من فضلاء الأمة الذين كان لهم النصيب الأوفى من الفضل في الدعوة إلى الوحيين ، وفي إعطاء العربية موطنا جديداً تخرج فيه الأكبرون من حماة الفصحى وآدابها.

وحسب الكتاب بعد ذلك أن يضع بين يدي طلبة العلوم الإسلامية فيضا عَمَمًا من المعرفة في صفحات محدودة دون المئتين عددا، ومن أولى

ثمراتها أن تزيد وشائج الأخوة بين مسلمي الهند والربوع العربية قوة وتوثيقا. وقد قدح جهدكم المبرور في نفسي خاطرة وددت لو تجد قبولا لدى أولي الفكر والأدب لا في الهند فقط بل في مختلف ربوع الإسلام.

لقد وفيتم حق غجرات بما عرضتم من وجوه إسهاماتها في نطاق الحضارة الإسلامية على مر العصور فرأينا مواكب العلماء والحكام الصالحين والمنشآت العلمية على اختلاف مستوياتها، ولم تغفلوا الحديث عن لغتها وتفاعلها مع لغة القرآن العظيم....وما إلى ذلك من ألوان النشاط الذي كان له مردوده الملموس في عالم الفكر الإسلامي على امتداد أمكنته وأزمنته....فجزاكم الله خير ما يستحق هذا الجهد من بركاته .

فضیلۃ الشیخ مجذوبؒ کا مضمون بارہ صفحات پر مشتمل ہے،طوالت کے خوف سے اس کو نقل نہیں کرسکتا ہوں،اس میں انہوں نے حضرت مفکر ملت کی سوانح کا پورا خاکہ،آپ کی شخصیت،اخلاق واعمال اورفلاح دارین کے شب وروز وغیرہ پرایک ماہرنفسیات کے انداز میں بہت طویل کلام کیا ہے،حضرت مفکر ملت کی کتاب ''الاضواء'' کے پرانے نسخے کے سلسلہ میں یہ لکھا گیا تھا،اگر شیخ اس کے موجودہ نئے نسخے کو دیکھتے تو بہت خوش ہوتے،اوراس پرمزید کلام فرماتے۔

اسی طرح چند دن پہلے مسجد نبوی شریف مدینہ منورہ کے استاذ فضیلۃ الشیخ حامد اکرم البخاری،اور مسجد نبوی شریف کے استاذ فقہ ومقاصد شریعت کے ماہر فضیلۃ الشیخ عامر بن محمد فداء بہجت حفظہما اللہ تعالیٰ کاپودرہ تشریف لائے تھے،انہوں نے بھی اپنے خصوصی خطاب میں علمی تأثرات کے ضمن میں اورنجی مجلس میں بھی جن کلمات عالیہ سے حضرت کوخطاب فرمایا یہ حضرت کی عنداللہ مقبولیت کی دلیل ہے،حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان مہمانوں کا استقبال محض مدینہ منورہ کی عظیم نسبت کی وجہ سے کیا،جنوبی گجرات کے اساتذۂ حدیث کوبھی مسلسل بالاولیت والی پررونق مجلس میں دعوت دے کرآپ نے عرب مہمانوں کوعلمائے گجرات کی خدمات سے واقف کرایااورشاندار دعوت بھی فرمائی،فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علمی خطوط

حضرت مفکر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے اس ناچیز کے نام کئی خطوط لکھے ہیں،جن میں علمی حقائق،تاریخی معلومات اورجدید کتب کی جانکاری سے متعلق قیمتی باتیں ذکرفرمائی ہیں،ان کانمونہ پیش خدمت ہے۔

عزیزم مولوی اقبال صاحب ٹنکاروی و دیگر احباب واساتذہ کرام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون... امید ہے کہ آپ سب بعافیت ہوں گے، بندہ محمد یوسف نجرامی کی کتاب کا مطالعہ کرر ہا تھا، اس کتاب کا نام ''العلاقة السياسية والثقافة بين الهند والخلافة العباسية'' ہے، دارالفکر، بیروت، لبنان سے طبع ہوئی ہے، اچھی دل چسپ کتاب ہے۔ص:۱۷۱ پر النشاط الثقافي في بغداد کے عنوان کے ماتحت یہ بات معلوم ہوئی کہ گندھار ضلع بھروچ کی لڑکیاں دارالخلافہ بغداد تک پہنچتی تھیں، جن میں بچوں کی تربیت کرنے والیاں بھی ہوتی تھیں اور گانے والیاں بھی، ان میں خمار ہندیہ بہت ہی مشہور گانے والی تھی، جو گندھار کی باشندہ تھی اور اس کو خدیجہ بنت ہارون بن عبداللہ الربیع کے دادا نے دو لاکھ درہم میں خریدا تھا، اصل عبارت یہ ہے:

''وخلال دراستنا للعصر العباسي نجد النشاط الثقافي للهنود بارزا في بغداد، وقدمت الى بغداد كثير من النساء الهنديات من السند وغجرات بجنوب الهند ورعشن في بلاط الخلفاء وامتلئت بهن الاسواق والندوات ودخلن بيوت العرب كسيدات ومربّيات الاطفال ومطربات وكانت من اشهر تلك الهنديات(خمار القندهارية) هذه حكايتها كما روتها خديجة بنت هارون بن عبد الله الربيع انها كانت من مدينة قندهار ، اشتراها جد خديجة بمائتى الف درهم''

یہ پڑھ کر مجھے یہ عنوان ذہن میں آیا: ''بھروچ کی حسینائیں بغداد کے شاہی محلات میں''

چوں کہ ایک تاریخی معلومات ہے، تحریر کردی جس سے بھروچ اور بغداد کے وسیع تعلقات کا پتہ چلتا ہے،'' وامتلئت بهن الاسواق والندوات'' بتلاتا ہے کہ کثیر تعداد میں یہاں کی عورتیں بغداد جاتی تھیں، اوراس طرح دارالخلافہ اور بھروچ کا مضبوط تعلق قائم ہوا، کاش کہ کوئی باہمت گجرات کی قدیم تاریخی کتابوں سے اس موضوع پر مواد جمع کرے، کیا گجرات کے کسی مؤرخ نے بھی اس پر روشنی ڈالی ہے؟ اس کے لئے گجرات کے تاریخ دانوں سے اربطہ کرنے کی ضرورت ہے۔

بھروچ شہر میں کوئی قدیم تاریخ ہے جو بھروچہ ہال میں تھی؛ تحقیق فرماویں۔

اس کے جواب میں تحقیق کے بعد یہ خط میں نے حضرت کے نام روانہ کیا تھا، اوراس کے بعد ایک کتاب ''عرب ممالک اور صوبۂ گجرات کے تعلقات'' نامی ۴۸۴ صفحات کی بھی لکھی ہے، جس پر حضرت مفکر

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ بھی ہے۔ بندہ نے حضرت کے استفسار پر خط میں ذکر کردہ تاریخی معلومات کے سلسلہ میں تحقیق کر کے اپنی معلومات کے مطابق مضمون لکھا تھا، وہ بھی پیش خدمت ہے:

بخدمت گرامی قدر مکرملت جناب حضرت الاستاذ مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! بندہ خیر وعافیت سے ہوتے ہوئے آپ محترم کی خیریت وعافیت کا بارگاہ رب العزت میں خواہاں ہے۔

ہندوستان سے ہزاروں میل کی دوری کے باوجود حضرت والا محترم ومکرم کے علمی وادبی، تاریخی اور تربیتی مضامین سے ہم طلاب مستفید ہوتے رہتے ہیں، حق تعالی شانہ آپ کے علمی، ادبی وتربیتی اس فیض کو ہم پر تاحیات مستعار جاری وساری فرمائیں اور آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ خوش وخرم رکھیں۔ آمین

دیگر عرض یہ کہ حضرت والا نے زیر مطالعہ کتاب" **العلاقة السياسية والثقافية بين الهند والخلافة العباسية**" کے گندھار والے مضمون کا ذکر فرمایا، اس سے خلافت عباسیہ کے ساتھ بھروچ کے مراسم قدیمہ کا پتہ چلتا ہے۔

آپ مکرم ومحترم نے گجرات کے مؤرخین کا تذکرہ فرمایا کہ اس سلسلہ میں وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ خاص کر کے بھروچ کی قدیم تاریخ، (بھروچہ ہال والے کتب خانے میں) تلاش کرنے کا ذکر فرمایا، تو بندہ بھروچ کے اس کتب خانے رائے چنڈ ڈپ چنڈ لائبریری میں تاریخ کی تمام کتابیں دیکھ کر آیا، بھروچ کی تاریخ کے حوالہ سے قابل اعتناء اور تاریخی مواد والی صرف دو چار کتابیں دستیاب ہوئیں؛ لیکن ان میں بھی ہمارے موضوع سے متعلق کوئی بات نہیں تھی، بھروچ کے بندر سے عرب ممالک جانے والے مال یا وہاں سے آنے والے سامان کا ہی صرف اجمالاً تذکرہ ہے، ثقافتی رشتہ کے متعلق کوئی تذکرہ نہیں ہے؛ بلکہ بھروچ اور گندھار کے سلسلہ کی باتیں مسلم مؤرخین (علامہ بلاذری اور ابن بطوطہ) کے حوالے سے ہی ذکر کی ہیں، ایک کتاب میں گندھار کی تاریخی معلومات ہے؛ لیکن وہ بھی جین مذہب کے مندروں سے متعلق ہے، ہال کی منتظمہ صاحبہ سے بھی اس سلسلے میں گفتگو ہوئی، انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا، البتہ دوسرے کتب خانوں اور اہل تاریخ سے اس سلسلہ میں دریافت کر کے معلومات فراہم کرنے اور ہر قسم کا علمی تعاون کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

بندہ نے بروڈہ ایم۔ ایس۔ کالج اور سورت کے جنوبی گجرات یونیورسٹی کے کتب خانے سے بھی ربط قائم کیا ہے، لیکن اب تک وہاں سے کوئی جواب نہیں ملا ہے، جواب ملنے پر ان شاء اللہ آپ محترم کو اطلاع دی جائے گی، دارالعلوم ماٹلی والا کے مکتبہ میں ایک کتاب العصر العباسی (دکتور شوقی ضیف) ہے، اس میں

اجمالاً مغنیاتِ ہندیہ کا تذکرہ ہے، اسی طرح کتاب الاغانی میں بھی اجمالاً تذکرہ ہے، البرامکہ نامی کتاب میں خاندان برامکہ کے زمانۂ عروج میں طب ومغنیات ہندیہ کا اجمالی تذکرہ ہے۔

قاضی اطہر مبارک پوری صاحب نے ''العقد الثمین'' میں لکھا ہے:

کانت جواری السند وامائها مشهورة فی القیام علی مصالح الاولاد واداء الواجبات فی تربیتها، وحسن خدماتها، ولذاکان النجباء والشرفاء من المسلمین یرغبون الی اتخاذ السندیات جواری وسراری.(۱)

اسی طرح (ص:۱۲۰) پر لکھا ہے:

وغزا عباد بن زیاد ثغر الهند من سجستان فأتی سناروذ ثم اخذ علی حوی کهز الی الروذبار من ارض سجستان الی الهند مند، فنزل کش (کچھ) و قطع المفازة حتی اتی القندهار فقاتل اهلها فهزمهم وفلهم وفتحها بعد ان اصیب رجال من المسلمین ورای قلانس اهلها طوالا فعمل علیها فسمیت العبادیة، وقال ابن المفرغ :

کم بالجروم وارض الهند من قدم ☆ ومن سرائنك قتلی لاهم قبروا
بقندهار، ومن یکتب منیته ☆ بقندهار یرجم دونه الخبر (۲)

(قال القاضی) کش ویقال لها قصة ایضا بین السند والکجرات، وهی کچھ. قال الحموی: کش مدینة بارض السند، و ایضا کش او کس مدینة تقارب سمرقند وقریة من جرجان، واما القندهار کما قال الحموی: مدینة من بلاد السند والهند مشهورة فی الفتوح . وقال فی ظفر الواله: قندهار بندر صغیر علی خور کنبایت ، وهی الیوم تدعی بگندهارا من توابع بهروچ ، واما کابل وقندهار فلیس مراد ههنا. (۳)

اسی طرح قاضی رشید بن زبیر کے حوالے سے ''ہندوستان عربوں کی نظر میں'' (حصہ اول:ص/۱۱۵) بھی گندھار کا تذکرہ ہے، خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں ۱۵۱ھ کو ہشام بن عمرو تغلبی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور سندھ کو عبور کر کے قندھار (گندھار ضلع بھروچ، گجرات) پر حملہ کیا تو یہاں اس نے لوہے کا ایک موٹا سا ستون پایا جو ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ہاتھ لمبا تھا، ہشام نے مقامی لوگوں سے اس بارے میں دریافت کیا تو

(۱) ص:۳۰ (۲) فتوح البلدان: ص/۴۲۲ (۳) ص:۱۲۱

انہوں نے بتایا کہ یہ اہل فارس کی اس زمانے کی تلواریں ہیں جب انہوں نے تبع حمیری کے ساتھ حملہ کرکے ہمارا یہ ملک فتح کیا۔ قندھار کے فتح کرنے کے بعد انہوں نے اپنی تلواریں اکھٹا کرکے توڑ ڈالیں، انہیں ٹوٹی ہوئی تلواروں سے یہ ستون بنایا گیا، اہل یمن کا خیال ہے کہ تبع نے اس موقع پر یہ شعر کہا تھا۔

ولو نعرت بقندهار نعرة ☆ خرت صوامعها وكل عمود (۱)

فتوح البلدان (ص:۴۳۱) پر لکھا ہے:

واتى القندهار فى السفن ففتحها وهدم البُدَّ وبنى موضعه مسجدا ، فاخصبت البلاد فى ولايته وتبركوا به ودوخ الثغر وحكم اموره . (۲)

گندھار ہمیشہ سندھ کے تابع رہا۔ (۳)

حضرت مفکر ملت نے اس خط کے جواب میں پھر حوصلہ افزا جواب لکھتے ہوئے فرمایا:

عزیزم مولوی اقبال احمد صاحب ٹنکاروی فلاحی زادکم اللہ فضلا وعلماً و دیگر ارباب ذوق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنونہ! کافی انتظار کے بعد آپ کا مفصل محبت نامہ موصول ہوا، آپ نے تاریخی معلومات کے لئے جو محنت فرمائی اس سے دل بہت خوش ہوا، ہم طالب علموں کا کام جستجو میں لگا رہنا ہے، بغیر محنت اور بغیر طلب کے علم میں اضافہ مشکل ہے، اللہ تعالی آپ سب کو علمی کاموں کے لئے مزید ہمت اور توفیق عطا فرماویں۔ آمین

اس عریضہ کے ساتھ رزین بن معاویہ العبدریؒ کے بارے میں کچھ معلومات ارسال کرتا ہوں۔ اس لئے کہ صاحب مشکوۃ شریف نے بعض روایتوں کو ان سے نقل فرمایا ہے، اور **رواه رزين** کہہ کر خاموش ہوگئے ہیں، بندہ نے جس سال مشکوۃ شریف پڑھائی تھی اس وقت ان کے بارے میں جستجو کی تھی، مگر تفصیلات نہ مل سکی تھی، سوائے نام کے، اس کو حاشیہ پر نقل کردیا تھا، **هو رزين بن معاوية العبدرى**؛ مگر ابھی علامہ شوکانیؒ کی **الفوائد المجموعة فى الاحاديث الموضوعة** کا مطالعہ کررہا تھا، جس پر عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی کی تعلیقات ہیں اور الازہر کے **كلية الشريعه** کے استاذ عبدالوہاب عبداللطیفؒ نے اس کی تصحیح کی نگرانی فرمائی ہے۔ رزین کے بارے میں تھوڑی نئی باتیں سامنے آئیں؛ وہ مشکوۃ شریف کے اساتذہ کے کام کی ہے۔ ترکیسر، ہانسوٹ، کنتھاریہ، جمبوسر کے اساتذہ کو مطلع فرمائیں اور

(۱) ص:۱۱۶ (۲) ص:۴۳۱ (۳) تاریخ سندھ: ص:۱۵۵-۱۵۸

اگر ان کے پاس مزید معلومات ہوں تو بندہ کو مطلع فرما کر احسان فرمائیں، میرے جیسے طالب علم کیلئے آپ کا تعاون مفید ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ

حضرت مفکر ملت نے اس کے بعد ایک طویل مضمون علامہ رزین کے متعلق تحریر فرمایا ہے، جس کو طوالت کے خوف سے چھوڑ رہا ہوں۔

بندہ کی تصنیفات پر آپ کی حوصلہ افزائی

دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا بھروچ سے اردو، عربی اور گجراتی میں شائع ہونے والی جتنی بھی کتابوں پر تقریظ تحریر کرنے کے لئے آپ کو زحمت دی گئی، آپ نے پیرانہ سالی اور بیماری و مرض کا خیال کئے بغیر ہر مرتبہ تقریظ کے علاوہ حوصلہ افزا کلمات بھی تحریر فرمائے ؛ بلکہ یہاں کی شائع شدہ کتابیں ملک و بیرون ملک اہل علم کی خدمت میں بھی پہنچانے کا آپ التزام فرماتے تھے۔

جمع کتب کا اہتمام

مسلمانوں کے علمی عروج کے دور میں مسلمان ملکوں میں جگہ جگہ کتب خانے قائم ہوئے، جن میں کتابوں کی بڑی تعداد ہوتی تھی، یہ کتب خانے حکومتی سطح کے بھی ہوتے تھے اور ذاتی سطح کے بھی، اس ملک میں بھی ہمارے اسلاف کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق کتابیں جمع کرتے تھے، گجرات جیسے صوبہ میں جہاں مطالعہ و تحقیق کا ذوق کم ہے؛ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے معیاری کتابیں جمع کی ہے، بلکہ کتب خانہ قائم کرتے ہوئے اس کے دروازے ہمیشہ علماء و محققین کے لئے کھلے رکھے ہیں۔

آپ کے کتب خانے میں ہر فن کی معیاری کتابیں جمع کی گئی ہے، جس سے آپ کا اعلی ذوق اور علمی حرص وطلب جھلکتی ہے، بندہ کی رائے یہ ہے کہ شاید گجرات میں کسی کے پاس کما و کیفا اتنا بڑا ذاتی و شخصی کتب خانہ نہیں ہوگا۔ اگر ہم بھی ان اسلاف کا سا شوق و ذوق پیدا کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ ہمیں بھی بیدار مغزی کے ساتھ پیچھے مڑ کر اپنے اسلاف اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا آئینہ دیکھنا ہوگا۔

اوصاف حمیدہ

یہ مضمون لکھ رہا تھا کہ استاذ محترم حضرت مولانا قاسم صاحب آنتی دامت برکاتہم تشریف لائے، حضرت سے اس کا تذکرہ کیا اور دریافت کیا کہ آپ کا حضرت مولانا سے بہت پرانا تعلق ہے تو آپ حضرت مفکر ملت کے سلسلے میں اپنا تجربہ بیان فرمائیں۔

حضرت مولانا قاسم صاحب نے فرمایا کہ میرا مفکر ملت کے ساتھ ۱۹۵۵ء سے تعلق ہے، میں نے ان میں جو خوبیاں دیکھی وہ دوسروں میں بہت کم دیکھی ہے۔

(۱) ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں تعصب (علاقائی، اداری، قومی، مسلکی یا مشربی) بالکل نہیں ہے، ان کا دل مخلص ہے، (**لیس فی قلبك غش لاحد** کا مصداق ہے)

(۲) کسی بھی چھوٹے کو بڑا بنانا، چاہے وہ آپ کے برابر ہوجائے یا آپ سے بڑھ جائے، اس کی ان کو فکر ہوتی ہے، یہ بہت جگر گردہ کی بات ہے، آج کل تو استاذ ہی نہیں چاہتا ہے کہ شاگرد ان سے بڑھ جاوے۔

(۳) غیبت آپ کو بالکل پسند نہیں ہے، کسی سے رائے کے اختلاف کی بنیاد پر عداوت بالکل نہیں رکھتے ہیں، کسی کی کوئی بات پسند نہ ہوتو زیادہ سے زیادہ صرف اتنا فرمادیتے ہیں کہ یہ بھی ایک رائے ہے۔

(۴) آپ کے معاشی حالات ابتداء میں اچھے نہیں تھے، پھر بھی مہمان نوازی میں کبھی کمی نہیں کرتے تھے، عشاء کے بعد طلبہ کو مسجد میں یا دارالاقامہ میں بھیجتے تھے کہ کوئی مہمان ہوتو گھر پرلے آؤ۔

(۵) کسی سے ملتے ہیں تو اس کی اچھائیاں ہی مدنظر رکھتے ہیں، اس کی برائیاں جانتے ہوئے بھی ذکر نہیں کرتے ہیں۔

یہ حضرت کی زندگی کے چند منتشر اوراق ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو حضرت دامت برکاتہم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

❁……❁……❁

ملت کا ایک عظیم مفکر

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی ❖

عالمی شہرت یافتہ عالم اور مشہور تعلیمی وتربیتی ادارہ دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات کے شیخ الجامعہ حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کا آج طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا، اس حادثے کی خبر سنتے ہی ملک بھر کے اہل علم وفکر کے حلقے میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ان کی وفات کی خبر ملتے ہی راقم الحروف نے اپنے قلبی دکھ کا اظہار کرتے ہوئے مولانا کے پسماندگان سے رابطہ کرکے اظہار تعزیت کیا اور صبر واستقامت کی تلقین کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا کاپودرویؒ موجودہ وقت میں اس ملک کے مقبول ومعتبر اور بالغ نظر عالم دین تھے، ایک طویل عرصے تک وہ گجرات کے مرکزی ادارہ دار العلوم فلاح دارین ترکیسر کے سربراہ رہے اور ملک وبیرون ملک میں ان کے ہزاروں شاگرد پھیلے ہوئے ہیں جو مختلف شعبوں میں دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مولانا کاپودرویؒ علماء ودانشوران کے حلقے میں نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور انہوں نے ملک کے مختلف نمائندہ تعلیمی اداروں اور رفاہی وفلاحی تنظیموں کے باہمی اختلافات کو دور کرنے میں بھی نمایاں اور اہم رول ادا کیا۔ ان کی شخصیت مسلمانوں کے لئے ایک نعمت سے کم نہیں تھی، ان کا انتقال یقیناً تمام مسلمانوں کا عظیم خسارہ ہے۔ مولانا مرحوم ومغفور کے مجھ سے ذاتی تعلقات تھے اور مختلف ملی وملکی مسائل ومعاملات پر ان سے مشورہ اور تبادلۂ خیال کا موقع ملتا رہتا تھا، جس سے مجھے تقویت ملتی تھی، میں جب بھی گجرات جاتا تو ان سے ملاقات وزیارت کی سعادت حاصل کرتا تھا، بارہا ان کے ساتھ سفر بھی ہوا، ان کی گفتگو میں علمیت اور مسلمانوں کے تئیں فکرمندی کے جذبات پائے جاتے تھے، مولانا مرحوم قومی وعالمی حالات پر گہری نظر رکھتے اور مسلمانوں کے تعلق سے ہمیشہ فکرمند رہتے تھے۔ اخلاقی اعتبار سے بھی وہ ایک عظیم انسان تھے اور ہمیشہ خلوص وہمدردی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ انہوں نے مجھے قومی سیاست میں حصہ لینے کی تلقین کرتے ہوئے کئی بار کہا کہ موجودہ حالات میں آپ

❖ ممبر آف پارلیمنٹ انڈیا وصدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن

کا سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے اور یہ بھی عبادت کی طرح ہے۔ ہندوستان کے بیشتر بڑے تعلیمی، ملی و رفاہی اداروں کو ان کی توجہات حاصل تھیں اور وہ ہر ادارے کی رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مرحوم کی ایک خاص عادت یہ بھی تھی کہ وہ نوجوان اور نئے فضلا کی حوصلہ افزائی کرتے اور مفید علمی و دینی خدمات کی طرف ان کی رہنمائی کرنے میں غیر معمولی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے تھے، خاص طور پر دیہاتوں میں تعلیمی ادارہ چلانے والے علماء کا ہر ممکن تعاون فرماتے تھے۔ گجرات اور ہندوستان و بیرون ہند مدارس و مکاتب کا جال پھیلانے اور دینی تعلیم کا دائرہ وسیع کرنے میں انہوں نے غیر معمولی کردار ادا کیا، جس کا یقیناً انھیں بے پناہ اجر ملے گا۔ (ان شاء اللہ)

موجودہ قحط الرجال کے زمانے میں ان کی شخصیت مسلمانوں کے لیے نہایت قیمتی تھی اور ان کی وفات ایک عظیم سانحہ سے کم نہیں ہے، ان کی وفات سے امت مسلمہ ایک قد آور و نمونۂ اسلاف علمی شخصیت اور مختلف محاذ پر مسلمانوں کی بروقت رہنمائی کرنے والے مخلص قائد سے محروم ہوگئی ہے۔ مولانا کاپودرویؒ بلاشبہ عارف باللہ، ولیِ کامل اور اپنی ذات میں انجمن تھے اور تمام عوام وخواص میں محبوبیت اور عزت وعظمت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اللہ تعالیٰ انھیں آخرت میں ہر طرح کی عزت وعظمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین

سرزمین ہند علم وعمل اور اعلی اخلاق کی حامل شخصیات سے دن بدن خالی ہوتی جارہی ہے، جو ہمارے لیے یقیناً افسوس اور دلی تکلیف کا سبب ہے۔ بلاشبہ مولانا مرحوم ایک جلیل القدر عالم، عالی دماغ مفکر، خدا کا خوف رکھنے والے بزرگ اور رجال ساز صلاحیتوں کے مالک معلم ومربی تھے، ان کی تواضع، سادگی، علم دوستی، معاملہ فہمی، خوردنوازی اور بے جا تکلفات وتصنعات سے گریز کی وجہ سے ان سے جو ملتا، پہلی بار میں ہی ان کا گرویدہ ہوجاتا تھا اور ان کے حسن اخلاق ومشفقانہ برتاؤ کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ ان سے ملنے والا امیر ہو یا غریب سب کے ساتھ ملنساری اور محبت سے پیش آتے تھے۔

انتقال کے وقت مولانا کاپودرویؒ کی عمر پچاسی سال تھی، انہوں نے ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فضیلت مکمل کیا، مختلف موضوعات پر ان کی ایک درجن سے زائد کتابیں ہیں، دنیا کے مختلف ملکوں کے سیکڑوں علمی ودعوتی اسفار کیے اور ان کے ہزاروں شاگرد مختلف ملکوں میں دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ حضرت کے پسماندگان میں پانچ بیٹی اور سات بیٹیاں ہیں۔

❁……❁……❁

عالمِ بے بدل، نامور شخصیت

حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر ❖

جب کسی کی موت کی اطلاع یا دنیا سے کسی کے گزرنے کی خبر ملتی ہے تو اکثر یہ ہوتا ہے کہ میرے ذہن میں حضرت امام غزالیؒ کا یہ قول تازہ ہوجاتا ہے کہ ''انسان اَزلی تو نہیں اَبدی ضرور ہے، جب ایک بار وجود میں آ گیا تو مٹے گا نہیں'' دنیا سے انسان کا جانا تو طے ہے، قبر میں پہنچے گا اس کی ہڈیاں گل سڑ جائیں گی، اس کی کھال ریزہ ریزہ ہوجائے گی، اس کے بال بکھر جائیں گے، خاکی انسان خاک میں مل کر خاک ہوجائے گا۔ لیکن اس کا سفرِ زندگی جاری رہے گا حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب نور اللہ مرقدہ نے ایک موقع پر فرمایا:

> ''انسان مسلسل سفر میں ہے، عالمِ بطن سے عالمِ دنیا میں آیا، عالمِ دنیا سے چلا تو عالمِ قبر میں پہنچ گیا، عالمِ قبر سے عالمِ برزخ میں ٹھکانا بنایا، عالمِ برزخ سے کوچ کیا تو عالمِ آخرت میں جا پہنچا، عالمِ آخرت سے رحلت کی تو عالمِ جنت میں قدم رکھا اور پھر جنت میں روز عالم تبدیل ہوں گے''۔

اسی بات کو شاعر نے بھی ادا کیا ہے اور کہا ہے ؎

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قیدِ حیات ☆ فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

زندگی ختم ہونی ہے یہ ختم ہونے کے لیے ہی وجود میں آئی ہے جس کی جتنی عمر ہے اس دنیا میں گزارے گا یہاں سے دوسرے عالم کی طرف ضرور جائے گا، اس جانے کا وقت بھی متعین ہے کسی کے علم میں نہیں اس کی سانسوں کا سلسلہ کب ٹوٹے گا، بے شمار لوگ ہماری نگاہوں کے سامنے اس دنیا سے سفر کر گئے، سب کے جانے کا افسوس ہے اور سب کے غم کو ہم نے محسوس کیا ان کا جانا ایک نقصان ثابت ہوا ان کی جدائی کا دل درد محسوس کرتا ہے اور کبھی ان کی یادیں بھی بہت ستاتی ہیں، ان لوگوں میں وہ لوگ رخصت ہونے کا زیادہ احساس دلاتے ہیں جنھیں اللہ نے علم و عمل کی دولت سے محروم نہیں رکھا اس لیے کہ ان کا وجود صرف ان کے لیے نہیں ایک عالَم کے لیے رحمت کا سبب تھا، ان کے علم سے زمانہ فائدہ اٹھا رہا تھا اور طالبانِ علم ان سے علم

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

کی پیاس بجھا رہے تھے۔ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوتا ہے وہ بھرتا نہیں، گذشتہ چند سال میں تو اتنے اصحابِ علم نظروں سے اوجھل ہو گئے کہ ہم نے اپنی زندگی میں چند ہی سالوں میں اتنے علمی نقصانات ہوتے نہیں دیکھے، گذشتہ ۱۰/ سال کا جائزہ بتاتا ہے کہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودیؒ، نامور عالم حضرت مولانا خورشید عالم دیوبندیؒ، حضرت مولانا عبدالحق اعظمی شیخ ثانیؒ، رئیس المحدثین حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ، حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ، حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب رائے پوریؒ، متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمیؒ، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ وغیرہ کی جدائی بڑے نقصان کی صورت میں سامنے آئی وہ جو کہا گیا ہے کہ علم اٹھے گا اس کی صورت یہی ہے کہ اہلِ علم اس دنیا سے چلے جائیں گے، ایک نیا حادثۂ وفات حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ کی صورت میں سامنے آیا یہ حادثہ ایسا تھا کہ علمی دنیا نے اس کو شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ حضرت مولانا کی علمی شخصیت اور جدوجہد سے بھری ہوئی زندگی ایک مثال تھی، یہ مثال ہمارے سامنے سے اٹھ گئی محرومیوں کے سائے لمبے ہو گئے۔

بہت سال پہلے کی بات ہے رمضان کا مبارک مہینہ سردیوں میں آتا تھا، نومبر کے مہینے میں اس سال رمضان تھا کہ ایک دن میرے پاس دارالعلوم کے ایک طالب علم خط لے کر آئے جو حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم تاراپور کا تھا حضرت نے حکم دیا تھا کہ میں اس سال رمضان آنند (گجرات) میں گزاروں اور وہاں کی مرکزی جامع مسجد میں بعد ظہر اور بعد عشاء بیان کا سلسلہ قائم کروں، مولانا کے حکم اور ان کے صاحبزادگان مولانا لقمان قاسمی تاراپوری فاضل دارالعلوم وقف اور مولانا رضوان قاسمی فاضل دارالعلوم دیوبند کی خواہش پر میں آنند پہنچ گیا اور رمضان کے دوعشرے آنند میں گزارے یہ میرا پہلا سفرِ گجرات تھا اس کے بعد جمبوسر، سورت، برودرہ، ڈابھیل، سملک، کفلیتہ، لاجپور جانا ہوا، گجرات کے جن اہلِ علم کا تذکرہ رہا ان میں حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ کا نام زیادہ آتا تھا اور ان کے متعلق بڑے وقیع تبصرے ہوتے تھے آہستہ آہستہ مولانا کی شخصیت سے آگہی ہوئی، مولانا عبدالاحد صاحبؒ تاراپوری شیخ الحدیث کی عنایت اور مہربانی سے ان ہی کی سرپرستی میں نکلنے والا اردو ماہنامہ ''صوت القرآن'' میرے نام جاری ہوا جو پابندی کے ساتھ مجھ تک پہنچتا ہے۔ اس میں تسلسل کے ساتھ تو نہیں کبھی کبھی حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ کی تحریریں شامل ہوتیں اور کسی وقت ان کی علمی سرگرمیوں کی خبر بھی پڑھنے میں آتی یوں مولانا کی زندگی کا یہ گوشہ کھلنے لگا اور یہ بات یقین کی صورت اختیار کر گئی کہ حضرت مولانا بلند علمی شخصیت کے مالک ہیں اور گجرات کے اہل علم کے یہاں ہی نہیں بلکہ تمام علمی حلقوں میں ان کی بڑی قدردانی اور اعتماد ہے۔

پھر یہ ہوا کہ حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ کا نام مجلسِ مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند کے مؤقر رکن

کی صورت میں تجویز ہوااس سلسلے میں حضرت مولانا دیوبندتشریف لائے ،تو ان کی زیارت سے بھی مشرف ہونے کا موقع ملا اور صرف زیارت ہی نہیں بلکہ ایک سفر میں دارالعلوم وقف دیوبند کے دارالحدیث میں ان کا بیان ہوا مولانا کا بیان کیا تھا علم کی ایک جوئے رواں تھی جو مخصوص انداز میں جاری تھی،مولانا کا نورانی چہرہ،ٹھہرا ہوا لہجہ، وقیع معلومات، خالص علمی بیان،طلبہ ہی نہیں اساتذہ بھی مبہوت سے رہے، لگ بھگ ایک گھنٹہ مولانا نے بیان فرمایا ان کے بیان میں کشش تھی، جاذبیت تھی،حسن تھا،خوبصورتی تھی اور بات ادا کرنے کا ان کا اپنا سلیقہ تھا،تقریر کے بنیادی نکات پر حضرت مرحوم بخوبی واقف تھے ایسا نہیں معلوم ہوا کہ وہ اس فن سے ناآشنا ہیں بلکہ پختگی اور بیان کی چاشنی بتاتی تھی کہ حضرت مولانا اس میدان میں بھی انفرادیت رکھتے ہیں۔علمی مہمات سر کرنے والے حضرات اور تحقیق سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں سے انھیں بڑا تعلق تھا اور ایسے کام کرنے والوں کی بڑی حوصلہ افزائی اور مسرت کا اظہار فرمایا کرتے تھے، بلاشبہ علم کے اثرات انسان کی زندگی میں نظر آتے ہیں، جن اہلِ علم کو دیکھنے کی توفیق نصیب ہوئی اور جن اصحابِ علم کے یہاں باریابی سے مشرف ہوئے ان سب کے یہاں یہ بات مشترکہ طور پر دیکھی کہ ان پر علم کا غلبہ ہے اور ان کے صبح وشام رات اور دن کے معمولات سے بھی علم کی جھلکیاں دکھائی دیتی تھیں حضرت مولانا کاپودروی صاحبؒ کو اللہ نے علم کی دولت عطا فرمائی تھی اس لیے ان کی زندگی کے جتنے گوشوں کو بھی تھوڑے وقت میں ہمیں دیکھنے کا موقع ملا وہاں بھی علم کی حکمرانی ہی نظر آئی۔اللہ نے انھیں بڑی وجیہ شخصیت دی تھی ان کی نشست وبرخاست اور اٹھنے بیٹھنے سے بھی اس کا اظہار ہوتا تھا،سنجیدگی تھی،متانت تھی،اہل علم کی قدر تھی، گفتگو میں نظافت اور بات کی ادائیگی بڑے خوبصورت طور پر ہوتی تھی، اللہ کا فضل یہ ہے کہ گجرات کے مسلمانوں کو اس نے دیگر بہت سی نیک خصوصیات کے ساتھ مالی فراوانی سے محروم نہیں رکھا اور یہ حضرات اہلِ علم سے تعلق اور قدر دانی کو بڑی سعادت تصور کرتے ہیں حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ گجرات کے عظیم فرزند تھے اس لیے انھیں سہولتیں حاصل تھیں انھوں نے ان سہولتوں کا بڑا موزوں ،منتخب اور بہترین استعمال کیا۔خود علمی کاموں میں مصروف رہتے تھے دوسروں کی حوصلہ افزائی میں بخل نہیں کرتے تھے اور جہاں تک میری معلومات ہیں ایسے حضرات کی مالی اعانت بھی کیا کرتے تھے۔اللہ ان کی اس خدمت کو اپنی رحمتوں کی شکل عطا فرمائے۔حضرت مولانا کے چلے جانے سے پھر اور ایک علمی نقصان سے ہم دوچار ہوئے ہیں یہ نقصان بھی ان ہی نقصانات کی طرح ہے جس کی تلافی نہیں ہوسکے گی۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کاملہ فرما کر بلند درجات سے نوازے اور اپنی رحمتوں سے سرفراز فرمائے۔آمین

❁......❁......❁

یوں جائیں گے دنیا سے کبھی آ نہ سکیں گے

مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی ❖

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحبت و تربیت یافتہ جلیل القدر صحابی رسول حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ جو کہ اپنے دور کے انتہائی شقی وظالم فرماں روا حجاج بن یوسف کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ان کی شہادت کے موقع پر حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ جیسی شخصیات نے اپنے غم و الم اور تأثر کا اظہار کم وبیش ایک ہی قسم کے الفاظ میں کیا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ سعید ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ایک ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ اس دنیا میں بہت سے اہل علم ان کے علوم و معارف اور تربیت عمل کے چشمۂ معانی سے حصول فیض کے ضرورت منداور محتاج تھے۔

حضرت مفکر ملت، رئیس العلماء حضرت مولانا عبداللہ اسماعیل صاحب کاپودروی قدس سرہ کے سانحۂ ارتحال پر مذکورہ تأثراتی اقتباس صرف تنہا میرے قلب و ذہن اور فکر و نظر کا عکاس وغماز نہیں ہے بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرتؒ سے عقیدت ومحبت، انسیت اور علمی بنیادوں پر ارادت مندی کا مضبوط تعلق رکھنے والے ہزاروں لوگوں کے دل کی ترجمانی کے لئے یہ ایک تأثراتی جملہ ہی کافی ہے، وسیع تر پیمانے پر اہل علم وعمل سے لے کر عوام الناس تک کے قلوب میں کسی کے لیے محبت وگرویدگی کے جذبات کا موجزن ہونا دراصل بارگاہ رب العزت میں مقام عزت وعظمت پالینے کا اس دنیا میں تکوینی اعتبار سے اعلان و اشتہار ہے، عندالناس مقبولیت کے پیرائے میں عنداللہ قبولیت کا یہ اعلان واظہار دراصل مابعد کے لوگوں کے لیے نقوش راہ حیات کا مترادف ہے اور حضرت مفکر ملتؒ کی راہ حیات کے نمایاں ترین سنگ ہائے میل، تعمق علم، گہرائی وگیرائی، فکر ونظر کی وسعت، علم وعمل میں قابل رشک توازن کا استمرار، شفقت ومحبت، شیریں بیانی، تحمل و برداشت، خوداعتمادی اور جذب دروں جیسی صفات عالیہ سے عبارت ہے اور اپنے اس علمی واسلامی وتہذیبی ورثہ پر عاجزانہ ومتواضعانہ طور پر نہ صرف حضرت کو خود فخر تھا؛ بلکہ دوسروں میں بھی یہ فاخرانہ جذبات بیدار کرنے کے لئے کوشاں وسرگرداں تھے، راقم اس امر کو حرماں نصیبی سے ہی تعبیر کرتا ہے

❖ ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی واستاذ دارالعلوم وقف دیوبند

کہ حضرت کی حیات میں علم وعمل کے اس چشمۂ صافی سے قرار واقعی فیض حاصل نہ کرسکا تاہم حضرتؒ کی ذات سے جس قدر انسیت ومحبت کا تعلق قائم تھا اور اُدھر سے جس قدر بزرگانہ شفقتوں کی نوازشات تھیں وہ بجائے خود میرے لئے زندگی کا ایک بیش بہا سرمایہ ہے، اس دوطرفہ انسیت، محبت ونسبت اور بزرگانہ اظہارِ شفقت کے یوں تو کئی واقعات ذہن میں محفوظ ہیں؛ لیکن بالخاص حضرتؒ سے آخری ملاقات دل و دماغ پر ہمیشہ نقش رہے گی۔

اہل مدارس اس حقیقت واقعہ سے بخوبی واقف ہیں کہ ماہ شوال اپنے جلو میں مصروفیات کا ایک ہنگام بلا خیز لے کر آتا ہے، قلت وقت اور کثرت امور بقول شخصے کہ سر اٹھا کر کسی دوسری طرف دیکھنے تک کی فرصت نہیں دیتے ہیں؛ لیکن اسی وقت ہنگام میں ایک روز اچانک حضرتؒ کی بزرگانہ توجہات کے زیر اثر اچانک قلب میں داعیہ پیدا ہوا کہ مجھے اولین فرصت میں حضرتؒ کی زیارت وعیادت کے لیے جانا چاہئے اس خیال کی شدت نے یہ بھی سوچنے کی فرصت نہ دی کہ چوطرفہ ہجوم کار کی ذمہ داریوں کو موقوف کیسے کروں گا اور اس ہجوم کار پر ایک دن کے لئے بند کیسے باندھوں گا بس اس خیال کا آنا تھا کہ رفیق کار مولانا شمشاد احمد صاحب کو ساتھ لیا اور روانہ ہوگیا، ٹکٹ بھی دیوبند دہلی کے راستے میں ہی بنایا، یہ حضرتؒ کی وفات سے ٹھیک ایک عشرہ قبل ۲؍جولائی ۲۰۱۸ء کا وقت ہے اور وہ نوساری، گجرات کے ایک ہسپتال کے انتہائی نگہداشت والے یونٹ آئی سی یو میں داخل ہیں، بار بار غفلت وغنودگی کا طاری ہونا معالجین کے لئے تشویش کا باعث بنا ہوا ہے؛ لیکن اس صورت حال میں بھی ذہنی استحضار قابل رشک ہے میری آمد کی اطلاع ملنے پر ضیافۃ الضیوف جو کہ حضرت کا امتیازی وصف خاص تھا، اسی کے زیر اثر پروگرام کی تفصیلی معلومات صاحبزادۂ مکرم جناب حضرت مولانا اسماعیل صاحب سے حاصل کرتے ہوئے سورت ایئر پورٹ سے نوساری آمد و رفت اور خورد ونوش کے تعلق سے ہدایات دیتے ہوئے اطمینان حاصل کیا اور جیسے ہی راقم السطور ہسپتال پہونچا فوراً طلب فرمالیا، مرض کی شدت اور تکلیف کے باوجود بزرگانہ شفقت اور محبت دل موہ لینے والی دلآویز مسکراہٹ چہرے بشرے سے عیاں تھی، حقیقت واقعہ یہ ہے اس وقت حضرتؒ کے چہرے کی نورانیت ایک ناقابل بیان اور نہایت خوشگوار سی تاثیر دل میں پیدکررہی تھی جس کو صرف اور صرف فیض باطنی کے اثرات سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے، خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد دارالعلوم وقف دیوبند سے والہانہ تعلق وانسیت کے زیر اثر ادارے کے تفصیلی احوال، علمی وتعلیمی سرگرمیاں وپیش رفت اور مستقبل کے عزائم، انتظامی وتعمیراتی ترقیات کے بارے میں استفسارات فرماتے رہے اور بالخاص دارالقرآن کے تعلق سے جزئی جزئی معلومات حاصل کیں دارالقرآن کی پرشکوہ عمارت حضرتؒ کی خصوصی

دلچسپی، توجہات اور شبانہ روز سحر آگیں مستجاب دعوات صالحہ کے ہی نتیجے میں بفضل حق جل مجدہ منصۂ شہود پر آئی ہے، مرض کی شدت اور تکلیف کے پیش نظر میں گفتگو میں اختصار سے کام لے رہا تھا؛ لیکن حضرتؒ ایک ایک چیز کے بارے میں تفصیلی معلومات چاہ رہے تھے، وحدۃ الامہ، ندائے دارالعلوم، وائس آف دارالعلوم کے بلند پایہ مضامین اور حجۃ الاسلام اکیڈمی سے اکابر واسلاف اور خاص طور پر بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہٗ کی تصانیف اور تحقیقی کاموں پر اپنی رائے اور پسندیدگی کے اظہار کے ساتھ اپنے مقام عظمت سے وقیع تر حوصلہ افزا کلمات یقیناً میرے لئے تاریخی اہمیت کی حامل سند کی حیثیت رکھتے ہیں، غفلت طاری ہوجانے کے سبب درمیان میں گفتگو کا تسلسل منقطع ہوجانے کے بعد بیدار ہونے پر وہیں سے سوال فرماتے جہاں سے گفتگو منقطع ہوئی تھی، اس صورتحال میں حضرتؒ کا یہ ذہنی استحضار میرے لیے حیران کن اور ششدر کردینے والا تھا، اسی ذہنی استحضار کے تعلق سے حضرتؒ کے فرزندار جمند محترم ومکرم جناب حضرت مولانا اسماعیل صاحب کاپودروی نے بتایا کہ اسی صورت حال میں جامعہ فلاح دارین ترکیسر کا سال رواں کے لیے مرتب کیے جانے والے نقشۂ اسباق طلب فرمایا اور اس کو بالتفصیل سن کر نشان دہی فرمائی کہ فلاں استاذ پر اسباق کا زیادہ بوجھ آگیا ہے، فلاں کے گھنٹے خالی ہیں اس میں تھوڑے ردوبدل کی ضرورت ہے، غرض کہ اخیر وقت تک یہ ذہنی استحضار دراصل مدۃ العمر باعلم وعمل قال اللہ قال الرسول اور ہمہ وقت علمی ودینی مشاغل کی معنوی برکات کے نتائج وثمرات ہیں جس میں مابعد کے اہل علم حضرات کے لیے صلاح وفلاح اور دنیوی واخروی کامیابی وکامرانی کے سربستہ رموز پنہاں ومضمر ہیں۔

علمی مشاغل علمی مجالس علمی گفتگو حضرتؒ کی زندگی کا گویا ہدف، مقصد اور محور رہے ہیں، مجھے یاد ہے جب حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند سے جد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی سوانح حیات عکس احمد شائع ہوئی تو نہ صرف یہ کہ حضرتؒ نے بے انتہا خوشی و مسرت کا اظہار ہی فرمایا؛ بلکہ ایک معتد بہ تعداد میں باصرار اپنی جیب خاص سے ''عکس احمد'' طلب فرماکر اہل علم حضرات کو یہ کہہ کر مفت تقسیم فرمائی کہ اس وقیع تر سوانح کو پڑھ کر میں اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ اہل مدارس کے لیے اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ نہایت ضروری اور لازمی ہے، اہل مدارس کو مطالعہ کی ترغیب وتاکید گویا زندگی کے اہداف کا ہی ایک حصہ تھا یہی وجہ تھی کہ برموقعہ ومحل صرف آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے ہی حوالے زباں زد نہیں رہتے تھے؛ بلکہ مطالعہ شدہ کتابوں کے بسا اوقات بڑے بڑے اقتباسات بھی بیان فرمادیا کرتے تھے، یہ حفظ وضبط کی خداداد صلاحیت واستعداد بالالتزام مطالعہ کی برکات کا ہی

عنوان تھی، دوسال قبل جبکہ مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند کے اجلاس میں شرکت کے حوالے سے دو روز دیوبند میں راقم الحروف کواپنے مکان کے اپنے کمرے میں حضرتؒ کے قیام کی سعادت حاصل تھی اس وقت ایک موقع پر سلسلۂ گفتگو کے دوران فرمایا کہ میں آپ کوآپ کے ہی جد محترم حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا ایک اقتباس جوکہ میں نے کسی وقت حضرت کی تقریر میں سنا تھا،اوراس کو ذہن میں محفوظ کرلیا تھا،اوراس کواکثر مجالس میں بیان بھی کرتا ہوں،اس نصیحت کے ساتھ سنا رہا ہوں کہ اس کو ہمیشہ ذہن میں محفوظ رکھنا حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا کہ:''دنیا میں محض قابلیت سے کام نہیں چلتا بلکہ قبولیت سے چلتا ہے اگر سرے سے قابلیت کے پیچھے لگ جائیں اور قبولیت کے اسباب ترک کردیں تو دنیا میں کبھی نتیجہ خیز کام نہیں کرسکیں گے، قابلیت زیادہ سے زیادہ کتاب دیکھنے سے آجائے گی؛ لیکن قبولیت اخلاق واعمال کی اصلاح، توجہ الی اللہ اورانابت الی اللہ سے ہی پیدا ہوتی ہے اور مقبول بن کر آدمی جوبھی کام کرے گا وہ مقبول ہوگا، جونقل وحرکت کرے گا وہ مقبول ہوگی خاصان حق کی سب چیزیں اعمال، افعال اور اقوال مقبول ہوتے ہیں اور وہ ہزاروں برکات کا ذریعہ بن جاتی ہیں''۔ فرمایا کہ اس حقیقت کو ہمیشہ حرز جاں بنائے رکھ کر کام کرنا یہ تمہاری ہی امانت تھی جوتمہیں ہی لوٹا رہا ہوں، بس اور مزید کیا کہہ سکتا ہوں سوائے اس کے کہ ؎

کہاں میں اور کہاں نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

سانس کی ہرآمدورفت کے ساتھ یہ دعاء ہے کہ حق تعالی جل مجدہ حضرت مفکر ملت رحمہ اللہ کواعلی علیین میں مقام کریم سے سرفراز فرماتے ہوئے جملہ اخلاف وپسماندگان کوحضرت رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین یارب العالمین

ایک عاشقِ قراءتِ قرآن

مولانا قاری ابوالحسن اعظمی ❖

ہر عالم وفاضل کا ایک علمی میدان ہوتا ہے، اپنی افتادِ طبع، صلاحیت اور مناسبت کے اعتبار سے کسی ایک رخ کو منتخب کر کے اسے اپنا مطمحِ نظر اور مرکز توجہ قرار دے لیتا ہے اور پھر اس پر اپنی ساری صلاحیت مرکوز کر دیتا ہے۔ حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی (جنہیں آج ''مرحوم'' لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے) چند ایسی منفرد شخصیات میں سے تھے جن پر زمانہ ناز کرتا ہے، جنہیں دنیا یاد کرتی ہے، بھلائے نہیں بھلا پاتی۔

آپ کی شخصیت ہشت پہل نگینہ کی طرح تھی، جس کا ہر نگینہ اپنی مثال آپ تھا۔ آپ رجال ساز اور بے مثال مردم گری کی صفت سے متصف تھے، جس طرف نگاہ ڈال دیتے تھے جگر مرادآبادی کے اس شعر کے مصداق ہوتے تھے:

نگاہ ڈال دی جس پر حسین آنکھوں نے ☆ اُسے بھی حسنِ مجسم بنا کے لوٹ لیا

میں نے عنوان میں ''عاشقِ قراءتِ قرآن'' لکھا ہے، اسی رخ سے مولانا مرحوم سے اپنی پہلی ملاقات کی جانب اختصار کے ساتھ اشارہ کروں گا۔

ہندوستان میں صوبہ گجرات کی بوجوہِ عدیدہ بڑی اہمیت ہے، اگر یہ صوبہ صنعت وحرفت میں بڑی شہرت کا حامل ہے تو اسی کے ساتھ علوم وفنون کی متعدد درسگاہوں کی عظیم برکات بھی اپنے دامن میں رکھتا ہے اور یہ درسگاہیں قابلِ قدر خدمات انجام دے رہی ہیں۔

اسی صوبہ کے مشہور ضلع سورت کی قدیم وضع کی ایک مثالی بستی ''ترکیسر'' میں ''مدرسہ دارالعلوم فلاح دارین'' ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں قائم ہوا، مدرسہ ہٰذا کے نہایت فعال، بیدار مغز، سراپا علمی مزاج، علوم و فنون کے قدر شناس جناب مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی (موضع کاپودرہ، اپنی وضع اور صفائی ستھرائی میں مثالی ہے) سورتی مہتمم اور شیخ الجامعہ کو اپنے ادارہ میں قراءتِ سبعہ وعشرہ کی تدریس کے لئے ایک ماہر استاذ کی ضرورت تھی، یہ غالباً ۱۹۷۵ء کی بات ہے۔ راقم الحروف اس وقت تدریسی خدمات کو موقوف کر کے

❖ رکن رابطۂ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ

دار العلوم دیو بند میں تکمیل حدیث کے لئے آیا ہوا تھا، حضرت مولانا موصوف کو محترم دوست مولانا محمد مسلم صاحب بمہوری اعظمی (م ۱۴۱۴ھ) جو اس وقت مسجد عبدالنبی دہلی میں مقیم تھے، انہوں نے دیو بند احقر راقم کے پاس بھیجا، مولانا سورتی مرحوم (جولائی ۱۹۹۳ء) سے یہ میری پہلی ملاقات تھی، مولانا اس وقت جوان تھے، مجھ سے ترکیسر میں تدریس علم قراءت کی فرمائش کی مگر میں اس وقت خالی نہ تھا، مولانا چوں کہ ایک بہترین مقری، معلمِ قراءت کی تلاش میں ملک گیر دورے پر نکلے ہوئے تھے، دیو بند سے لکھنؤ پہنچے، لکھنؤ میں مدرسہ فرقانیہ جوفن تجوید وقراءت میں اپنی ایک عظیم تاریخ کا حامل ہے، یہاں پہنچے تو آپ نے ایک نوجوان کو دیکھا جو قدیم وضع کا کرتا، مغلئی پاجامہ میں ملبوس، سر پر دوپلّی ٹوپی لگائے دنیا اور اس کے تمام ہنگاموں سے بے رغبت، کم گو، ایک چھوٹے سے حجرے میں چٹائی پر بیٹھا ہوا فن کی باریکیوں سے طلبہ کو آگاہ کر رہا تھا، یہ قدیم وضع کے بزرگ جناب المقری محمد انیس فیض آبادی (م ۱۴۱۱ھ) تھے۔

جناب قاری محمد انیس صاحب سے جب ترکیسر گجرات تشریف لانے کو کہا گیا تو فرمایا ''اگر آپ کے یہاں اس فن سے طلبہ دلچسپی لیں تو خدمت سے انکار نہیں۔

حضرت مولانا کاپودروی کی اطمینان بخش اور پُر زور گذارش اور طلب پر قاری صاحب ترکیسر تشریف لائے۔

مولانا کی مقناطیسی شخصیت، آپ کی قدر شناسی سے ترکیسر کے مدرسہ فلاح دارین میں قاری صاحب کی جدوجہد، مخلصانہ شبانہ روز کے والہانہ ذوق ولگن سے بہت قلیل مدت میں باصلاحیت، صاحبِ فن اور نہایت خوش گلو وخوش لہجہ قراء کی ایک مثالی اور بڑی قابل قدر تعداد پیدا ہوگئی۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کی یہ جوہر شناسی تھی کہ چند ہی ماہ وسال میں علم القراءت کے درخشندہ و تابندہ آفتاب و ماہتاب اور منور کواکب ونجوم سے نہ صرف گجرات کی سرزمین بلکہ پورا ہندوستان روشن ہوگیا، آپ کی روز وشب کی دعاؤں اور خصوصی توجہات سے ایک ایسا جوہرِ قابل اور محققِ فن شخص ملک کو ہاتھ آیا جسے ہم المقری محمد صدیق سانسرودی مدظلہٗ کے نام اور کام سے جانتے ہیں۔

آخر میں: آہ! حضرت مفکرِ ملّت! آپ نے اپنے علمی، ادبی، تعلیمی وتصنیفی اور مفکرانہ مزاج وطبیعت سے ایک دنیا کو متاثر کیا، آپ کے فکرِ صائب سے علم القراءات کو بے مثال رفعت وبلندی ملی، آپ کی نگہ بلند اور فکر ارجمند نے خاص طور پر علم القراءت کو بامِ ثریا تک پہنچایا، آپ کی قدر شناسی نے خزف ریزوں کو جواہر پاروں میں تبدیل کردیا، آپ کی خدمات اتنی گونا گوں، عظیم اور اعلیٰ وارفع ہیں کہ ان کی بدولت: ''وَ مِنْ اَجْلِهٖ فِیْ دُوْرَةِ الْعِزِّ یُجْتَلَا'' کے مصداق ہیں۔ اللہ جل شانہٗ اپنی شایانِ شان آپ کو اعلیٰ مدارج سے نوازے۔ آمین

۞......۞......۞

علماء اور طلبہ کے محسن و مربی

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ (۱۹۳۳-۲۰۱۸ء)

مولانا خورشید عالم داؤد قاسمی ❖

ہند بن ابی ہالہؓ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ''گفتگو'' کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (ترجمہ) ''رسول اللہ ﷺ مسلسل غم میں مشغول رہتے، ہمیشہ فکرمند رہتے، آپ کے لیے راحت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔'' (شمائل ترمذی، حدیث: ۲۲۶) مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحبؒ اپنی مسلسل علالت کے بعد، ۱۰/ جولائی ۲۰۱۸ء کی دوپہر کو، تقریبًا پچاسی سال کی عمر میں، اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ کے اندر، امت کی فلاح وبھلائی کے لیے ہمیشہ فکرمند رہنے (دائم الفکرۃ) کا جو وصف تھا، اس سے آپ کو وافر حصہ ملا تھا؛ چناں چہ آپ عام طور پر پوری امت کے لیے اور خاص طور پر علما وطلبہ کی صلاحیت وصالحیت اور علمی وفکری ترقی کے حوالے سے ہمیشہ فکرمند رہتے تھے۔ جن حضرات کو حضرت کاپودرویؒ کی معیت میسر رہے، چاہے چند ساعتوں کے لیے ہی کیوں نہ ہو، وہ اس بات کی ضرور شہادت دیں گے کہ واقعی وہ پوری امّت محمدیّہ اور خاص طور پر اس امّت کی کشتی کے ناخداؤں یعنی علما وطلبہ کی صلاحیت وصالحیت، قابلیت واہلیت اور دینی غیرت وحمیت کے حوالے سے ہمیشہ فکرمند رہتے تھے۔ ان کی مجلس ہو یا پھر مدارس وجامعات کی کوئی تقریب، جب وہ اپنی بات پیش کرتے؛ تو عصر حاضر میں علماء وطلبہ کی تعلیم وتعلم میں عدم دل چسپی اور دینی مدارس میں تعلیمی انحطاط کو اپنی گفتگو میں ضرور جگہ دیتے۔ بایں معنی راقم کو یہ کہتے ہوئے کوئی جھجھک نہیں کہ آپ ''جماعتِ علما وطلبہ کے محسن ومربی اور خیرخواہ تھے''۔

اگر علما وطلبہ کے اندر صلاحیت وصالحیت ہوگی؛ تو اس امّت کی کشتی بہ آسانی ساحل تک پہنچ سکتی ہے۔ اگر ان علماء وطلبہ میں ہی کمزوری ہو؛ تو پھر امت کی ناخدائی کون کرے گا اور امت کی کشتی کو پار کون لگائے گا! اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس امت کی رہبری کی ذمے داری، اللہ تعالی نے اِنھیں حاملین کتاب وسنت کے کندھوں پر رکھی ہے۔

❖ ہیڈ: اسلامک ڈپارٹمنٹ، مون ریز ٹرسٹ اسکول، زامبیا

حضرت کاپودرویؒ کتاب وسنت کے مستند عالم تھے۔ آپ علم وتقوی سے مزین ایک عالم ربّانی تھے۔ آپ کی زندگی میں شریعت اور سنّت کی پابندی قابل رشک حد تک پائی جاتی تھی۔ آپ کے علم میں گہرائی وگیرائی تھی۔ آپ جب بھی کوئی بات کرتے؛ تو قرآن وحدیث پیش کرتے۔ اپنی گفتگو کے دوران عربی کے امثال ومحاورے اور خوب صورت جملے بھی پیش فرماتے۔ ان کو علمی باتیں کرنا خوب پسند تھا۔ آپ جس مجلس میں ہوتے، میر مجلس کی حیثیت آپ ہی کو حاصل ہوتی۔ اِن سب باتوں کے باوجود، آپ کی زندگی سادگی اور تواضع وانکساری کا نمونہ تھی۔ چھوٹا ہو یا بڑا، جب جو آ گیا، اس سے اسی وقت ملاقات کر لیتے۔ آپ آرام یا مطالعہ یا کسی اور مصروفیت ومشغولیت کا ذکر کر کے، ملنے سے گریز نہیں کرتے۔ خاص طور پر کوئی اہل علم ملنے آتا؛ تو آپ بہت خوش ہوتے۔ کسی باصلاحیت عالم وفاضل کے بارے میں علم ہوتا کہ وہ سورت وبھروچ وغیرہ کے علاقے میں تشریف فرما ہیں؛ توان کو دعوت دیتے، گھر پر بلاتے، ان کے ساتھ تبادلہ خیال کرتے اور دورانِ قیام ان کی ضیافت کر کے، ضیافت کا حق ادا کر دیتے۔

گجرات کی بافیض دینی درس گاہ: ''دارالعلوم مرکز اسلامی''، انکلیشور میں، درس وتدریس ہر دو اعتبار سے راقم الحروف کا تقریبا پانچ سال تک قیام رہا۔ اس دوران مختلف جگہوں پر، حضرت کاپودرویؒ کی تقریریں سننے کا موقع ملا۔ ہر تقریر کے بعد، دل یہ گواہی دیتا کہ یہ علماء وطلبہ کے محسن ومربی ہیں اور اپنی بات میں بڑے مخلص ہیں۔ کسی کو ان کے بارے میں شکایت کرتے نہیں سنا۔ حقیقت یہ ہے کہ تواضع وانکساری، تقوی وپرہیز گاری، علم وفضل اور لوگوں کے لیے خیر خواہی نے ان کو ہزاروں بندگانِ خدا کی نظر میں ایسا محبوب بنا دیا تھا کہ لوگ آپ کے خلاف کچھ بولنا پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت کاپودرویؒ سے راقم الحروف کی باضابطہ ملاقات کی تقریب یوں ہوئی کہ راقم الحروف نے عصر حاضر میں انگریزی زبان وادب کی ضرورت واہمیت کے حوالے سے ایک مضمون تحریر کیا۔ ''دارالعلوم مرکزِ اسلامی'' کے مہتمم: حضرت مولانا موسی صاحب-دامت برکاتہم- نے بذریعہ فون آپ کو اس کی اطلاع دے کر، اجازت چاہی کہ آپ اس مضمون کی تصحیح کر دیں۔ حضرت نے بخوشی اجازت دی اور مضمون لے کر آنے کو کہا۔ پھر ایک دن مضمون لے کر، مہتمم صاحب کے ساتھ، ہم اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب ہم پہنچے؛ تو چائے وغیرہ کے بعد، حضرت کاپودرویؒ نے بندہ کا تعارف جاننا چاہا۔ بندہ نے اپنا تعارف کرایا۔ پھر آپ نے مجھ سے مضمون پڑھنے کو کہا۔ بندہ نے مضمون پڑھ کر سنایا۔ تقریبا پانچ ہزار الفاظ پر مشتمل اس مضمون کو، حضرت نے پوری دل جمعی کے ساتھ سنا اور متعدد جگہوں پر تصحیح بھی کرائی۔ مضمون کے اختتام پر، حضرت نے احقر کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء!

حضرتؒ کچھ مہینے ہندوستان میں رہتے تھے؛ جب کہ کچھ مہینے کنیڈا میں رہتے تھے۔ آپ جب بھی ہندوستان میں ہوتے؛ تو ہم کسی موقع سے ان سے ملنے جاتے۔ ایک بار ہم حضرت مولانا اسماعیل صاحب مانکروڈ –حفظہ اللہ–، ڈائرکٹر: دارالعلوم مرکزِ اسلامی کی معیت میں، رمضان میں، تراویح کے بعد کی مجلس میں حاضری کے لیے پہنچے۔ بیان سے پہلے درود وسلام پڑھا گیا۔ پھر حضرت نے اصلاحی بیان شروع کیا۔ ہم لوگ حضرت کی بات سے مستفید ہوئے اور قلبی سکون حاصل کر کے لوٹے۔

ایک بار حضرت کاپودرویؒ نے خطیر رقم خرچ کر کے، بروز: جمعرات، ۲۷/نومبر ۲۰۰۸ء کو''کاپودرا'' میں، اپنے گھر کے قریب''مسجد عائشہ'' میں، ایک پروگرام منعقد کیا۔ انھوں نے اس پروگرام میں، صوبہ: گجرات میں واقع تقریبا سارے بڑے مدارس اور دارالعلوموں کے ذمے داران کو مدعو کیا۔ تقریبا ۴۵/ ادارے کے نمائندوں نے پروگرام میں شرکت کی۔''دارالعلوم مرکز اسلامی، انکلیشور، بھروچ'' کی طرف سے، حضرت مولانا یوسف صاحب اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب –دامت برکاتہم– کی معیت میں، راقم الحروف نے بھی اس پروگرام میں شرکت کی۔ پروگرام کے منعقد کرنے کا مقصد کیا تھا؟ اس کی مختصر تفصیل ذیل میں پڑھیے اور حضرت کے اخلاص وللّٰہیت، علم اور علماء وطلبہ سے محبت اور اس محبت کے نتیجے میں علماء وطلبہ کی علمی صلاحیت اور فکری آبیاری کے لیے ان کی فکرمندی کا ثبوت آپ بھی ملاحظہ فرمائے!

اس پروگرام میں''دور حاضر میں علمی انحطاط اور طلبہ کی تعلیمی وتربیتی ترقی'' کے موضوع پر مذاکرہ ومناقشہ ہوا۔ اس پروگرام میں''اساتذہ کرام کا آپس میں کسی موضوع پر مناقشہ ومذاکرہ سے گریز کرنا'' جیسے موضوع پر بھی بات چیت ہوئی۔

بحیثیت صدر مجلس، حضرت کاپودرویؒ نے پروگرام کے شرکاء کو جو مشورے اور پیغام دیا، وہ بہت ہی مفید اور کارآمد تھے۔ اس میں یہ پیغام بھی تھا کہ ہر مدرسہ میں اساتذہ کرام کی''انجمن'' ہونی چاہیے۔ اس انجمن میں، مختلف علوم وفنون کی کتابیں دستیاب ہونی چاہیے اور ہند وبیرون ہند سے شائع ہونے والے عربی اور اردو کا روزنامہ، ماہ نامہ، سہ ماہی وششماہی: اخبارات اور جرائد ومجلّات منگوائیں جائیں۔ اساتذہ ان کتابوں سے استفادہ کریں۔ کسی کتاب یا رسائل وجرائد میں دوران مطالعہ جو مضمون ومقالہ اور بحث وتحقیق طلبہ کے لیے مفید اور مناسب معلوم ہو، اسے زیراکس کرا کر، طلبہ کو سونپ دیا جائے اور مطالعہ کا حکم دیا جائے۔ اس انجمن کے تحت، ہفتہ میں ایک دن سارے اساتذہ، پہلے سے متعین موضوع پر تیاری کر کے آئیں اور مباحثہ ومذاکرہ کریں۔ اس میں سارے اساتذہ کھل کر حصّہ لیں۔ اساتذہ کی انجمن کے قیام کے لیے، شیخ نے اپنی طرف سے ہر مدرسہ کے ذمے داران کو درجنوں قیمتی کتابوں کا تحفہ بھی پیش کیا اور کہا کہ آپ فی

الحال ان کتابوں کے سے اپنی انجمن قائم کریں۔

اس پروگرام کی نوعیت پر غور کریں! زرِ خطیر خرچ کر کے درجنوں مدارس کے ذمے داران کو اپنے گھر پر مدعو کرنا، طعام وقیام کا انتظام کرنا، ان کی بھلائی کے لیے ان کو صلاح ومشورہ دینا اور اخیر میں درجنوں قیمتی کتابوں کا تحفہ دے کر، ادب واحترام کے ساتھ رخصت کرنا! سبحان اللہ! علما وطلبہ کی فکری آبیاری اور ان کی علمی صلاحیت کو پروان چڑھانے کے حوالے سے حضرت کاپودرویؒ کی فکرمندی اور مخلصانہ کوشش کا یہ ایک نمونہ ہے۔ آپ کی یہ کوشش دیکھ کر، بلاتکلف زبان پر آتا ہے کہ علماء وطلبہ کی علمی صلاحیت اور تعلیمی ترقی کے سلسلے میں آپ کی یہ فکر، آپ ہی کا حصہ تھی۔ اللہ تعالی حضرت کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے!

پروگرام سے واپسی کے بعد، راقم الحروف نے دار العلوم مرکز اسلامی کے موقر مہتمم، حضرت مولانا موسی مانکروڈ صاحب –دامت برکاتہم– کو حضرت کاپودرویؒ کے صلاح ومشورے کی اطلاع دی۔ حضرت مہتمم صاحب اس بات سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے انجمن کے قیام کی منظوری دے دی۔ اس طرح حضرت کی تحریک پر ُدار العلوم مرکز اسلامی‘‘ میں اساتذہ کی انجمن کا آغاز ہوا۔

کچھ دنوں بعد، حضرت مہتمم صاحب کے صاحبزادے، حضرت مولانا اسماعیل صاحب –حفظہ اللہ– کی معیت میں، حضرت کاپودرویؒ سے ملاقات کے لیے ہم لوگ ''کاپودرا'' گئے۔ حضرت نے چائے وغیرہ سے ضیافت کی پھر ہم سے بات چیت میں مشغول ہوگئے۔ دوران گفتگو راقم نے انجمن کا ذکر کیا؛ تو وہ بہت خوش ہوئے۔ پھر انھوں نے مطالعہ وغیرہ کے حوالے سے ہمیں بہت سی مفید باتیں بتائی۔ دوران گفتگو گزشتہ صدی عیسوی کے مشہور محدث ومحقق شیخ ابوعبدالرحمٰن محمد ناصرالدین البانیؒ (۱۹۱۴-۱۹۹۹ء) کی تحقیق کی ہوئی ''مشکاۃ المصابیح'' کا ذکر کیا۔ پھر آپؒ علامہ البانیؒ کے حوالے سے فرمانے لگے کہ اختلاف اپنی جگہ، مگر ہمیں کسی کے علمی کام کا اعتراف کرنا چاہیے اور اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیے۔

حضرت کاپودرویؒ کی بات آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ اللہ نے انسان کو جب عقل سے نوازا ہے؛ تو ایک آدمی کی رائے، دوسرے شخص کی رائے سے مختلف ہوسکتی ہے۔ جب رائے مختلف ہوگی، تو اختلاف ہونا ہی ہے۔ مگر اختلاف کو اختلاف ہی رہنے دینا چاہیے۔ اسے ''عناد'' نہ بنانا چاہیے۔ اختلافِ رائے یا کسی معمولی کمی وکوتاہی کی وجہ سے، کسی شخص کی شب وروز کی محنت کا سرے سے انکار کردینا اور ان کی خدمات کے اعتراف سے صرف نظر کرنا، غیر منصفانہ عمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت کاپودرویؒ کا دل کسی طرح کے بھید بھاؤ اور تعصب سے پاک تھا۔ آپ کسی کے بھی علمی کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ ہمیشہ اپنے بڑوں کے مدح اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور اس کی ترقی کی فکر کرتے تھے۔

بعد میں بھی اساتذہ کی انجمن کے لیے آپ کتابوں کا ہدیہ بھیجتے رہتے تھے؛ چناں چہ مختلف تاریخوں میں ''جنگ: سیرتِ رسولؐ کی روشنی میں''، ''اساتذہ کے لیے تربیتی واقعات''، ''تفسیر عزیزی'' اور ''نصیحۃ المسلمین''، وغیرہ کتابیں آپ کی طرف سے انجمن کو دستیاب ہوئیں۔

حضرت سے آخری ملاقات دسمبر ۲۰۰۹ء میں، ''زامبیا'' کے دار الخلافہ: ''لوساکا'' میں ہوئی۔ اُن دنوں حضرت کاپورویؒ ''زامبیا'' کے دورے پر تھے۔ ایک روز بعد نماز عشاء، آپ کی مجلس میں حاضری کا موقع ملا۔ مجلس کے اختتام پر آپ سے ملاقات ہوئی۔ پھر آپ کہنے لگے کہ اِن افریقی ممالک میں کام کی سخت ضرورت ہے۔ یہاں کام کرنے والوں کو سخت محنت کرنی ہوگی؛ تب نتیجہ سامنے آئے گا۔ اِسی سلسلہ میں ''زامبیا'' کے ایک شہر ''پیٹاؤکے'' سے متصل ''اَنوسا'' میں قائم، ایک اسلامی اسکول کے حوالے سے حضرت نے بتایا کہ کئی سال پہلے جب وہ یہاں آئے تھے؛ تو اُس ادارہ کی زیارت (Visit) مشہور خطیب حضرت مولانا عبد المجید ندیم صاحبؒ کی معیت میں کی تھی۔ وہاں تعلیم حاصل کررہے مقامی طلبہ کی تعلیم تربیت اور اردو زبان میں نظم ونعت خوانی کی بہت تعریف کی اور خوشی کا اظہار کیا۔ آپ نے اُس ادارہ کے موسس وناظم جناب حافظ اسماعیل منشی صاحبؒ (۱۹۵۰-۲۰۱۵ء) کی انتھک محنت اور طریقہ کار کو سراہا۔ حافظ صاحبؒ نے، حضرت کے زیرِ اہتمام، دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، گجرات سے حفظ وقرات کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے!

حضرت کاپودرویؒ ایک جہاں دیدہ اور تجربہ کار شخص تھے۔ آپ ایشیائی، عرب، افریقی اور یورپی ممالک کا دورہ کرتے رہتے تھے۔ آپ جہاں بھی تشریف لیجاتے، وہاں کی علمی شخصیات سے ملاقات کرتے۔ آپ وہاں کی لائبریریوں کی زیارت کرتے۔ آپ وہاں کے بازاروں میں نئی طبع شدہ کتابوں کے حوالے سے معلومات حاصل کرتے اور اپنے پسند کی کتابیں خریدتے۔ کسی بھی سفر میں اس طرح کی مشغولیات، آپ کے ترجیحی پروگرام میں شامل ہوتیں۔ کاپودرا میں آپ کے ذاتی کتب خانہ میں مختلف علوم وفنون کی ہزاروں کتابیں موجود ہیں۔

آپ کتابیں خریدنے کے ساتھ مطالعہ کرنے کے بھی عادی اور خوگر تھے۔ علما وطلبہ کو بھی مطالعہ کرنے کی بہت ترغیب دیتے تھے۔ جب کوئی نئی کتاب یا پرانی ہی کتاب، مگر کسی ماہرِ فن کی تحقیق وتخریج کے ساتھ چھپتی؛ تو اپنی مجلس میں علماء وطلبہ کے سامنے اُس کتاب کا ضرور ذکر کرتے اور مطالعہ کی رغبت دلاتے۔ یہ بات صرف مجلس ہی تک محدود نہیں رہتی؛ بل کہ خطوط اور مضامین میں بھی مناسبت سے اسماء کتب کا ذکر کرتے اور مطالعہ کی سفارش کرتے؛ چناں چہ ''ری یونین'' کے سفرنامہ: ''آتش فشاں کے ملک ''ری یونین'' میں، ایک جگہ آپ لکھتے ہیں:

''ہمارے طلبہ کی معلومات کے لیے عرض ہے کہ مسجد کے موضوع پر یہ کتابیں بہت معلومات افزا ہیں:

(۱) المسجد ودوره في التربية والتوجيه، از: صالح بن غالم، (۲) المسجد ودوره التعليمي عبر العصور، عبداللہ قاسم ابوشلبی (۳) رسالة المسجد في الإسلام، د۔ عبدالعزیز محمد، (۴) دور المسجد في التربية، عبداللہ احمد القادری، (۵) مناهج التعليم في المساجد وأسلوب التدريس فيها، (٦) الدور التربوي للمسجد، د۔ علي جاد احمد، (۷) التعليم في الكتاتيب والحجرات والخلاوي، (۸) المسجد وأثره في تربية الأجيال ومؤامرة أعداء الإسلام عليه، عبداللہ قاسم۔''

اسماء کتب تحریر کرنے کے بعد، آپ لکھتے ہیں:

> ''خدا کرے کوئی شوقین طالب علم ان کتب جدیدہ کو منگوا کر، استفادہ کرے کہ علم تو مختلف کتابوں کے مطالعہ سے ہی بڑھتا ہے۔''(۱)

ابوظبي کے شہر: ''العین'' میں حضرت مولانا ڈاکٹر محمد تقی الدین ندوی مظاہری صاحب –دامت برکاتہم– کی قیام گاہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے سفرنامہ: ''متحدہ عرب امارات میں چند دن'' میں، آپؒ رقم طراز ہیں:

> ''مولانا مدظلّہ کے کتب خانے میں بعض نئی کتابیں نظروں سے گزریں، ان میں سے بعض ہمارے مدارس کے لیے بڑی مفید ہیں، مثلا:

(۱) غبطة القاري ببيان إحالات فتح الباري، از: ابوصهيب العدوي، مكتبة العلم، جدة، (۲) المعلم بفوائد مسلم، للإمام ابي عبد الله محمد بن علي، (۳) الحديث الشريف وتحدّيات العصر، (۴) تعليق التعليق على سنن ابي داوٗد، مكتبة الرشد، الرياض، (۵) الفكر والسلوك السياسي عند ابي الحسن الندوي، دار القلم، بيروت، (٦) الدولة الأموية عوامل الازدهار وتداعيات الانهيار، مكتبة الصحابة، الشارقة، (۷) الشيخ محمد يوسف الكاندهلوي: حياته ومنهجه في الدعوة، دار البشائر، (۸) نظرات جديدة في علوم الحديث، دار ابن حزم۔''

حضرت کاپودرویؒ کو مختلف اداروں اور جگہوں سے شائع ہونے والے رسائل ومجلّات کی خوب خبر رہتی تھی۔ آپ پابندی سے مجلّات ورسائل کا مطالعہ کرتے تھے۔ آپ علماء کرام کو دینی رسائل ومجلّات کے مطالعہ کرنے کا مشورہ بھی دیتے تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کو عربی واردو: ہر دو زبانوں میں مضامین ومقالات تحریر کرنے کا خوب سلیقہ اور ہنر ودیعت کیا تھا؛ چناں چہ آپ گاہ بہ گاہ مختلف موضوعات پر مضامین ومقالات بھی قلم بند کرتے رہتے تھے۔ الحمدللہ، آپ کے مضامین ومقالات کو مختلف جرائد ورسائل بڑی اہمیت ووقعت سے شائع کرتے تھے۔

ایک بار رسائل ومجلّات کے حوالے سے آپ گفتگو کررہے تھے۔ دوران گفتگو آپ نے دہلی سے شائع ہونے والا مجلّہ ''اردو بک ریویو'' کا اچھا خاصا تعارف پیش کیا۔ اس مجلّہ کے میں نئی شائع ہونے والی کتابوں کے

(۱) افکار پریشاں، ص: ۲۵۹ (۲) افکار پریشاں، ص: ۲۰۹

تعارف اور مجلّہ میں استعمال ہونے والی زبان وغیرہ پر تبصرہ کیا۔ آپ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ ہر مدارس وجامعات کی لائبریری میں، یہ مجلّہ آنا چاہیے۔ لائبریرین (Librarian) کو اس مجلّہ کا مطالعہ کرنا چاہیے اور پھر لائبریری کے لیے جو کتاب مناسب ہو، اسے حاصل کر کے لائبریری کی قدر و قیمت میں اضافہ کرنا چاہیے۔

ادبی، اصلاحی، علمی و دینی جرائد ورسائل اور مجلّات میں شائع ہونے والے مضامین ومقالات کا مطالعہ بہت مفید ہوتا ہے۔ قاری کو متعدد موضوعات پر، مرتب انداز میں اچھا خاصا مواد فراہم ہوجاتا ہے۔ جرائد ورسائل کے مطالعے سے، قاری کو متعدد قلم کاروں کی فکر سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور ''حالات حاضرہ'' (Current Affairs) سے بھی واقفیت رہتی ہے۔

تدریسی وانتظامی مشغولیات اور مستقل دعوتی واصلاحی اسفار کے باوجود، ہم خردوں کے لیے آپ کی جو تصنیفی وتالیفی خدمات ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں: (۱) اضواء علی تاریخ الحرکۃ العلمیۃ والمعاہد الإسلامیۃ والعربیۃ في غجرات، الہند، (۲) علامہ بدرالدین عینی اور علم حدیث میں ان کا نقش دوام، (۳) علامہ قطب الدین نہروالی اوران کی علمی خدمات، (۴) علامہ یوسف بنوری اور خدمات حدیث، (۵) رشد وہدایت کے منار جن سے میں نے کسبِ فیض کیا (۶) حضرت حاجی امداداللہ اوران کے نامور خلفاء (گجراتی) (۷) دیوان امام شافعیؒ (ترجمہ وتشریح)، (۸) افکار پریشاں (دوجلد)، (۹) صدائے دل (چار جلد)

آپ بروز: منگل، ۱۰/ جولائی ۲۰۱۸ء کو تقریباً ۴/ بجے شام، اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب-حفظہ اللہ-، شیخ الحدیث: جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل ورکن شوریٰ: دار العلوم، دیوبند نے پڑھائی۔ پھر ہزراوں علما، طلبہ اور عوام نے نم آنکھوں کے ساتھ، آپ کو ''کاپودرا'' میں سپرد خاک کردیا۔ آپ کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ آپ کی یادیں، باتیں، اخلاق حسنہ اور علما وطلبہ کے لیے آپ کی فکرمندی وقربانی ہمیشہ یاد آئے گی۔ آپ جیسے محسن ومربی کے رخصت ہونے کا غم، علما وطلبہ کی جماعت کو ایک طویل مدت تک رہے گا۔ آپ کی جدائی پر، اہل علم اپنی تسلی کے لیے ابوطیب احمد بن الحسین الجعفي الکندي (۳۰۳-۳۵۴ھ) کے اس شعر کو ہی پڑھیں گے:

سبقنا إلی الدنیا ولو عاش أھلھا ☆ منعنا بھا من جیئۃ وذھوب

یعنی ہم سے پہلے بہت سے لوگ گزر گئے، اگر یہ سب اہالیان زمین زندہ ہوتے؛ تو ہمارے لیے آنا جانا مشکل ہوجاتا۔

حضرت کاپودرویؒ کے سوانحی نقوش

آپ کی پیدائش سن ۱۹۳۳ء میں، ''ہیہو'' (Heho)، برما میں ہوئی، جہاں آپ کے والد ماجد بسلسلہ

تجارت مقیم تھے۔سن ۱۹۳۵ء میں پورا کنبہ برما سے ہندوستان واپس آ کر،کاپودرا میں مقیم ہوگیا۔ آپ نے قرآن کریم ناظرہ اور اردو کی ابتدائی تعلیم ''مدرسہ اسلامیہ'' کاپودرا میں حاصل کی۔ آپ نے سن ۱۹۴۴ء میں جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل میں داخلہ لیا اور فارسی سے مختصر القدوری (سوم عربی) تک کی تعلیم حاصل کی۔ پھر سن ۱۹۴۸ء میں دار العلوم، دیوبند میں، کنز الدقائق کی جماعت (چہارم عربی) میں داخلہ لیا اور تعلیم حاصل کی۔ پھر اگلے سال (۱۹۴۹ء) میں آپ نے دار العلوم میں ہی نور الانوار اور المقامات الحریریۃ وغیرہ (پنجم عربی) پڑھا۔ پھر آپ خرابی صحت کے سبب گھر واپس چلے گئے۔ جب آپ روبصحت ہوئے؛ تو دوبارہ جامعہ ڈابھیل میں داخلہ لیا۔سن ۱۹۵۳ء میں آپ نے درس نظامی کی رسمی تکمیل جامعہ ڈابھیل سے کی۔

رُشد وہدایت کے منار جن سے آپ نے کسبِ فیض کیا وہ جناب حافظ ابراہیم عمرواڈوی صاحبؒ، مولانا داؤد کفلیتوی صاحبؒ، مولانا عبدالحی صاحبؒ، قاری بندہ الٰہی صاحبؒ، قاری حسن میرٹھی صاحبؒ، مولانا ابراہیم صوفی صاحبؒ، مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ (سابق شیخ الحدیث: دار العلوم، دیوبند)، مولانا فخر الحسن صاحبؒ، مولانا نعیم صاحبؒ دیوبندی، مولانا معراج الحق صاحبؒ، مولانا محمود صاحبؒ، مولانا عبد الرؤف صاحبؒ، مولانا عبدالجبار صاحبؒ، مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ دیوبندی، مولانا فخر الدین صاحبؒ، مفتی مہدی حسن صاحبؒ، شیخ محمود طنطاوی صاحبؒ (مصری) ہیں۔

آپ کی تدریسی وانتظامی خدمات: فراغت کے بعد، آپ مجلس خدام الدین، سملک اور جامعہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات میں مشغول ہوگئے۔ پھر ان اداروں سے مستعفی ہوکر، آپ نے ۱۹۵۶ء میں مجلّہ ''تبلیغ'' میں نائب مدیر کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر دیوبند جا کر، دوسال دار العلوم، دیوبند میں کبار اساتذہ کرام سے استفادہ کیا۔ دیوبند سے لوٹنے کے بعد، آپؒ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۵ء تک (پانچ سال) جامعہ ڈابھیل میں خدمات انجام دی۔ جنوری ۱۹۶۶ء میں ''دار العلوم فلاح دارین''، ترکیسر میں تدریسی خدمات کے لیے بلائے گئے، پھر مارچ ۱۹۶۶ء میں اہتمام کی ذمے داری آپ کے سپرد کردی گئی۔ سن ۱۹۶۶ء سے مستقل ۲۷/سال تک، آپ فلاح دارین میں تدریسی وانتظامی ذمے داریاں بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔

آپ نے اپنے دورِ اہتمام میں مختلف علوم وفنون کے ماہر اساتذہ کی تقرری، طلبہ میں پڑھنے لکھنے کا عمدہ ماحول اور ادارہ میں صفائی وستھرائی کا بہترین نظام قائم کرکے بجا طور پر ''فلاح دارین'' کو مثال میں پیش کیے جانے کے لائق بنا دیا۔ پھر کیا ہوا؟ ادارہ کو بام عروج پر پہونچا کر، آپ بغیر کسی دباؤ کے عہدہ اہتمام سے مستعفی ہوگئے؛ لیکن ادارے سے وہی محبت اور اس کی کامیابی کی وہی فکر جو پہلے ہوا کرتی تھی، الحمدللہ۔

حضرت مفکرِ ملت

سابق رئیسِ جامعہ فلاحِ دارین مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ

مولانا یوسف پانچھایا❖

حضرت مفکرِ ملت رحمہ اللہ کے سانحۂ ارتحال پر اپنے زمانۂ طالبِ علمی اور حضرت رحمہ اللہ کے دورِ اہتمام کی کچھ یادیں دماغ میں گردش کرنے لگیں، چاہا کہ ان کو قرطاس پر منتقل کردوں، کچھ تو حضرت رحمہ اللہ کی وفات پر طبیعت میں پژمردگی اور کچھ سستی وکاہلی کہ تحریر التواء کا شکار ہوتی رہی، اور جب لکھنا شروع کیا تو طبیعت میں جھجک محسوس ہوئی کہ حضرت رحمہ اللہ کی حیات پر لوگوں نے بہت کچھ لکھ دیا، بلکہ حضرت رحمہ اللہ کی حیات ہی میں آپ کی سوانح کچھ اَفاضل کے ذریعہ لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے، اب اس تحریر کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے، لیکن یہ سوچ کر کہ شاید اس میں خود اپنے لئے تشفی وتسلی کا سامان فراہم ہوجائے، قول وتحریر زندگی کے بہت سے مراحل میں کارآمد اور کارگر ثابت ہوئے ہیں، اور پھر جیسے عقول واذہان متفاوت ہوتے ہیں، انظار کا اختلاف بھی مسلم ہے، کوئی کسی نظر سے دیکھتا ہے، دوسرا اسی کو اور نظر سے دیکھتا ہے، تو نظر اپنی اپنی، ذوق اپنا اپنا، اور سمجھ اپنی اپنی، اور شاید اس تحریر میں کسی کو کوئی کام کی بات دستیاب ہوجائے، تھکا ہارا مسافر منزل کو سدھار گیا۔ کون کس کی تعزیت کرے؟ حضرت رحمہ اللہ کی شخصیت ہمہ گیر تھی، ہر ایک مغموم وحزیں ہے، کسی نے صاحبزادۂ حکیم الاسلام متکلمِ اسلام حضرت مولانا اسلم صاحب رحمہ اللہ کی وفات پر ایک شعر کہا تھا، وہ تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ آپ کے فراق پر:

گجرات کی سرزمیں پہ ایک اندھیرا سا چھا گیا
جس نے سنی خبر وہ سکتے میں آگیا

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمہ اللہ اپنی حیات میں کسی بڑے شخص کی وفات پر ایک شعر پڑھا کرتے تھے، یہ شعر حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کی وفات پر کسی شاعر نے کہا تھا، آج حضرت

❖ کینیڈا

رحمہ اللہ کی وفات پر آپ کی توصیف میں ہم وہی شعر رقم کرتے ہیں:

وما كان قيس هلكه هلك واحد

ولـكـنــه بـنيـان قوم تهدما

ناظرہ اور حفظ کی تعلیم کے بعد بندہ کا دارالعلوم فلاحِ دارین میں داخلہ ہوا تو مفکرِ ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمہ اللہ کا دورِ اہتمام تھا، کتابوں کی حسنِ تقسیم، اسباق میں طلبہ کی پابندی، طلبہ کا نماز باجماعت کا اہتمام، مدرسہ میں صفائی، خاص کر طلبہ کے حجروں کی صفائی، طلبہ کا اساتذہ کا ادب، ایک سے ایک بڑھ کر اساتذہ کا انتخاب، النادی العربی اور اردو انجمن میں طلبہ کی اردو و عربی تقاریر کی مشق، تحریر کی مشق، دیگر علوم وفنون کے ساتھ عربی ادب کے ایک سے ایک بڑھ کر اساتذہ کا انتخاب، ممتاز اور مایۂ ناز قراء کا تعین، اور فنِ قرأت وتجوید کو فروغ، ضروری دنیوی فنون حساب، سائنس، انگریزی وغیرہ کی تعلیم، وقتاً فوقتاً ملک کے مختلف گوشوں سے اکابرینِ امت کی آمد اور ان کی قیمتی نصائح اور مستجاب دعائیں، مدرسہ میں طلبہ کے لئے علم وفضل کی روحانی غذا کے ساتھ مدرسہ کا سبزہ زار اور پھولوں کی خوشبو اور معطر فضا، ڈھلوان راستے (جس سے پانی راستہ پہ آراستہ ہو کر ٹھہرنے کے بجائے دوڑتا کودتا آگے کی راہ لیتا تھا) اور یمین وشمال میں دو دو باغات **جنتان عن يمين وجنتان عن شمال** کا دلکش اور دلربا منظر پیش کرتے ہوئے، گجرات کے دیگر مدارس کے مقابلہ میں دارالعلوم فلاحِ دارین کی بنیاد بہت بعد میں پڑی اور حضرت مولانا شروع سے ہی اس کے روحِ رواں ہو گئے، اور جہدِ مسلسل، حسنِ سلیقہ اور اہل اللہ کی توجہات، اور رجوع إلی اللہ سے مدرسہ ترقی کے بامِ عروج کو پہنچا، اور گجرات کے دیگر مدارس سے پیچھے نہیں رہا، بلکہ سب میں ممتاز نظر آیا۔ اپنی بستی میں ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت والا کے علمی سفر کا آغاز جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل سے شروع ہوا اور ازہرِ ہند دیوبند سے گذارتا ہوا پھر وہ سفر تعلیم الدین ڈابھیل پہ ہی اختتام پذیر ہوا، فراغت کے بعد تدریسی خدمات کا آغاز مادرِ علمی ہی سے شروع کیا، کچھ سال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد فلاحِ دارین سے خدمت کے لئے پیش کش ہوئی، جہاں حضرت کچھ کتابیں بھی پڑھاتے رہے، اور ایک طویل مدت اہتمام کو رونق بخشی، اور یہی وہ دور ہے جو حضرت رحمہ اللہ کی زندگی کا بڑا ہی روشن باب ہے، اور ایک روشن مینار جس کی روشنی میں لوگ زندگی کا سفر اور منازل طے کرتے ہیں، اور یہی آپ کی زندگی کا وہ زریں باب ہے جسے لوگ یاد کرتے رہیں گے اور یہی باب دنیا میں سرخروئی اور ان شاء اللہ العزیز آخرت میں باریابی کا باب، حق تعالیٰ شانہ کی خوشنودی ورضامندی اور قرب کا باب ہے، اور یہی آپ کا وہ دور ہے جس میں آپ کا امتیاز ہے، یقیناً رئیس کا لقب آپ کیلئے بڑا اعزاز تھا، لیکن یہ اعزاز اس وقت کا ہے

جب آپ نے علمی خدمات دوسروں کو سپرد کردی تھی، اور جس سے دوسروں کو آگے بڑھنے کا موقع ملا، اور رئیسِ جامعہ کیا ! آپ نے جس طرح اپنے حسنِ تدبر، جہدِ مسلسل، سلیقہ مندی، اور اپنا خون پسینہ جامعہ کے لئے ایک کیا، تو آپ تو علم وفضل کی بناء کے اعتبار سے بانئ جامعہ تھے، بصد احترام آپ کے دور میں فلاحِ دارین میں جو علم وفضل کی بہار دیکھی گئی بعد میں نظر نہیں آئی، میرے نزدیک جو آپ سے اخذ کرنے کی چیز ہے وہ آپ کا دورِ اہتمام ہے، بندہ کو یاد ہیکہ ایک مرتبہ مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبہ کو دعوت دی گئی، ہم ابتدائی درجات میں تھے، دیکھ کر آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، مختصر وقت میں علم وفضل کی کتنی بڑی قابل اُفاضل کی کھیپ تیار ہوگئی، آپ کے دورِ اہتمام ہی میں فارغ شدہ طلبہ اندرون وبیرون ملک نمایاں خدمات انجام دے رہے تھے، یہ فضلِ الٰہی سے آپ کی مردم سازی کا بین ثبوت ہے۔

باکمال اساتذہ

آپ کے کامیاب دورِ اہتمام کی ایک بڑی وجہ آپ کا باکمال اساتذہ کا انتخاب ہے، اہتمام اور طلبہ کے درمیان فطری طور پر ایک خلا ہوتا ہے جسے اساتذہ پُر کرتے ہیں، آپ اساتذہ کے انتخاب کے لئے بڑے دور دراز مقامات کا سفر کرتے تھے، حضرت مفتی احمد بیمات صاحب، مولانا شیر علی صاحب، سید مولانا ابرار احمد صاحب، سید مولانا ذوالفقار احمد صاحب وغیرہم رحمہم اللہ، اور خود حضرت والا رحمہ اللہ، تو نوابغِ روزگار شخصیات کا ایک کہکشاں تھا، جسے بعد میں یکجا دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں، چند صلحاء وحکماء وفقہاء کا یکجا اجتماع ہوگیا تھا، بغیر کسی مبالغہ کے ذکر کرتا ہوں، حضرت مولانا شیر علی صاحب رحمہ اللہ افغانستان کے باشندے تھے، دارالعلوم دیوبند تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے تھے، اور اس سلسلے میں بڑا مجاہدہ کیا تھا، فراغت کے بعد صوبہ یوپی میں کہیں پڑھاتے تھے، اس کے بعد حضرت مولانا کی کوشش سے وہ گجرات منتقل ہوئے، ہدایہ آخرین کتنی مشکل کتاب ہے ! اس سے مدارسِ دینیہ کے طلبہ واقف ہیں، مولانا شیر علی صاحب جب ہدایہ آخرین پڑھاتے تھے تو اس طرح آسان کرکے پڑھاتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اردو کا آسان قاعدہ پڑھ رہے ہیں، اس طرح کتاب پڑھاتے تھے کہ کتاب پانی پانی ہوجاتی تھی، دماغ پر بوجھ پڑنے کے بجائے لطف محسوس ہوتا تھا، محظوظ ہوتے تھے، اور پتا نہیں چلتا تھا کہ وقت کیسے گذر گیا ! حضرت سید مولانا ابرار احمد صاحب رحمہ اللہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، اور حضرت رحمہ اللہ اپنے شاگرد کی صلاحیتوں سے واقف تھے، حضرت سید مولانا ابرار احمد صاحب رحمہ اللہ کا حضرت رحمہ اللہ کی کوشش سے جامعہ فلاحِ دارین میں تقرر ہوا، اور حضرت ترکیسر دارالعلوم فلاحِ دارین تشریف لائے،

اس وقت بندہ ابتدائی درجات میں پڑھتا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دارالعلوم کی علمی فضا میں کسی نے ایک نئی روح پھونک دی ہے، اور ایک علمی لہر دارالعلوم کی علمی فضا میں دوڑ گئی ہے، ہمارے ایک استاذ تھے دارالعلوم میں، وہ کتابیں از بر ہی پڑھاتے تھے، کبھی ان کو کتاب کھول کر پڑھاتے ہوئے نہیں دیکھا، بس ''زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است'' کا منظر تھا، یہ سب حضرت مولانا عبداللہ صاحب رحمہ اللہ کی سعی اور جدوجہد کے ثمرات تھے، فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

اہل اللہ کی توجہات اور دعائیں

حضرت رحمہ اللہ کا اہل اللہ، علماءِ ربانیین اور اکابرینِ امت کیساتھ گہرا ربط اور تعلق تھا، بار بار اہل اللہ کی دارالعلوم آمد ہوتی تھی، اور دارالعلوم کی فضا ان کی توجہات اور دعاؤں سے سرشار ہوتی تھی، طلبہ کو ان سے پند و نصائح ملتی تھیں، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی بار ہا دارالعلوم میں زیارت ہوئی، اور آپ کے علمی و عرفانی خطابات سے استفادہ کا موقع ملا، اسی طرح حضرت کے صاحبزادے خطیب الاسلام حضرت مولانا سالم قاسمی صاحب رحمہ اللہ کی سب سے پہلے زیارت اور بلیغ خطاب سننے کا موقع فلاحِ دارین ہی میں میسر ہوا، اور مفکرِ اسلام حضرت سید ابوالحسن ندوی علیہ الرحمۃ کی سب سے پہلے زیارت دارالعلوم فلاحِ دارین ہی میں ہوئی، اور آپ کا فکر انگیز خطاب سننے کا موقع میسر آیا، حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمہ اللہ کی آمد فلاحِ دارین میں ہوئی تو عجیب پر انوار فضا تھی، حضرت رحمہ اللہ بہت خوش ہو کر جلالہ آباد واپس ہوئے، اور شکریہ کا محبت بھرا خط لکھا، حضرت مولانا عبداللہ صاحب رحمہ اللہ اس سے اتنے خوش ہوئے کہ بڑے مجمع میں اس کا ذکر کیا، اور یہی نہیں کہ اہل اللہ کی دارالعلوم آمد ہوتی تھی، خود حضرت رحمہ اللہ ان حضرات کی خدمت میں پہنچتے تھے، ان کی مجالس میں شرکت اور ان سے استفادہ کرتے تھے، اور تعلیمی سال کے آغاز میں دعاء کیلئے خطوط لکھتے تھے۔

ماہرینِ تعلیم سے ربط

ماہرینِ تعلیم سے حضرت رحمہ اللہ برابر ملتے تھے، ان سے امور اخذ فرماتے تھے اور دارالعلوم میں ان کا اجراء فرماتے تھے، اصل میدان آپ کا تعلیم ہی تھا، آپ نے اس میدان کو اپنی جدوجہد، اور سعی و کوشش کا محور بنا کر امت اور خاص کر اربابِ علم و فضل کو بہت کچھ دیا، جو آپ کی ذات والا صفات کے لئے ذخیرۂ آخرت اور صدقہ جاریہ ہے، آپ طلبہ کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں ان کی نفسیات سے واقف تھے، اور

بڑے عمدہ پیرایہ میں ان کی تربیت فرماتے تھے، اور آپ بڑے بارعب تھے، جب کوئی استاذ کسی طالبِ علم یا جماعت کو کسی شکایت کے سلسلے میں حضرت رحمہ اللہ کے پاس بھیجتے تو پیروں تلے سے زمین سرک جاتی تھی، اس وجہ سے اساتذہ کو اطمینان ہوتا تھا، اور سکون کے ساتھ وہ تدریسی خدمات میں مشغول رہتے تھے، ظاہر ہے کہ جب کہیں پانچ سو چھ سو طلبہ زیرِ تعلیم ہوں تو ایسے وقت میں کسی ناگوار واقعہ کا پیش آجانا بعید نہیں، اس وقت حضرت رحمہ اللہ کی مدبرانہ سوچ اور معاملہ فہمی اور معاملہ کو سلجھانے کا جوہر اپنا کام کرتا تھا، لیکن ایک بات حضرت رحمہ اللہ کے اندر اس سلسلے میں نمایاں طور پر نظر آتی تھی، شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے دارالعلوم کا مفاد جسے اجتماعی مفاد کہا جائے، پیشِ نظر رہتا تھا، اور حضرت رحمہ اللہ کو یہ خیال رہتا تھا کہ مدرسہ کسی نقصان کی زد میں نہ آجائے، جیسا کہ بندہ نے عرض کیا کہ آپ طلبہ کی نفسیات سے واقف تھے، ایک مرتبہ ایک طالبِ علم چہرہ ہاتھ وغیرہ پہ ہلدی لگا کر حضرت کے پاس آیا، اور کہا کہ مجھے یرقان ہو گیا ہے، حضرت نے اسے کہا، ''ٹھیک ہے، حوض پر چلو''، پھر اسے فرمایا، '' اب وضو کرو''، جب اس نے وضو کرنا شوع کیا تو ہلدی ڈھلنے لگی، اور حقیقت واضح ہوگئی، حضرت گجراتی بڑی عمدہ اور میٹھی بولتے تھے، جن لوگوں نے سنا ہے وہ محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، بندہ ایک مرتبہ حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب ڈھولیوی رحمہ اللہ کو بیان کے لئے اپنی بستی لوہارا لے گیا، اور حضرت کے بیان سے قبل حضرت کا تعارف بھی کرایا، بعد میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب رحمہ اللہ نے بندہ کو دریافت کیا کہ چل یہ بتا کہ مولانا کا تعارف تو نے کس طرح کرایا تھا، بندہ نے بتایا تو گجراتی میں فرمایا، '' ٹھیک ہے، لیکن تیرے گاؤں والے اس کو کیا سمجھے ہوں گے؟ تعارف اس طور پر ہو کہ تیرے دیہات والے کچھ سمجھے بھی'' مدرسہ میں سپروائزر کا تقرر تھا، لیکن حضرت رحمہ اللہ خود بھی ڈائننگ ہال میں طلبہ کے کھانے کے اوقات میں تشریف لاتے تھے، اور اسی طرح نماز کے اوقات میں خاص کر فجر کی نماز مدرسہ ہی میں پڑھتے تھے، طلبہ کی نماز با جماعت کا بڑا اہتمام رہتا تھا، فرماتے تھے کہ طالبِ علمی کے دور میں جس نے نماز کے سلسلے میں غفلت اور سستی سے کام لیا، فراغت کے بعد اس کی اس سلسلے میں اصلاح مشکل ہے، اِلا یہ کہ کسی شیخِ وقت کی نظر پڑ جائے، حضرت مولانا کی جب فجر کی نماز کے لئے تشریف آوری ہوتی تھی تو حضرت کے طلبہ کے حجروں پہ پہنچنے سے پہلے ہی طلبہ اپنے بستروں کو چھوڑ کر وضو کر کے مسجد پہنچ جاتے تھے، ایک مرتبہ عجیب لطیفہ ہوگیا، ایک صاحب کسی طالبِ علم کے مہمان ہوئے، فجر کی نماز میں وہ طالبِ علم تو مسجد پہنچ گیا، لیکن مہمان حجرہ ہی پہ رہے، اتفاق سے حضرت اس حجرہ پہ پہنچ گئے، مہمان بیڈ کے نیچے چھپ گئے تھے، حضرت نے انہیں دیکھ لیا، تو وہ پکارنے لگے، ''حضرت میں مہمان ہوں، میں مہمان ہوں'' حضرت نے اس پر فرمایا، ''ٹھیک ہے، لیکن نماز کے لئے چلو، نماز تو مہمان پر بھی فرض

ہے''، مدرسہ میں ابتدائی درجات میں ضروری دنیوی تعلیم حساب، سائنس، انگریزی وغیرہ کی تعلیم کا انتظام فرمایا، اگر کوئی طالبِ علم انگریزی محنت سے پڑھ لیتا تھا تو اسے انگریزی لکھنے اور بولنے پر قدرت حاصل ہو جاتی تھی، جمعہ کے روز طلبہ کے حجروں میں بنفسِ نفیس خود پہنچتے تھے، صفائی اور بستر میں کھٹمل تو نہیں ہے؟ اس کی جانچ ہوتی تھی، حق یہ ہے کہ حضرت رحمہ اللہ نے طلبہ کی تعلیم وتربیت کے لئے اپنے آپ کو بہت تھکایا، ایک مرتبہ حضرت رحمہ اللہ کہیں سفر کے لئے بس اڈہ پہ تشریف لے جارہے تھے، بندہ بھی راستہ میں حضرت کے ساتھ ہولیا، حضرت نے فرمایا، اہتمام دماغ تھکا دینے والا کام ہے، بندہ نے عرض کیا، حضرت ''اہتمام'' ہم سے ہے، اس پر حضرت رحمہ اللہ فرمانے لگے ''پھر اہتمام مزید فیہ ہے'' حضرت رحمہ اللہ کا یہ تعلیم وتربیت اور خیر خواہی کا سلسلہ مدرسہ کی چہار دیواری تک محدود نہیں تھا، بلکہ طلبہ کو حضرت کی طرف سے فہمائش ہوتی تھی کہ ''اپنی بستی میں دین کا کام کرو، ایک نوجوان پر محنت کر ڈالو، دین کی طرف راغب کرو''، اس کے علاوہ بھی حضرت کی کوشش ہوتی تھی کہ مسلمانوں کے آپس کے اختلافات ختم ہوں، اور مسلمان وقت اور مال کے ضیاع سے بچیں، اور مسلمانوں کے آپس کے اختلافات، خاص کر اہلِ علم کے اختلاف اور مسلمانوں کے وقت اور مال کے ضیاع پر کڑھتے رہتے تھے۔

ایک دردناک لیکن حضرت رحمہ اللہ کی زندگی کا تابناک پہلو

یہ بھی ہماری قوم کی ایک بڑی کمزوری ہے کہ محسنین کو ستاتی ہے، کبھی کسی شخصیت کو اہتمام سے زینت ملتی ہے، اور کبھی اہتمام مزین ہوتا ہے کسی شخصیت سے، اہتمام کو زینت ملی ہے حضرت رحمہ اللہ کی نسبت سے، جس بستی کا پورے عالم میں حضرت کے ذریعہ تعارف ہوا، اسی بستی کے کچھ عوام اور کچھ خواص نے حضرت والا رحمہ اللہ کو بہت ستایا، کچھ اندرونی اور کچھ بیرونی اثرات (اثرات کا لفظ عموماً جنات کے لئے استعمال ہوتا ہے، علماءِ ربانیین اور اپنے محسنین کو تکلیف دینے والے جنات سے کم نہیں ہوتے)، حضرت والا رحمہ اللہ کی زندگی بڑی پاک اور صاف تھی، اس لئے ان کو کسی اتہام کا تو موقع نہیں ملا، ان ستانے والوں کے نزدیک حضرت رحمہ اللہ کا ایک بڑا قصور یہ تھا کہ حضرت اس بستی سے نہیں تھے جہاں دارالعلوم واقع ہے، بلکہ کا پودرا سے تھے، حالانکہ یہ امر واقعی ہے کہ حضرت خود نہیں آئے تھے، بلکہ بلائے گئے تھے، اور سلاطینِ علم وعمل کا بیک وقت اجتماع اور پھر ان کا اپنی پوری زندگی فلاحِ دارین میں گذار دینا، اسی طرح اکابرینِ امت کی بار بار آمد یہ سب حضرت رحمہ اللہ کی سعی وکوشش، برکت اور رعایت میں تھا، حضرت نے اس کوفت اور ناگوار حالت کو بڑی وسعتِ قلبی کے ساتھ برداشت کیا، ہاں کبھی دلبرداشتہ ہوکر کوئی کلمہ زبان پر آنا یہ انسانی

فطرت ہے، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کو جب کچھ خواص سے آپ کی نیک نامی، شہرت اور وقار برداشت نہی ہوا، اور ان کو بدہضمی ہوگئی، تو انہوں نے آپ کو پیرانہ سالی میں آخری زندگی میں بہت ستایا تو آپ نے بہت برداشت سے کام لیا، لیکن ایک جملہ تو اس عارفِ باصفا کی زبان سے نکل ہی گیا، آپ جس ناحیہ اور حیثیت سے اسے لیں، حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا: ''**الفتنة كانت نائمة فلعنة الله على من أيقظها**'' یہ دردناک پہلو ہے، لیکن پتا نہیں حق تعالی شانہ نے حضرت مفکرِ ملت کے درجات کو اس کے ذریعہ کتنا بلند و بالا کر دیا ہوگا! اور اس میں دوسروں کے لئے سبق کہ کبھی مخلوق سے اپنی خدمات کے کسی صلہ کی امید نہ رکھے، بلکہ ان کی تکالیف سے بچ جائے یہی بہت غنیمت ہے، اور اگر کوئی ناگوار حالت پیش آجائے تو برداشت سے کام لے جیسا کہ حضرت رحمہ اللہ نے کیا۔

جمعِ کتب اور کتب بینی کا وافر شوق

حضرت رحمہ اللہ کو اپنی ذاتی کتب خانہ بسانے اور کتب بینی کا بہت شوق تھا، جہاں جہاں کے اسفار ہوئے، وہاں سے بہت بہت کتابیں خرید کر لائے، اور پھر ان کتابوں کو پڑھتے بھی تھے، عالمِ اسلام اور عالمِ عربی کے مشہور مؤلفین و مصنفین اور ان کی تصنیفات و تألیفات سے حضرت رحمہ اللہ واقفیت رکھتے تھے، اور ان پر بڑا اچھا تلا تبصرہ فرماتے تھے، اس سے بڑا فائدہ ہوا، **فجزاه الله خير الجزاء واحسن الجزاء وأدام الله فيوضه**، حضرت رحمہ اللہ کے ذاتی مکتبہ میں سینکڑوں قیمتی کتابوں کا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا، جو حضرت نے جامعہ قاسم العلوم کھروڈ میں وقف کر دیا جو حضرت رحمہ اللہ کے لئے صدقہ جاریہ ہے، اور ویسے تو جامعہ فلاحِ دارین اور پتا نہیں اور کتنے جامعات حضرت کے لئے صدقہ جاریہ ہیں، اور بے شمار شاگرد صدقہ جاریہ ہیں۔

دوسروں کی خیر خواہی

حضرت رحمہ اللہ میں دوسروں کی خیر خواہی کا مادہ بہت تھا، اس سلسلے میں جہاں جیسی ضرورت ہوتی فہمائش سے کام لیتے، ایک مرتبہ ٹورنٹو میں بندہ بھی حضرت کے ساتھ تھا، کسی نے اپنی ایک پریشانی کا ذکر کیا، تو حضرتؒ پوری توجہ کے ساتھ اسے کچھ بتاتے رہے، اور بندہ کو بھی اسے کچھ بتانے کو فرمایا، بندہ کو اس وقت اپنی زندگی پر بڑی ندامت محسوس ہوئی کہ ہم کسی کی بات کو کس طرح سرسری طور پر لیتے ہیں، اور یہ اہل اللہ کس طرح توجہ کے ساتھ کسی کی بات پر کان دھرتے ہیں، اور کس طرح خیر خواہی کا معاملہ کرتے ہیں، اللہ اکبر۔

اسفار، بیماری، وفات، اور متوسلین و متعلقین

حضرت کے بے شمار اسفار ہند و بیرونِ ہند رہے، حضرت رحمہ اللہ کے ہزار ہا شاگرد و متوسلین دنیا میں بکھرے ہوئے ہیں، علاوہ اس کے حضرت سے نسبی تعلق رکھنے والے افراد بھی دنیا کے مختلف گوشوں میں بکھرے پڑے ہیں، اور حضرت ایک علمی شخصیت تھے، اس لحاظ سے حضرت رحمہ اللہ کے ہند و بیرونِ ہند بہت سے اسفار رہے، اور خلقِ خدا کو خاص کر اہلِ علم نے بہت استفادہ کیا، اور حضرت رحمہ اللہ کے اسفار میں خاص مشغلہ مکتبات کی چھان بین رہی، مغربی لائبریریوں کے بارے میں فرماتے تھے کہ قادیانی اور دیگر باطل فرقوں کی کتابیں رکھی ہوتی ہیں، ہم کو وہ کتابیں ان لائبریریوں میں رکھنا چاہئے جو حق کی ترجمان کرتی ہوں، حضرت مولانا رحمہ اللہ نے ان اسفار کو کتب کی خریداری کا ذریعہ بنایا، کتابوں کی دکانوں پہ جا کر نئی نئی کتابیں ہر علم وفن کی خریدتے تھے، اور حضرت رحمہ اللہ نے اسفار کی مدد سے سینکڑوں کتابوں کو جمع کیا، اور وہ ایک مکتبہ بن گیا، وہ جامعہ قاسم العلوم کھروڈ گجرات میں حضرت کے نام پر مجمع (academy) کے طور پر قائم ہے، اس مجمع کے قیام میں ہمارے رفیق اور ہم بستی شیخ حنیف لوہاروی مدظلہ کی سعی وکوشش کو بڑا دخل ہے، حضرت کچھ برسوں سے بیمار بھی چل رہے تھے، اور بیماری دن بدن بڑھتی ہی چلی گئی، لیکن طبیعت پرسکون تھی، کبھی چہرہ پہ پریشانی کے آثار نہیں دیکھے گئے، اور نہ ہی زبان پر حرفِ شکایت، بہت بہت تو یہ فرماتے، ''کمزوری ہوگئی ہے''، جو امرِ واقعی تھا، پہلے جب حضرت رحمہ اللہ صحتمند تھے تو بندہ حضرت کو اپنے مکان پہ لے آتا تھا، اور شرفِ ضیافت کی سعادت سے بہرہ ور ہوتا تھا، اسی طرح کبھی باہر سے کسی اہلِ علم وفضل کی دعوت ہوتی تھی، اس موقع پہ بھی حضرت رحمہ اللہ کو دعوت دیتا تھا، لیکن حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت جب علیل ہوگئی تو فرمانے لگے کہ مجھ سے کچھ کھایا تو جاتا نہیں، تکلف کیوں کرتے ہو! تو پھر بندہ نے ایک اور راستہ تلاش کیا، اور اس سلسلے میں حضرت رحمہ اللہ کے صاحبزادے حضرت مولانا اسماعیل صاحب مدظلہ کا زندگی بھر ممنون رہوں گا، کیونکہ حضرت مولانا مدظلہ کے تعاون کے بغیر کوئی بھی چیز مشکل تھی، حضرت رحمہ اللہ کی تیمارداری، دیکھ بھال اور پروگرام کے ذمہ دار حضرت مولانا ہی تھے، ٹورنٹو کے ویسٹ (شرق) میں ایک ریسٹورنٹ برار نامی واقع ہے، جہاں فقط کھانے میں سبزی ہی ہوتی ہے اور بڑی لذیذ، اور اس کے ساتھ گرم تندوری نان، تو ہر سال جب حضرت تشریف لاتے تھے تو بندہ کی طرف سے وہاں دعوت ہوتی تھی، اور قریب ہی میں وہاں ''حبیب بک اسٹور'' واقع ہے، جہاں بیروت مصر وغیرہ عالمِ عربی کی عمدہ مطبوعات آتی رہتی ہیں، تو بندہ کی سعی اور کوشش رہتی تھی کہ حضرت اپنی من پسند کی کتابیں خریدیں اور بندہ کی طرف

سے وہ ہدیہ ہوں، اس بہانے سے حضرت رحمہ اللہ کی کچھ خدمت کا موقع مل جاتا تھا، اور دل خوش ہوتا تھا، حضرت کو بندہ جب نقد ہدیہ پیش کرنے کی کوشش کرتا تھا، تو فرماتے تھے کہ آپ نے کتابوں کا ہدیہ پیش کیا تو پھر اس کی کیا ضرورت ہے؟ گذشتہ سال حضرت رحمہ اللہ نے اپنی ذاتی لائبریری کو جامعہ قاسمیہ کھروڈ کو وقف کردیا، تو کچھ لوگوں نے حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کی، تو بندہ کے دل میں بھی حرکت ہوئی، اور ایک ایک طویل نظم لکھ کر حضرت کی خدمت میں خراجِ عقیدت کے طور پر پیش کیا، اہل اللہ اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتے؟ اور اپنی تعریف کسی خاطر میں نہیں لاتے، لیکن محبت کے صلہ میں مذکورہ دعاء لکھ کر بھیجی، جسے بندہ اپنے لئے سعادت تصور کرتا ہے، وہ دعاء ہے، ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بارگاہ الٰہی میں آپ کی سلامتی اور دائمی خوشیوں کے لئے ہر وقت دعا گو ہوں اللہ پاک آپ کا ہمیشہ نگہبان ہو، آپ کو تمام بھلائیاں عطا فرمائے، اللہ رب العزت اپنی خاص رحمت سے آپ اور آپ کے گھرانے پر ہمیشہ مہربان رہے اور اپنی شان وصفات کے مطابق آپ کو خوب خوشیوں سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

صبح بخیر

حضرت رحمہ اللہ کی طبیعت کئی سالوں سے ناساز تھی، لیکن حضرت رحمہ اللہ نے بڑے صبر وتحمل کے ساتھ بیماری کو جھیلا اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں کو اس کا احساس تک نہیں ہونے دیتے تھے، حضرت کی طبیعت وفات سے چند روز قبل زیادہ ناساز ہوگئی، اور یشفین ہسپتال نوساری میں داخل کیا گیا، کچھ روز زیرِ علاج رہ کر گھر واپس آگئے، اس کے بعد ایک مرتبہ تشریف لے جاکر اپنے خون پسینہ سے سینچے ہوئے باغ فلاحِ دارین کی زیارت کی، طلبہ واساتذہ نے آپ کی آخری زیارت کی، پھر کھروڈ ویلکیر ہسپتال میں زیرِ علاج رہے، اور بروز منگل ۲۶ شوال ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۰ جولائی ۲۰۱۸ کو جان جاں آفریں کو سپرد کردی، حضرت کے صاحبزادے مولانا اسماعیل صاحب مدظلہ نے حضرت کی بہت خدمت کی اور واقعی خدمت کا حق ادا کردیا، **فجزاہ اللہ خیر الجزاء**، کسی مولانا مدظلہ نے وفات کے بعد حضرت رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا کہ بالکل جوان ہیں، اور طلبہ کو درس دے رہے ہیں، دریافت کیا کہ حضرت آپ تو بیمار تھے؟ فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے مجھے اچھا کردیا، حضرت مفتی محمود باردولی مدظلہ فرماتے ہیں کہ بندہ نے تدفین کے وقت کہا کہ چہرہ قبلہ کی طرف کردیا جائے تو حضرت کے صاحبزادے نے کہا کہ وفات کے وقت سے ہی قبلہ کی طرف

ہے، جولائی کا مہینہ تھا، انتہائی سخت گرمی، مفتی محمود باردولی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت کے صاحبزادے مولانا اسماعیل نے مجھے قبر میں اترنے کو کہا، گرمی سخت تھی اور میں پسینہ میں شرابور، جب میں تدفین سے فارغ ہوکر قبر سے باہر آ رہا تھا، تو قبر کی طرف سے ایک مفرح ٹھنڈی ہوا کا جھونکا لگا، جس نے دل ودماغ کو معطر کردیا، حضرت مفتی صاحب نے یہ بات تعزیت کے بڑے مجمع میں کہی، اور فرمایا کہ اس میں کسی طرح کی کذب بیانی ہوتو آپ لوگ میدانِ محشر میں میری پکڑ کرنا، ان سب میں نیک فال ہے کہ حق تعالی شانہ کی خوشنودی ورضا جس کے لئے پوری زندگی کی تگ ودو اور دوڑ بھاگ تھی، اسے حضرت نے پالیا، حضرت رحمہ اللہ کے ہزاروں شاگرد دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، حضرت رحمہ اللہ کا ان پر حق بنتا ہے، علماء انبیاء علیہم السلام کی طرح علم ہی میراث میں چھوڑتے ہیں، اور اسی کا دوسروں کو وارث بناتے ہیں، تو حضرت کا سب سے بڑا ادائیگی حق یہ ہے کہ علمی میراث کو عام کیا جائے، حضرت جس دینی وعلمی وعرفانی مشن کو لیکر اٹھے، اور اسے حسنِ تدبر، سعی وکوشش، اخلاقِ عالیہ، اوصافِ حمیدہ کے ذریعہ آگے بڑھاتے رہے، اسے عام کیا جائے، حدیث شریف میں جو آتا ہے، "**عن أبی هريرةؓ أن رسول الله قال :إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث :صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له،** (۱) اس میں "**أو علم ينتفع به**" کا مصداق ایک تو وہ تالیفات وتصنیفات ہیں جو آدمی اپنے پیچھے چھوڑتا ہے، اورلوگ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسرے زندہ کتابیں تلامذہ کی صورت میں، یہ زندہ کتابیں حرکت میں آتی ہیں تو ان کا نفع بڑا عام ہوتا ہے، اسی طرح دوسرے جن ذرائع سے ایصالِ ثواب ممکن ہو۔ حق تعالی شانہ شانہ حضرت کے درجات بلند فرمائے، مقامِ قرب سے نوازے، پسماندگان کو صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمائے، اور باقیات صالحات کو صدقہ جاریہ بنادے۔ آمین یارب العالمین

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبان کرے

۞......۞......۞

(۱) رواہ مسلم

آہ! مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ

مولانا عبدالرحیم لمباڈا❖

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحبؒ اللہ کے نیک صالح بندے تھے جو اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔ آج پورا گجرات بلکہ پورا ہندوستان غمگین ہے، اور ہم لوگ بھی یہاں غمگین ہیں کہ اتنے بڑے انسان جنہوں نے بہت کام کیا وہ اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے اور جو خلاء ہوگیا ہے اللہ پاک اس کو پر کردے اور اچھا نعم البدل نصیب فرمادے۔

پرسوں ہم ہمارے ایک بزرگ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، تو وہ فرمانے لگے کہ ہم کسی کے انتقال پر ''إنا للہ و إنا إلیہ راجعون'' پڑھتے ہیں اور بس۔ اس سے آگے نہیں پڑھتے، حالانکہ حدیث شریف میں اس سے آگے بھی ایک دعا آئی ہے: ''اَللّٰھُمَّ اجُرْنَا فِيْ مُصِیْبَةِ ھٰذِہ، وَأَخْلِفْ لَنَا خَیْراً مِنْھَا'' اے اللہ! اس مصیبت میں ہمیں اجر وثواب دیجئے اور اس سے اچھی چیز ہم کو نصیب کیجئے، یعنی ہم کو ان کا نعم البدل بھی دیدیجئے۔ حدیث شریف میں یہ سکھایا گیا ہے، مگر ہم لوگ نہیں پڑھتے، پچھلے زمانے میں لوگ اس کو پڑھتے تھے، تو جب ۱۵۰ھ میں امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ہوا تو اللہ پاک نے اسی سال ۱۵۰ھ میں امام شافعیؒ کو پیدا کیا۔ چونکہ وہ لوگ اس کو پڑھنے کے عادی تھی تو اللہ پاک نے اس کا بدل بھی دے دیا۔ ہم لوگ یہ دعا نہیں پڑھتے، صرف ''إنا للہ'' پڑھ کر رک جاتے ہیں، حالاں کہ یہ دعا بھی پڑھنی چاہئے، اسی لئے ہم یہ دعا کررہے ہیں حضرت مولانا تو اللہ کی رحمت میں چلے گئے، ہمیں بھی اللہ کے پاس ایک نہ ایک دن جانا ہی جانا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ حضرت مولانا کے بیٹوں کو، بیٹیوں کو، تمام Family Members کو اور تمام علماء کرام کو اللہ پاک اس مصیبت کا اجر عظیم بھی نصیب فرمائے، اور حضرت مولانا کا کوئی اچھا بدل بھی نصیب فرمائے جو حضرت کی فکروں کو لے کر آگے بڑھے۔ اور جس طرح حضرت مولانا نے امت کے لئے بڑے درد کے ساتھ محنتیں کیں، بھاگ دوڑ کیں، ایسا کوئی درد اٹھانے والا ہو جو امت کی خدمت کرے۔ اللہ پاک ہم کو ایسا نعم البدل نصیب فرمائے۔

❖ استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم بری، یوکے

ولادت

حضرت مولانا عبداللہ صاحب پٹیل، کاپودراVillage(گاؤں) کی طرف منسوب ہیں۔حضرت مولانا کی ولادت باسعادت ۱۱؍رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۸؍دسمبر ۱۹۳۳ء کو ہوئی۔ میں نے دیکھا تو میرے والدصاحب کی ولادت ۳؍دسمبر ۱۹۳۳ء تھی،تو والدصاحب کو ڈیڑھ سال ہوااور حضرت مولانا بھی چلے گئے، میں نے یہ بھی نوٹس کیا کہ میرے والد صاحب بھی کافی مدت بیمار رہے۔تقریباً دس سال ہسپتال In&Out رہے۔اور حضرت مولانا بھی بیچارے کافی عرصہ سے بیمار تھے۔ پہلے ہارٹ کی تکلیف بھی، پھر کچھ اور تکلیف ہوگئی، بیچاروں کا ہسپتالوں میں کافی آنا جانا رہا۔

مقامِ ولادت اور نشو ونما

حضرت مولانا کی ولادت برما میں ہوئی تھی، وہاں ایک بستی ہے جس کا نام ہیہو (Heho) ہے،آپ کے والد صاحب وہاں کچھ کام کاج تجارت کے لئے گئے ہوئے تھے۔ان دنوں لوگوں کی وہاں آمد ورفت زیادہ تھی،لیکن وہاں آپ کی تجارت کچھ چلی نہیں تو حضرت کے والدصاحب اپنی فیملی کو لے کر ۱۹۳۵ء میں (جب کہ حضرت دو ہی سال کے تھے) واپس چلے آئے۔آپ کا اصل وطن جیتالی ہے،لیکن آپ کے نانا کاپودرا کے ہیں۔ جب والد صاحب برما گئے تھے تو جیتالی کا اپنا مکان بیچ دیا تھا اور کاپودرا میں مکان بنالیا تھا۔اس لئے جب واپس آئے تو کاپودرا میں قیام ہوا۔اور یہیں پر حضرت مولانا کی ابتدائی تعلیم وتربیت ہوئی۔

مولانا کے والد کا مشائخِ زمانہ سے دعاؤں کا اہتمام

حضرت مولانا اپنی خودنوشت سوانح میں لکھتے ہیں کہ: مجھ سے پہلے ہمارے گھرانے میں پانچ بہنیں ہوئی تھیں،اور پھر میں پیدا ہوا تھا،تو والد صاحب کو اور پورے خاندان کو میری ولادت پر بہت خوشی تھی،اور والد صاحب نے جگہ جگہ مشائخ کو میرے لئے دعاؤں کے خطوط لکھے تھے،حتی کہ اس زمانہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی حیات تھے،ان کو بھی میرے لئے دعا کے واسطے خط لکھا تھا، اور انہوں نے جواب میں لکھا تھا کہ:

’’میں دعا کرتا ہوں‘‘

حضرت نے یہاں نقل فرمایا کہ میرے والدصاحب کے خطوط میں وہ خط محفوظ ہے۔

مولانا کے والد صاحب کا مشائخ سے تعلق

اس کے علاوہ اس زمانہ میں ڈابھیل میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، اور حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہم بھی تعلیم وتدریس کی غرض سے آئے ہوئے تھے، تو والد صاحب کا ان کے پاس آنا جانا بھی، اور والد صاحب بسا اوقات ان کو کاپودرا آنے کی دعوت بھی دیتے تھے، اور ان کی دعوت پر وہ حضرات تشریف بھی لائے تھے۔ ان حضرات کے ساتھ اور حضرت تھانویؒ کے ساتھ تعلق کی برکت سے والد صاحب کا ذہن بہت دینی تھا۔ بلکہ والد صاحب حضرت تھانویؒ کے پاس کچھ وقت گزارنے کے لئے تشریف بھی لے گئے تھے، ان کی خانقاہ میں بھی کچھ دن گزارے تھے۔

اور لکھتے ہیں کہ والد صاحب کا تعلق راندیر میں مولانا محمد حسین صاحب اور مولانا اشرف صاحب سے بھی بہت اچھا تھا، وہ حضرات بھی اور علامہ میرٹھی، علامہ بنوری، مفتی مہدی حسن صاحب؛ یہ بھی کاپودرا آیا کرتے تھے، والد صاحب کا ان سب سے بہت اچھا تعلق تھا۔

خاندان کا پس منظر

خیر! تو برما سے واپس یہاں آکر اپنے کام کاج، کھیتی باڑی میں مشغول تھے۔ حضرت نے لکھا ہے کہ ہمارے خاندان کے لوگ عموماً پڑھے لکھے تھے، انگریزی بھی جانتے تھے، کالج میں جاتے تھے، ان میں کوئی وکیل تھا، کوئی بیرسٹر تھا، اور اس زمانہ میں پٹیل لوگ راجہ کی طرح سے ہوتے تھے، جب انگریز کی حکومت تھی تو انگریز نے ان لوگوں کو بہت Royalty دی تھی اور یہ لوگ بستی میں راجہ کی طرح رہتے تھے، تو پٹیل لوگوں کا ایک رعب اور دبدبہ تھا۔ تو حضرت مولانا لکھتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں بھی سب پڑھے لکھے لوگ تھے، اس لئے سب مجھے بھی اسکول اور کالج میں بھیجنے کا کہتے تھے، کہ وہاں مجھے ایجوکیشن دیں، لیکن چونکہ میرے والد صاحب کی ذہنیت دینی تھی اسلئے وہ مستقیم رہے کہ میں نے اس کو دین پڑھانا ہے، دنیا نہیں پڑھانی۔ اور باوجود گھریلو حالات میں مشکلی کے والد صاحب نے سب برداشت کیا، مجھے دنیا نہیں پڑھائی بلکہ دین کی طرف لگایا۔ اور شروع میں تو مجھے احساس نہیں تھا، لیکن اب جب میں سوچتا ہوں کہ والد صاحب پر گھر میں کیا کیا مشکلات گزرتی تھیں اس کے باوجود والد صاحب نے اس کو پسند نہیں کیا کہ میں کالج جاؤں اور پڑھوں، اچھی Job کروں اور اچھی تنخواہ لاؤں؛ بلکہ میرے لئے دینی تعلیم کو ترجیح دی، اگر والد صاحب مجھے بھی دنیا میں لگا دیتے تو میں بھی آج کسی آفس میں کام کر رہا ہوتا۔

مولانا کا بچپن

والد صاحب کی زیادہ دینی تعلیم نہیں تھی، مگر قرآن مجید کی تلاوت بہت پابندی سے کرتے تھے، دینی کتب کا مسلسل مطالعہ کرتے تھے، علماء وصلحاء کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے مطالعہ کا بہت شوق تھا، کتابیں دیکھتے رہتے تھے، اور عقائد واعمال میں بہت پختگی تھی، اسی لئے مولانا لکھتے ہیں کہ انہوں نے میری تربیت بھی سختی سے کی، اور بچپن ہی سے میرے اندر نماز باجماعت کی پابندی اور تلاوت کی عادت ڈال دی۔

آگے لکھتے ہیں: کہ ہمارے گاؤں میں کچھ لوگ تھے، جو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے متعلق تھے، وہ ایک جگہ کسی کے گھر میں اکھٹے ہوتے اور حضرت تھانوی کے نئے نئے مواعظ آتے تو اس کو پڑھتے، اور تعلیم کرتے اور اس سے استفادہ کرتے۔ حضرت مولانا لکھتے ہیں کہ اس تعلیم کی مجلس میں میں بھی جاکر بیٹھا کرتا تھا، حالانکہ میں چھوٹا بچہ تھا، مجھے کچھ سمجھ نہیں پڑتی تھی، لیکن اس مجلس میں بیٹھنے کی حلاوت اور نورانیت محسوس ہوتی تھی۔ بعد میں پوری زندگی اس کے اثرات رہے۔

مولانا کے پہلے استاذ

بہرحال! حضرت مولانا لکھتے ہیں کہ میری ابتدائی تعلیم گاؤں میں ہوئی، اور میرے پہلے استاذ حافظ ابراہیم بن اسمٰعیل ملاں عمرواڈی تھے۔ (عمرواڈہ ہمارا گاؤں ہے، تو حضرت مولانا کے پہلے استاذ ہمارے گاؤں کے ہیں) حضرت مولانا نے بہت تعریف کی ہے، بڑے اچھے استاذ تھے، خاموش طبیعت تھے، پیار محبت سے پڑھاتے تھے، مار پیٹ نہیں کرتے تھے، لیکن ان کا رعب ایسا تھا کہ بچے خود ہی چل پڑتے تھے۔ ان کو کچھ کرنا نہیں پڑتا تھا، کبھی کوئی بہت شرارت کرے تو صرف ذراسا کان مروڑ ددیتے تھے، کبھی بہت ضرورت پڑ گئی تو ایک آدھ لگا بھی دیتے تھے۔ لیکن بعض جگہوں پر بہت مار پیٹ والا جو ماحول ہوتا ہے، وہ حضرت مولانا کی طبیعت میں نہیں تھا، بہت پیار محبت سے پڑھاتے تھے، اور حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ تو بہت ہی شفقت کا معاملہ تھا، انہوں نے مجھے الف باء سے لے کر قرآن مجید مکمل پڑھایا، اور اردو قاعدہ سے لے کر تعلیم الاسلام، بہشتی ثمر دو حصے اور چہل سبق تک میں نے ان کے پاس ہی پڑھا۔ اور وہ بیک وقت پچیس تیس بچوں کو پڑھاتے تھے، اور ان بچوں میں کوئی الف باء والا بھی ہے، کوئی پارۂ عم والا بھی ہے، کوئی قرآن مجید والا بھی ہے، اور کوئی اردو والا بھی ہے اور کوئی بڑی کتاب والا بھی ہے، سب کو پڑھاتے تھے اور اپنے وقت میں ہی سب کی تعلیم پوری کر لیتے تھے، کسی میں کوئی کسر نہیں رہنے دیتے تھے، ایسے ماہر استاذ تھے۔

مولانا ڈابھیل میں اور وہاں کے اساتذہ

آگے فرماتے ہیں کہ میری اسکول کی تعلیم گاؤں میں ہی ہوئی، گاؤں کی لوکل اسکول میں گیا، گجراتی میں نے پانچ کلاس پڑھی اس کے بعد ۱۹۴۴ء میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں داخلہ لیا، اس وقت جامعہ ڈابھیل کی کافی شہرت تھی، بڑے اساتذہ بھی تھے، تو وہاں مولانا عبدالحی بن مفتی بسم اللہ کے پاس فارسی اول، دوم اور عربی اول پڑھا۔ حضرت مولانا عبدالحی بن مفتی بسم اللہ؛ یہ بڑے قابل استاذ تھے۔ افہام تفہیم کا اللہ نے ان کو بڑا ملکہ دیا تھا، بہت اچھی طرح پڑھاتے تھے۔ اس کے نورالایضاح، قدوری، علم الصیغہ، بحرالادب، تیسرالمنطق وغیرہ مولانا محمد ابراہیم صوفی ڈابھیل سے پڑھا جو صوفی صاحب سے پہچانے جاتے تھے۔

کتابوں کے شوق کی ابتداء

فرماتے ہیں کہ: استاذ کا گھر تو سملک میں تھا لیکن مدرسہ کے ساتھ ان کا ایک حجرہ تھا، جس میں ان کی کتابیں رہا کرتی تھی، تو میں وہاں جا کر ان کی کتابیں دیکھتا تو اس میں ایک کتاب تھی حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کی سیرت پر علامہ شبلی نعمانی کی ''الفاروق'' تو میں استاذ کے حجرہ میں بیٹھے بیٹھے اس کو پڑھتا رہتا تھا، اور پوری کتاب پڑھ گیا تو اس سے مجھے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ اور خارجی کتابیں جو مدرسہ کے اسباق سے متعلق نہیں ہیں ان کو پڑھنے کا شوق ہو گیا، اس لئے خارجی کتابیں بھی بہت اسٹڈی کرتا رہتا تھا۔ تو کتابیں دیکھنے کا شوق وہاں سے شروع ہوا۔

مولانا دیوبند میں

آگے لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۸ء میں دیوبند کا سفر ہوا، پڑھائی کے لئے دیوبند گئے۔ لکھتے ہیں کہ مدرسے والے ناراض تھے، میرے والد صاحب بھی ناراض تھے، لیکن مجھے ایک دھن چڑھ گئی تھی کہ مجھے تو دیوبند ہی جانا ہے اور میں چلا گیا۔

اب مجھے افسوس بھی ہو رہا ہے، اور میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔ اپنے بڑوں کا کہنا مانتا تو اچھا رہتا۔ لیکن جوانی کا ایک جنون ہوتا ہے، اس لئے وہاں چلے گئے ہوں گے، وہ زمانہ وہ تھا کہ Partition ہوا تھا، اور ہر جگہ بہت انتشار، خلفشار زور وشور پر تھا، مگر میں الحمد للہ کسی طرح وہاں پہنچ گیا۔ اور وہاں کنزالدقائق، شرح جامی میں داخلہ لے لیا۔ ایک سال پڑھا۔

دیوبند سے واپسی، ڈابھیل سے فراغت

دوسرے سال پھر آگے کی کتابوں میں داخلہ لیا، لیکن اس سال میں بیمار ہوگیا تو دوائی لینے سہارنپور گیا تو وہاں ڈاکٹر نے کچھ غلط دوائی دے دی، اس سے طبیعت زیادہ بگڑ گئی، تو مشورہ یہ ہوا کہ ان کو گھر واپس بھیج دو، تو مجھے گھر بھیج دیا گیا، واپس گجرات آیا، گھر پہنچا، علاج معالجہ ہوا، دوڈھائی مہینے اسی میں لگ گئے، مجھے تو کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا تو جامعہ ڈابھیل میں پھر سے پڑھنے کے لئے گیا تو Middle Of The Year تھا، اس لئے جو جماعت مل گئی اسی میں بٹھا دیا گیا۔

اس کے بعد والے سال پھر تعلیم جاری رکھی، یہاں تک کہ مشکوٰۃ اور دورہ حدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں مکمل کیا۔ وہاں پر بخاری شریف حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ سے پڑھی۔ پھر ۱۹۵۳ء میں وہاں سے سند فراغت حاصل کی، اس کے بعد دو چار سال تک مختلف کام کاج ادھر ادھر کرتے رہے۔ پھر ۱۹۵۹ء، ۱۹۶۰ء میں واپس دیوبند پڑھنے کے لئے گئے۔

حضرت شیخ الاسلام کی صحبت میں

حضرت مولانا سملک میں کام کاج میں لگ گئے تھے، اسی دوران حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کا گجرات کا دورہ ہوا تو جہاں کام کررہے تھے وہاں سے ایک مہینے کی چھٹی مانگی۔ انہوں نے چھٹی دینے سے انکار کیا تو حضرت مولانا نے استعفیٰ دے دیا، اور ایک مہینہ گجرات کے دورہ میں حضرت شیخ الاسلام کے ساتھ آپ کی خدمت میں رہے۔

حضرت شیخ الاسلام کے کمرہ میں شب باشی اور اس کا منظر

ایک دفعہ حضرت مولانا نے فرمایا کہ: حضرت شیخ الاسلامؒ کا سب سے عجیب واقعہ میں نے کوساڈی میں دیکھا۔ حضرت جس گھر میں آرام فرمانے والے تھے وہ حضرت کے خادم خاص حافظ محمد کا تھا۔ حضرت کا حکم یہ تھا کہ سب کو کمرے سے باہر بھیج دو، پھر میں آرام کروں گا۔ میں نے حافظ محمد سے یہ کہا کہ یار! آج مجھے حضرت کے کمرے میں لیٹنے کی اجازت دیدو، انہوں نے کہا حضرت ناراض ہوجائیں گے۔ (اچھا اس وقت یہ لائٹیں نہیں تھیں، فانوس رکھا ہوا تھا) میں حافظ صاحب سے کہا کہ فانوس ہلکا کردو، میں کسی کونے میں پڑا رہوں گا۔ اصل میں میں حضرت کے رات کے معمولات دیکھنا چاہتا تھا۔ تو انہوں نے کہا: یار! تو مجھے

ڈانٹ پلوائے گا میں نے کہا: میں بالکل خاموشی سے ایک کونے میں چادر اوڑھ کر پڑا رہتا ہوں۔ کہا: ٹھیک ہے۔تو اس طرح میں کمرے میں رک گیا۔

میں نے کیا دیکھا کہ جب سب لوگ باہر چلے گئے تو حضرت نے سب سے پہلا کام یہ کروایا کہ حافظ صاحب سے کہا: یہ جو بستر اور اس پر جو چادر بچھی ہوئی ہے، اس کو لپیٹ کر نیچے رکھ دو۔(ہمارے یہاں گجرات میں مہمان کے لئے عمدہ موٹا گدا اور خوبصورت چادر بچھائی جاتی ہے،حضرت نے اس کو لپیٹ کر رکھوادی)اور حضرت اپنے ساتھ دیوبند سے جو بستر لائے تھے اس کو کھلوایا،اس میں ایک موٹی چادر تھی جس کو دیوبند کی زبان میں ''دوتئ'' کہتے ہیں۔اس کو چارپائی پر ڈالی،اور چمڑے کا ایک تکیہ حضرت اپنے ساتھ رکھتے تھے جس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی،تو حضرت نے وہ تکیہ رکھا۔ پھر سرمی دانی نکالی اور بیٹھ کر پہلے تو آنکھوں میں سرمہ لگایا اور پھر حضرت لیٹ گئے۔

اچھا! ہم تو سو گئے، ساڑھے تین یا پونے چار بجے یکا یک مجھے ایک آواز سی محسوس ہوئی تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا کہ یہ آواز کس چیز کی ہے تو دیکھ رہا ہوں کہ حضرت مدنیؒ سجدے میں رو رہے ہیں۔(حضرت شیخؒ نے آپ بیتی میں ایک جملہ لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد صاحب اور حضرت مدنی سے زیادہ رونے والا کسی کو نہیں دیکھا)سجدے میں سے ایسی آواز آرہی تھی کہ حدیث شریف میں ایک جملہ پڑھا تھا:''لَـــهٗ أَزِيْـــزٌ كَـــأَزِيْزِ الْـمِرْجَلِ'' رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک سے ایک آواز نکلتی تھی ہانڈی کے ابلنے کی آواز کے مانند۔تو یہ لفظ تو پڑھ لیا تھا،لیکن یہ ''أَزِيْزِ الْـمِرْجَلِ''،کیسی ہوتی ہے، میں نے حضرت مدنیؒ میں دیکھا۔اور وہ عجیب کیفیت تھی جو نماز میں حضرت رو رہے تھے، میں نے سوچا کہ اللہ اکبر! یہ شخص رات کے ایک بجے جلسے سے واپس آئے ہیں اور ساڑھے تین بجے سسکیاں مار کر رو رہے ہیں۔

اچھا! فجر کی نماز سے پہلے حضرت نے اپنا بستر اتر والیا،اور حافظ صاحب سے فرمایا کہ: حافظ جی وہ جو بستر لپیٹ کر رکھ دیا ہے،اس کو بچھا دو، میں نے کہا کہ صاحبِ مکان تو یہی سمجھیں گے کہ حضرت نے ہمارے بستر پر آرام فرمایا ہے لیکن حضرت نے اس پر آرام نہیں فرمایا تھا۔ یہ واقعہ ان آنکھوں نے دیکھا ہے۔

مولانا دوبارہ دیوبند میں

خیر! ۱۹۵۹ء میں حضرت مولانا دیوبند پہنچے تو حضرت شیخ الاسلام کا تو انتقال ہو چکا تھا، اس لئے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کا انتقال ۱۹۵۷ء میں ہوا ہے۔ وہاں کچھ دوسرے فنون کی کتابیں پڑھیں، اور وہاں دوبارہ دورہ حدیث کی کتابیں بھی پڑھیں۔حضرت مولانا فخر الدین صاحب سے بخاری شریف پڑھی۔اور

علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے مسلم شریف پڑھی۔ طحاوی شریف اور رسم المفتی کے کچھ اسباق مفتی مہدی حسن صاحب سے پڑھے۔

علامہ بلیاویؒ کے سبق کا نقشہ

ایک دفعہ میں نے حضرت مولانا سے سنا کہ علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ کو سبق کے لئے ان کے گھر لینے جانا پڑتا تھا، تو ہم طلباء کی جماعت ٹولی بنا کر جاتے تھے، علامہ ابراہیم بلیاویؒ بہت شاہی مزاج کے تھے، بعض مرتبہ ہم جب لینے کیلئے جاتے تو فرماتے: بھائیو! مسلم شریف پڑھانے کے لئے تو نشاط اور چستی کی ضرورت ہے، آج طبیعت میں نشاط اور دل بستگی نہیں ہے؛ جاؤ! آج سبق کی چھٹی۔ تو حضرت کو تیار کرنا پڑتا تھا کہ حضرت! چلئے، تشریف لائیے، سب طلباء آپ کے منتظر ہیں، آپ کے دیدار کے مشتاق ہیں، آپ کے بغیر سبق نہیں ہوگا۔ پھر حضرت کی طبیعت میں بشاشت آتی اور ہم کتاب اٹھا لیتے تو حضرت چل پڑتے اور سبق پڑھانے آتے تھے۔ علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ امام المعقولات تھے۔

مشائخ سہارنپور، رائے پور، ندوہ سے استفادہ

حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ دو سال وہاں رہا، اس دوران سہارن پور بھی جانا ہوتا رہا، مشائخ سے تعارف رہا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ سے مسلسلات کی سماعت کی۔

اسی طرح رائے پور بھی جانا ہوا، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی مجلس میں بھی حاضری دی۔

اور دیوبند سے ندوہ بھی جانا ہوا اور وہاں کے جو اکابر تھے جیسے مولانا عبدالماجد دریابادی سے بھی ملاقات ہوئی، ان کے علاوہ مولانا عبدالباری ندوی، مولانا سید عبدالعلی الحسنی، مولانا منظور نعمانی، مولانا ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی وغیرہ سے ملاقاتیں اور استفادہ کا موقعہ ملتا رہا۔

عربی ادب کے ذوق کی ابتداء

حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ: جب میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھ رہا تھا اس سال میری خوش نصیبی تھی کہ جامعہ ازہر سے ایک استاذ وہاں بھیجے گئے تھے، ان کا نام تھا شیخ محمود مصری طنطاوی۔ تو مجھے ان سے بھی استفادہ کا موقعہ ملا، میں نے ان سے نحو کی بعض کتابیں پڑھی، اور جدید عربی ان سے حاصل کی۔ اسی وجہ سے حضرت مولانا کو جدید عربی سے بھی اچھا خاصہ لگاؤ تھا۔

کینیڈا میں عربی بیان

بلکہ ایک جگہ میں نے آپ کے احوال میں پڑھا کہ جب وہ کینیڈا گئے تو Montreal والوں نے آپ کو بلایا، جب آپ گئے تو جس مسجد میں جمعہ سے پہلے بیان تھا وہاں اکثر عرب لوگ تھے، حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ وہ سب مجھ سے عربی باتیں کررہے تھے، تو میں نے سوچا کہ آج عربی میں ہی تقریر کرتا ہوں۔ تو میں پورا بیان عربی میں کیا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ چونکہ عربی میں بولنے کی مشق نہیں تھی اس کے باوجود میں نے کوشش کر کے عربی میں ہی بیان کیا۔ نماز کے بعد ان عرب حضرات نے پسند کیا اور سراہا۔

تو حضرت مولانا کو جدید عربی میں بھی بہت مہارت تھی، یہ ان کے ان استاذ کی برکت تھی جو اس وقت وہاں سے مبعوث تھے۔

ڈابھیل میں تدریس

وہاں سے فارغ ہوکر ۶۰ء میں واپس آئے تو ۶۱ء میں مولانا سعید سملکی صاحب نے آپ کو دعوت دی اور آپ کو وہاں مدرس مقرر کیا۔ شروع میں عربی اول کی کتابیں، پھر ہر سال اوپر کی بڑی کتابیں ملتی گئیں اور ترقی کرتے رہے اور وہاں پانچ سال تک تدریس فرمائی۔

مولانا فلاح دارین میں

اس کے بعد فلاح دارین والوں نے آپ کو دعوت دی، مشورہ کے بعد وہاں تدریس کے لئے تشریف لے گئے، لیکن وہاں اہتمام میں کچھ خلاء ہوا تو راوت فیملی نے مشورہ کر کے حضرت مولانا سے کہا کہ آپ اہتمام کو سنبھالئے، تو فرماتے ہیں کہ میں جنوری ۱۹۶۶ء میں وہاں گیا تھا اور مارچ ۱۹۶۶ء میں مجھے اہتمام سپرد کردیا گیا، اس وقت سے آپ وہاں پر ناظم اور متولی کی حیثیت سے رہے۔ تقریباً ۲۷/سال تک اہتمام کی یہ خدمت انجام دی۔

فلاح دارین کے لئے دل وجان سے محبت

تو بات اس وقت کی چل رہی تھی جب فلاح دارین پہنچے تھے۔ باقی اس کے بعد سے مولانا نے فلاح دارین کے لئے جو دل وجان سے محنت کی، کسی کی کوئی پرواہ نہیں کی، لگے رہے، لگے رہے۔ حضرت مولانا کی بہت مدبرانہ شان تھی، اللہ پاک نے صلاحیت بھی بہت اچھی دی تھی، کتابوں پر عبور بھی تھا، شروع میں تو خود

ہی بہت سی کتابیں پڑھاتے تھے،لیکن جب اہتمام کی فکر بڑھ گئیں تو پھر پڑھانے میں کمی کردی۔

قابل اساتذہ کو باہر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر لائے،ندوہ جاتے وہاں سے اچھے استاذوں کو لے آتے۔ ہر فن کے ماہر استاذوں کو جمع کیا،اور مدرسہ میں صاف صفائی کا بڑا اہتمام فرماتے۔

میٹھے بول میں جادو گونا گوں صفات

میرے دوست مولانا احمد ٹنکاروی صاحب میرے ساتھ سہارن پور میں پڑھے، مجھے مولانا کے حال احوال سنایا کرتے تھے، کہتے تھے کہ حضرت مولانا کی ایک صفت یہ تھی کہ ہر طالب علم کا نام یاد کر لیتے۔ پھر جب ضرورت ہوتو اس کو اس کے نام سے پکارتے۔

حضرت مولانا کہا کرتے تھے: ایک کتاب ہے،''میٹھے بول میں جادو'' اس کو پڑھو! اس میں بڑی حکمت کی باتیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں سے حضرت مولانا نے بات نوٹ کی ہو۔

حضرت مولانا میں تواضع بہت تھی۔ اگر مدرسے کے احاطہ میں کوئی کچڑا پڑا ہوا نظر آتا تو خود ہی اس کو اٹھا کر Dustbin میں ڈال دیتے تاکہ طلباء دیکھیں تو ان کو بھی سبق ملے کہ کچڑا ادھر ادھر نہیں پھینکنا چاہئے۔

نماز کا اہتمام اور طلباء پر نظر

نماز میں ہمیشہ سب سے پہلے آجاتے، فجر میں سب سے پہلے پہنچ جاتے۔ تہجد کے پابند تھے، اور تہجد سے فارغ ہوکر سب سے پہلے مسجد میں آجاتے اور بیٹھ کر اپنا قرآن پڑھتے رہتے۔ تو اس سے طلباء کو بھی فکر ہوتی اور وہ بھی نماز میں اہتمام سے آیا کرتے۔

مولانا ادریس فلاحی صاحب لیسٹر والے مولانا کے حالات ''تذکرۂ رئیس'' میں لکھتے ہیں کہ:

شروع میں طلباء میں نماز کا کوئی روٹین نہیں تھا، تو جو آتا مصلّے پر کھڑا ہو جاتا۔ اب ظاہر ہے کہ ہر طالب علم کی تجوید اتنی اچھی نہیں ہوتی، تو کوئی طالب علم تجوید کی غلطیاں بھی بھی کر جاتا۔

ایک دن حضرت مولانا نے مجھ سے کہا کہ مولوی ادریس! جو طلباء اچھا قرآن پڑھتے ہیں ان کی ایک لسٹ بنا کر مجھے دو۔ تو میں نے چالیس طلباء کے نام لکھ کر دیئے، تو حضرت مولانا نے اس میں سے تیس کا انتخاب کیا اور مجھ سے فرمایا کہ ان سے کہو، کہ مہینے میں ایک دن تمہاری باری آئے گی۔ اچھی طرح تیاری کرکے آنا اور اچھی طرح نماز پڑھانا، مہینے میں ایک دن پانچ نمازیں پڑھانی ہوگی، تو اب طلباء اچھی طرح تیاری کرکے آتے۔

فجر کی نماز میں تلاوت کا واقعہ

فرماتے ہیں کہ: ایک دن ایک طالب علم نے فجر کی نماز میں جو تلاوت کی تو پورے مجمع کو ہلا دیا، سب مقتدی عش عش کرنے لگے، میں حضرت مولانا کے بازو میں تھا، حضرت مولانا کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل رہے تھے۔ سلام پھیرنے کے بعد فرمایا: اس طالب علم نے آج کیا قرآن سنایا ہے! میرا جی چاہتا ہے کہ اس کی پیشانی کو بوسہ دوں۔ پھر حضرت مولانا نے اس کو بلا کر داد دی اور شاباشی دی، اور خوب ہمت افزائی فرمائی، کہ بہت اچھا پڑھتے ہو، اسی طرح پڑھتے رہو۔ تو حضرت مولانا ہر چیز پر نظر رکھتے تھے۔

ایک مہتمم کا سا رعب

بلکہ مولانا ادریس صاحب وہاں لکھتے ہیں کہ: جب صبح مدرسہ کا ٹائم ہوتو اس وقت مدرسہ کے Entrance پر کھڑے ہوجاتے تھے، کیا مجال ہے کسی طالب علم کی یا کسی مدرس کی کہ وہ لیٹ آئے، سب ٹائم پر اندر آجاتے تھے، حتی کہ حضرت مولانا ابراہیم صاحب دھلویؒ بھی فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ مولوی ادریس سے فرمایا کہ مولوی ادریس! تم جانتے ہو کہ میری تو بیماریاں ہیں، امراض ہیں اور مجھے دشواری بھی ہوتی ہے، لیکن مہتمم صاحب کا رعب کچھ ایسا ہے کہ میں بھی وقت سے پہلے ہی پہنچ جاتا ہوں، لیٹ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

حق گوئی کا واقعہ

حضرت مولانا وقت کے بہت پابند تھے، وقت میں ذرا بھی ادھر ادھر ہوتو بہت غصہ ہوجاتے تھے۔ ایک دفعہ ہم کینیڈا میں ایک ولیمہ میں تھے، تو وہاں چھ بجے کا وقت دیا گیا تھا۔ اب حضرت مولانا تو آگئے، میں بھی پہنچ گیا تھا، اور دوسرے لوگ بھی دھیرے دھیرے آرہے تھے، لیکن کھانا نہیں آرہا ہے، یہاں تک کہ سات بج گئے، آٹھ بج گئے، نو بج گئے، سب انتظار میں ہیں کہ پتہ نہیں کھانا کب آتا ہے؟ ادھر ادھر کے پروگرام قراءت بیان وغیرہ ہوتا رہا، تو حضرت مولانا بہت غصہ ہوئے اور جو گرم ہوئے ہیں، جو گرم ہوئے؛ اوہ بابا! فرمانے لگے: تم لوگ یہاں آئے ہو، انگریز کو دیکھ کر کچھ سیکھتے نہیں ہو؟ یہ لوگ ٹائم کے کتنے پابند ہیں۔ تم لوگ ابھی بھی ہندوستان ہی میں گھوم رہے ہو؟ اور ہندوستانی ٹائم ہی یہاں بھی چلا رہے ہو؟ ہم کو چھ بجے سے بلا کر بٹھا رکھا ہے اور کھانا دس بجے دے رہے ہو؟ تمہارے اندر وقت کی پابندی کب آئے گی؟ اور یہ بیماری کب دور ہوگی؟ حضرت مولانا نے بہت ڈانٹا، بہت ڈانٹا۔

تو یہ وقت کی پابندی حضرت مولانا میں بہت تھی کہ جس ٹائم جو کام کرنا ہے اسی وقت کرنا ہے۔اس میں آگے پیچھے تخلف بالکل نہیں ہونا چاہیے۔

یہ آپ کی گونا گوں صفات تھیں۔ مدرسہ میں بھی انہوں نے یہ چیزیں لاگو کردی تھی۔اوراس کے علاوہ حضرت مولانا صرف مدرسہ ہی میں نہیں، بلکہ جمعہ کوقرب وجوار کی خدمت کرتے تھے، جمعہ کو کبھی سورت جانا ہوا، کبھی کسی گاؤں جانا ہوا۔کبھی کسی سوسائیٹی کی میٹنگ میں شرکت کے لئے جانا پڑتا، کبھی کہیں اور جگہ مشورے کے لئے جانا پڑتا۔

برکتی رومال کا واقعہ

ایک دفعہ مولانا فرمانے لگے: مولانا غلام وستاوی (یہ ترکیسر ہی میں پڑھے ہوئے ہیں، مولانا کے شاگرد ہیں، بلکہ ہر وقت کی حاضر باشی کی وجہ سے بعض مہمان ان کو حضرت مولانا کا بیٹا سمجھتے تھے) سورت میں کہیں بطور خادم میرے ساتھ آئے ہوئے تھے۔حضرت مولانا اپنے ساتھ ایک سفید رومال رکھا کرتے تھے۔میٹنگ میں بیٹھے ہوئے تھے، مشورہ ہوا اور بیان بھی ہوا۔اب حضرت مولانا وہ اپنا رومال کہیں بھول گئے، خیر! گھر پہنچ گئے، دوسرے دن مولانا غلام صاحب سے پوچھا کہ مولوی غلام! ہم وہاں گئے تھے تو میں رومال بھول گیا تھا۔مولانا غلام صاحب کہنے لگے: حضرت! وہ میں نے لے لیا تھا، اور آپ کا رومال میں نے اپنے پاس برکت کے لئے رہنے دیا ہے۔تو حضرت مولانا فرماتے ہیں: میں نے اس وقت تو صبر کرلیا۔ دوسری دفعہ کہیں اور سفر میں جانا ہوا، پھر میں رومال بھول گیا، پھر مولوی غلام سے پوچھا کہ میرا رومال وہاں سے لیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت! میں نے لے لیا ہے اور میں نے رکھا ہے۔ فرمانے لگے: ارے مولوی غلام! لاؤ بھائی! میرا رومال لاؤ تم سورت جانا اور ایک درجن رومال لاکر مجھے دے دینا میں سب جگہ جاؤں گا اور بھول جاؤں گا، اور وہاں سے برکت کے لئے اٹھالیا کرنا لیکن ابھی تو میرا یہ رومال لاؤ، واپس کرو۔

تو حضرت مولانا کی طبیعت میں ظرافت تھی۔ بہت ہنس مکھ اور خوش مزاج تھے۔تو یہی اوصاف تھے جن سے وہ لوگوں کا دل جیت لیتے تھے۔

آم کا رس بھی نہ چھوٹے!

مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مولانا نے فرمایا: جن دنوں میں ترکیسر میں تھا ان دنوں مجھے گھٹنوں

میں درد شروع ہو گیا۔ گاؤں میں جو ڈاکٹر ہوتے ہیں ان میں سے کسی کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ گھٹنوں میں بہت درد ہے۔ تو اس نے کہا: مولوی صاحب! آم کا سیزن آیا ہے نا؟ آپ آم کا رس پیتے ہوں گے؟ اس سے آپ کے گھٹنوں میں درد ہو رہا۔ تو حضرت مولانا نے فرمایا:

میں اس لئے نہیں آیا کہ تو میرے آم کا رس بند کردے، بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ تو کوئی ایسی دوا دے کہ میرا آم کا رس بھی چالو رہے اور گھٹنے بھی نہ دکھیں۔ وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ یہ پاؤڈر لے جائیے، آم کے رس میں یہ پاؤڈر ڈال کر پی لیا کیجئے، اس سے ان شاء اللہ آپ کو درد نہیں ہوگا۔

ری یونین کے سفر کا لطیفہ

ایک مرتبہ فرمایا: میں جب پہلی مرتبہ ری یونین گیا تو حاجی یوسف راوت صاحب کے یہاں دعوت تھی۔ کھانا رکھا گیا تو میں نے یہ سمجھ کر کہ یہی پورا کھانا ہے اپنی پلیٹ بھر لی اور کھانے لگا میرے برابر میں میرے دوست بیٹھے تھے وہ ہنستے ہوئے میرے کان میں بولنے لگے۔

یہ پھنس گیا ہے۔ اب مجھے سمجھ ہی نہ پڑے کہ کیا پھنس گیا ہوں۔ پھر جب فارغ ہوئے تو وہ پلیٹیں اٹھائی گئیں اور دوسری پلیٹیں رکھی گئی۔ اس کے بعد اصل کھانا آیا۔ ہم نے جو کھایا تھا وہ تو صرف Starter تھا۔ اب میرا پیٹ بھر گیا تھا، تب سمجھ پڑی کہ پھنسنے کا کیا معنی ہیں۔

حضرت مولانا کی کچھ باتیں ہیں۔ اصل میں حضرت مولانا یہاں پر تشریف لایا کرتے تھے تو آپ کے پاس بیٹھ کر کچھ باتیں سنی تھیں، وہ باتیں یاد آرہی ہیں۔ مرنے والوں کی اچھی اچھی باتیں ہی یاد کرنی چاہئیں۔ اور ان چیزوں میں سبق مل رہا ہے نا! سیکھنے کو مل رہا ہے۔

کینیڈا میں بھی تدریسی مشغولی

وہاں ترکیسر میں حضرت مولانا تقریباً ۱۹۹۶ء تک خدمت انجام دیتے رہے، پھر حضرت مولانا کی طبیعت بھی کچھ ناساز رہنے لگی، تو پھر حضرت مولانا نے اپنا کام کچھ ہلکا کر دیا۔ صرف سر پرستی رکھی، اور مہتمم کسی اور کو مقرر کر دیا۔ پھر حضرت مولانا کا کینیڈا کا سفر ہوا، اور کچھ مدت وہاں بھی قیام فرمایا۔ جب کینیڈا گئے تو وہاں بھی ایک مدرسہ میں حضرت مولانا نے پڑھانا شروع کر دیا تھا، کچھ گھنٹوں کے لئے وہاں جاتے تھے اور پڑھاتے تھے، پڑھانے کا سلسلہ بند نہیں کیا تھا۔

کینیڈا جاتے ہوئے یہاں انگلینڈ بھی آتے تھے، یہاں مولانا اسماعیل صاحب تھے اور لندن میں

ان کے بھائی حافظ ابراہیم تھے تو کچھ دن لندن میں رہتے اور کچھ دن یہاں بولٹن میں رہتے اور پھر یہاں سے کینیڈا حافظ قاسم کے یہاں جاتے۔ وہاں حضرت مولانا کی بیٹیاں بھی ہیں، تو وہاں بھی مولانا قیام فرماتے۔

میرے والد کے ساتھ کا تعلق

جب یہاں بولٹن میں ہوتے تو میرے والد صاحب کا معمول تھا کہ جب ان کو پتہ چلتا کہ مولانا عبد اللہ صاحب آئے ہیں تو فوراً وقت نکال کر ملنے کے لئے جاتے۔ حضرت مولانا کو دعوت دیتے، گھر پر دعوت بھی کھاتے، ورنہ صرف چائے پانی کے لئے آتے۔ ہمارے والد صاحب کی اس وقت دکان تھی تو ہماری والدہ صاحبہ جلدی سے سموسے، اور میتھی کے بھجیے، پکوڑے، کباب وغیرہ بنا کر چائے وغیرہ اوپر بھیج دیتی تھیں۔ وہ حضرت مولانا کو بہت اچھا لگتا تھا۔ ابھی پچھلے سفر میں جب تشریف لائے تھے تو میں والد صاحب کے ساتھ گیا تھا تو وہ سب یاد کرنے لگے کہ:

تو یہ سب یاد رکھتے تھے۔ تو یہاں جب رہتے تھے اور مولوی اسمعیل کے گھر جب ملنے کے لئے جاتے تھے تو اس وقت کی کچھ باتیں ہیں جو بیان کر دیں۔

صاحبزادہ مولوی اسماعیل صاحب کی خدمت میں

مولوی اسماعیل کو اللہ پاک جزائے خیر دے، ان کی والدہ کا انتقال ۲۰۰۶ء میں ہو گیا تو انہوں نے سوچا کہ اب تو والد صاحب اکیلے ہیں تو وہ بیچارے انگلینڈ چھوڑ کر انڈیا چلے گئے، اور مستقل والد صاحب کی خدمت میں ہی ہر وقت رہنے لگے۔ ان کی اہلیہ نے بھی بہت خدمت کی۔

حضرت مولانا کی اہلیہ محترمہ کی خدمتیں

مولوی اسماعیل صاحب کی والدہ نے بھی حضرت مولانا اور بچوں کی بہت خدمت کی تھی۔ ان کی والدہ بہت خدمت گزار تھیں، مہمان نواز تھیں، باہر سے ترکیسر میں مہمان آجاتے تھے تو بالکل گھبراتی نہیں تھیں، ہمت نہیں ہارتی تھیں، برابر مہمانی کرتی تھیں، حتی کہ بعض دفعہ عرب کے مہمان آتے، دور دراز کے مہمان آتے، مولانا ادریس صاحب نے لکھا ہے کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ایک دن میں تین تین دفعہ مہمان آگئے۔

ایک دفعہ تو رات میں مہمان آ گئے۔ بچے چھوٹے تھے جو سب سو چکے تھے۔ حضرت مولانا جاگ رہے تھے، بس! سونے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ مہمان آ گئے۔ حضرت مولانا نے رواداری کی اور پوچھ لیا کہ آپ نے کھانا کھایا ہے؟ انہوں نے کہا: حضرت! ہم تو صبح سے سفر میں نکلے ہوئے ہیں، کہیں کوئی ہوٹل ملا ہی نہیں، اور ہم نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ تو جلدی سے گھر والوں کو جگایا کہ مہمان آئے ہیں، ذرا کچھ پکا دو۔ انہوں نے جلدی جلدی کھانا بنایا، اس زمانہ میں تو فریج بھی نہیں تھے، تازہ کھانا پکانا پڑا۔ تو اس طرح انہوں نے بھی بہت خدمت کی۔

اللہ پاک ان کو بھی غریق رحمت کرے، اور جزائے خیر دے، درجات بلند کرے، تو حضرت مولانا کے گھر والوں نے اور پھر مولانا اسماعیل کے گھر والوں نے بھی مہمانوں کی بڑی خدمت کی۔ تو اللہ پاک ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

پوری زندگی فلاحِ دارین سے ربط

حضرت مولانا نے کینیڈا میں کچھ دن گزارے، لیکن فلاح دارین سے ربط و تعلق Contact برابر رہا۔ شروع سال میں وہاں جانا، اور سب چیزوں پر دیکھ ریکھ رکھنا۔ اخیر سال میں جلسے میں وہاں اہتمام سے پہنچنا، یہ سرپرستی تو جاری ہی تھی۔ اسی لئے ان کو رئیس کہتے ہیں کہ فلاحِ دارین کے رئیس اور سرپرست کی آپ کی حیثیت تھی۔

مختلف لائبریریوں کا تذکرہ

ایک دفعہ فرمانے لگے کہ: جب میں امریکہ گیا تو Princeton Library گیا، کیسی زبردست لائبریری ہے۔ فلاں شہر میں گیا تو وہاں کی لائبریری دیکھی۔ جب یہاں بھی آئے تھے تو British Museum اور British Library دیکھنے گئے تھے۔ آکسفورڈ دیکھنے کیلئے گئے۔ یعنی ان کو شوق بہت تھا اور کتابوں سے تو عشق تھا، نئی نئی کتابیں منگواتے رہتے تھے۔ اور جو لائبریری جمع کر دی ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے۔ اپنی پرسنل لائبریری میں بے شمار کتابیں جمع کی ہیں۔

شیخ عبداللہ کا پودروی اکیڈمی

اور دیکھا کہ کھروڈ کا مدرسہ گاؤں سے قریب ہے، اور وہاں علماء، طلباء کو اس سے استفادہ کا اچھا موقع رہے گا تو اپنی ساری کتابیں مدرسہ میں وقف کر دیں، شیخ حنیف صاحب لوہاروی نے ماشاء اللہ مستقل ایک

الگ بلڈنگ بنائی جس کا نام ہی شیخ عبداللہ کاپودوری اکیڈمی رکھا۔ میں بھی وہاں دیکھنے گیا تھا، بہت عمدہ انداز میں لائبریری بنائی ہے اور سب فن کی کتابیں الگ الگ کر کے رکھی ہیں۔ حضرت مولانا تو ہندوستان کے ہیں اور اتنی ساری کتابیں الگ الگ جگہوں سے منگوا کر کے جمع کر دیں ہیں۔ یعنی بہت سے مدارس میں بھی اتنی ساری کتابیں نہیں ہوں گی جتنی حضرت مولانا کے Personal (ذاتی) کتب خانے میں ہیں۔
تو حضرت مولانا کو کتب بینی اور کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔

مجلس میں کتابوں کا ہی تذکرہ

ایک دفعہ کینیڈا میں میں ان سے ملنے گیا تو بیٹھے بیٹھے کتابوں کی ہی باتیں کرنے لگے۔ آپ نے فلاں کتاب دیکھی ہے؟ فلاں کتاب دیکھی ہے؟

ایک دفعہ یہاں میرے گھر تشریف لائے ہوئے تھے، بیٹھے ہوئے تھے تو ایک کتاب اٹھائی جو ان دنوں نئی نئی آئی تھی شیخ شعیب الارنوط کی ’’شرح العقیدۃ الطحاویہ‘‘ دوسری شروحات بہت طویل ہیں، یہ بہت مختصر ہے، تو حضرت مولانا اس کو دیکھنے لگے اور اوراق گھمانے لگے، میں عرض کیا: حضرت! میں نے ابھی کچھ دن پہلے ہی یہاں بولٹن کتب خانے سے خریدی ہے، آپ لے جائیے، میں دوسری خریدلوں گا، کہنے لگے: نہیں نہیں! کتاب کسی کو دینی نہیں چاہیے۔ میں نے کہا: میں خوشی سے آپ کو دے رہا ہوں، آپ قبول فرمالیں۔ بہت اصرار کے بعد انہوں نے قبول فرمائی۔

حضرت مولانا کا ایک خصوصی وصف

اور کتب خانوں کو دیکھنے کے لئے جگہ جگہ اسفار کرنا، کتابیں جمع کرنا، علماء کو کتابوں کا شوق دلانا، مطالعہ کی ترغیب دینا، اور طلباء میں اس کا شوق پیدا کرنا، یہ حضرت مولانا کا ایک خصوصی وصف تھا۔

مولانا کی مہمان نوازی

میں نے تو یہ کچھ چیزیں آپ کے سامنے وہ بیان کیں جس کا تعلق مجھ سے تھا، کیوں کہ جب ایسے کچھ حالات بیان کرنے ہوں تو میں یہ سوچتا ہوں کہ میں نے اس مرحوم سے کیا فائدہ اٹھایا، تو اس کو میں آپ کے سامنے پیش کروں، تا کہ آپ بھی اس کو سیکھ سکیں، تو حضرت مولانا کی یہ خوش مزاجی ہے۔ آپ کی سخاوت وفیاضی ہے، ہر ایک کے ساتھ اکرام واعزاز کا معاملہ ہے۔

جو بھی حضرت مولانا کے یہاں جاتا، چھوٹا عالم ہو یا بڑا عالم ہو، اس کی بہت قدر کرتے اور مہمان نوازی کرتے، ابھی میں دسمبر میں انڈیا گیا تھا تو گاؤں سے ہمارے یوسف بھائی سے کہا کہ حضرت مولانا سے ملنے جانا ہے، تو انہوں نے کہا کہ: میں لے جاؤں گا۔ ملنے کا ٹائم نو سے دس کا تھا۔ پونے نو بجے ہم عمر واڑ سے نکلے اور نو بجے وہاں پہنچ گئے۔ حضرت مولانا تو پہلے سے تیار (Ready) ہوکر ہمارے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت ملنے والوں میں ہم ہی تھے اور کوئی نہیں تھا، پھر ایک دو ساتھی اور بھی آ گئے، تو چائے بسکٹ منگوائے، کچھ نصیحتیں بھی کیں جو بڑی قیمتی نصیحتیں تھیں۔ میں نے وہ نصیحتیں ریکارڈ بھی کی تھی، لیکن میرا وہ ریکارڈنگ سب ضائع ہو گیا۔

افرادسازی

تو یہ اللہ والے تھے، اور ان کی زندگی بڑی Systematic اور ترتیب سے گزری ہے اور تجربہ کار مشائخ میں سے تھے۔ اللہ پاک نے ان سے دین کا بہت کام لیا۔ اور بڑے بڑے افراد انہوں نے پیدا کئے، آپ ترکیسر میں دیکھ لیجئے، ابھی جتنے بھی اساتذہ ہیں وہ سب حضرت مولانا کے ہی تیار کردہ ہیں۔ مولانا خلیل راوت صاحب ہیں، مولانا یوسف ٹنکاروی صاحب ہیں، مولانا احمد ٹنکاروی صاحب ہیں، اور قاری صدیق صاحب ہیں۔ یہ سب حضرت مولانا کی ہی محنت ہے، یہ لوگ جب تک کام آگے بڑھاتے رہیں گے تو "**أو علم ينتفع به**" کے تحت حضرت مولانا کو ان کی قبر میں ثواب پہنچتا رہے گا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ پاک حضرت مولانا کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ ان کی قبر کی پہلی رات کو آسان فرمائے۔ حضرت مولانا کو قبر میں نورانیت عطا فرمائے۔ قبر کو جنت کا باغ بنادے اور حضرت مولانا کے درجات اعلیٰ علیین میں بلند فرمائے۔

حضرت مولانا کی اور بھی خدمات ہیں، بہت سی انسٹیٹوٹ کے پریسڈنٹ بھی تھے، بہت سے مدارس میں شوریٰ کے ممبر تھے۔ اس طرح اور اداروں کے بھی سرپرست تھے گجرات میں دوسری بھی بہت خدمت کیں۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان سے دین کا خوب کام لیا۔

حضرت قاری صاحب کے ساتھ سفر برطانیہ

تمام اکابر سے بہت محبت کرتے تھے، حضرت قاری صدیق صاحب باندوی سے تو آپ کو خلافت بھی تھی۔ بلکہ ایک سفر میں حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ کے ساتھ یہاں تشریف لائے تھے، حضرت

مفتی احمد خانپوری صاحب، حضرت مولانا عبداللہ صاحب۔ یہ تینوں حضرات یہاں تشریف لائے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان حضرات نے دارالعلوم میں جمعہ پڑھا تھا، اور ان تینوں نے بیان کیا تھا۔ پہلے مفتی احمد صاحب نے بیان کیا، اس کے بعد مولانا عبداللہ صاحب نے، پھر حضرت قاری صدیق صاحب نے۔ یہ حضرات ہمارے اکابر اور بڑے ہیں۔

اجازت وخلافت

حضرت شیخ یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بہت محبت تھی، ہمیشہ گھروڑ میں ان کے ختم بخاری میں شرکت فرماتے اور شیخ یونس صاحب بھی ان کے گھر عیادت کے لئے جایا کرتے۔ شیخ نے آپ کو اجازت سے بھی نوازا تھا۔ اور حضرت مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم کی طرف سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔

ایصالِ ثواب کا اہتمام کیجئے

حضرت مولانا نے اپنے پیچھے اپنی اولاد میں سات بیٹے اور پانچ بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ اللہ پاک ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور روحانی اولاد تو حضرت مولانا کی بہت ہے اور یہ سب ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنیں۔

❁......❁......❁

فخر گجرات کی رحلت

مولانا محمد ادریس پٹیل فلاحی ❖

بیمارِ عشق لے کے ترا نام سو گیا
مدت کے بے قرار کو آرام آ گیا

محفل دوشین کا وہ چراغ سحر جو کئی سال سے ضعف ومرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر ۸۶؍سال جل کر ۱۰؍جولائی ۲۰۱۸ء بروز سہ شنبہ ہمیشہ کے لئے بجھ گیا۔

داغِ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یعنی نمونۂ اسلاف، فخر گجرات، عالم بے مثال، مربی لاثانی، مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ نے بروز منگل بعد ظہر اس دار فانی کو الوداع کہا اور ہزاروں معتقدین، محبین، تلامذہ اور تربیت یافتگاں کو مغموم ومہجور چھوڑا۔

إنا لله و إنا اليه راجعون. اللهم اكرم نزله و وسع مدخله داراً خيراً من داره و اهلاً خيرا من اهله و نقه من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس.

حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی وفات کسی ایک خاندان یا ایک فرد کا سانحہ نہیں ہے، یہ پوری امت کا سانحہ ہے، تعزیت کون کس سے کرے؟ ہر شخص مستحقِ تعزیت ہے۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما

لیکن سنت اللہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے کائنات اسی طرح بنائی ہے کہ اس میں آنا بھی اور جانا بھی ہے، اگر ہماری خواہشات، جذبات اور محبت اللہ کی تقدیر کے فیصلہ کو تبدیل کر سکتی ہوتی تو حضرات صحابہ کرام

❖ ناظم: ادارہ فیض دارین ورٹھی، ضلع سورت

رضی اللہ عنہم رسول کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی ایک سانس کے بدلے لاکھوں زندگیاں قربان کردیتے، لیکن أمر اللّٰہ قدراً مقدوراً.

حضرت مرحوم ادارہ فیض دارین کے سرپرست اور رکن رکین تھے، نیز بندہ سے آپ کو خصوصی تعلق تھا، ادارہ کی عمارت کی سنگ بنیاد آپ ہی کے دستِ مبارک سے رکھی گئی، اس موقع پر آپ نے اپنی جیب خاص سے ایک ہزار روپئے پیش فرمائے کہ اس سے سیمنٹ خرید کر تعمیر سنگ بنیاد میں استعمال کی جائے، آپ مرحوم ومغفور ہی کے حسب ایماء ادارہ کے زیر انتظام ماہ شوال ۱۴۳۷ھ سے شعبۂ تخصص فی التفسیر کا آغاز کیا گیا، جو تاہنوز کامیابی کے ساتھ جاری وساری ہے۔ الحمد اللہ

حضرت کی حیات مبارکہ کے آخری چند سالوں میں ہم اساتذہ وارباب انتظام کو بارہا حضرت کی خدمت میں حاضری کی سعادت ملی، ہر ملاقات میں نہایت مشفقانہ اور خصوصی معاملہ فرمایا اور علمی وانتظامی سلسلہ میں کئی مفید ہدایات اور مشوروں سے نوازا۔

ادارہ کے جمیع اساتذہ وطلبہ نے حضرت کی نماز جنازہ میں شرکت کی، آپ کے ادارہ اور بندہ سے خصوصی تعلق کی بر بناء ادارہ فیض دارین میں ختم قرآن اور دعائیہ مجلس بھی منعقد ہوئی، ہم اس صدمہ میں حضرت کے جمیع اہل خاندان اور اہل نسبت کے ساتھ شریک ہیں۔

حضرت مرحوم کو حق سبحانہٗ وتقدس اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرماوے اور درجات کو بلند سے بلند فرمادے، حضرت کی تمام دینی مسائل وخدمات کو شرف قبول عطا فرمائے اور تمام تلامذہ ومستفیدین کو حضرت کے لئے بہترین صدقۂ جاریہ بنائے، جمیع پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور امت کو حضرت کا نعم البدل عنایت فرمائے۔ آمین

ایک عہد ساز عبقری شخصیت

مولانا اسماعیل بن یوسف کوثر کوساڑی فلاحی ❖

حضرت اقدس مفکر ملت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی نور اللہ مرقدہٗ کی ذاتِ گرامی آسمانِ علم و فضل کا وہ آفتابِ عالم تاب تھی، جس کی ضیا پاش کرنوں سے ملک و بیرون ملک اور خصوصاً گجرات کا چپہ چپہ درخشاں و تاباں تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات عالی کو مختلف اوصاف و کمالات، اخلاق و اقدار اور علمی بلندیوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا وجودِ گرامی دورِ حاضر میں امت کا وہ قیمتی سرمایہ تھا جس کا بدل مشکل سے ملے گا۔ آپ کا وجود باعثِ خیر و برکت، آپ کا سایہ ابرِ رحمت، آپ کا سراپا دعوتِ فکر و عمل اور آپ کی شخصیت مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی تھی۔

صوبۂ گجرات میں ضلع ''بھروچ'' کا چھوٹا سا گاؤں ''کاپودرا'' آپ کا وطن عزیز تھا۔ آخر کون خیال کر سکتا تھا کہ ایک چھوٹے سے گاؤں سے اٹھنے والا یہ ''رجل رشید'' علم و فضل، زہد و تقویٰ، سوز و ساز، دعوت و عمل، تعلیم و تربیت، نظم و نسق، ادب و صحافت اور مجاہدہ و قربانی کی سنگ لاخ وادیوں میں وہ اَنمٹ نقوش چھوڑے گا جن کی رہبری میں صدہا وجود نشانِ منزل کا سراغ لگائیں گے اور سیکڑوں نفوس اس قندیلِ رحمانی سے فیض یاب ہوں گے۔ ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء!

مبدأ فیاض نے آپ کے وجود کو جن گونا گوں اوصاف سے نوازا تھا وہ بیک وقت کسی ایک شخصیت میں خال خال ہی جمع ہوتے ہیں۔ آپ جیسی جامع و مسلم شخصیات برسوں میں کہیں جا کر پیدا ہوتی ہیں ؎

سالہا باید تا یک سنگِ سرخ ز آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

اور کسی نے کتنی پیاری بات کہی ہے ؎

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

❖ خادمِ حدیث، افتا و ادب دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور و ریسرچ اسکالر شیخ عبد اللہ کاپودروی اکیڈمی

حضرتؒ (ولادت ۱۹۳۳ء) صوبۂ گجرات کے مایۂ ناز سپوت، مفکر ملت، فخرِ گجرات، نازشِ ہند، عربی، اردو گجراتی کے مایۂ ناز ادیب، رئیس العلماوالمدارس، قافلۂ علم وفضل کے فردِ یگانہ، مرجع العلماء والطالبین و محبوب الفضلاء والصالحین، علم دوست وعلمانواز شخصیت، عاشقِ کتب، فنافی العلم، فاضل جامعہ ڈابھیل، رئیس وسرپرست دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر، رُکنِ شوریٰ دارالعلوم وقف دیوبند و جامعہ عربیہ ہتھوڑا، رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و رابطہ ادبِ اسلامی ہند، سرپرست ''جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا'' و مدارسِ عدیدہ، مؤلف کتبِ کثیرہ مفیدہ ومُجازِ بیعت از جماعتِ صوفیا جیسے عظیم اوصاف ونسبتوں کے حامل تھے۔

آپ کی ولادت برما میں اس وقت ہوئی جب جنوبی گجرات کے کئی مسلم خاندان وہاں بغرض تجارت آباد تھے، ابتدائی تعلیم اپنے اقامتی وطن کا پودرا میں حاصل فرمائی۔ جامعہ ڈابھیل میں خطبۂ فراغ پڑھا، ''دارالعلوم دیوبند'' میں قیام فرما کر اجلۂ علما سے اکتساب فیض فرمایا۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت علامہ فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ، حضرت علامہ بلیاویؒ، حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوریؒ، حضرت مولانا احمد نور صاحب پشاوریؒ، شیخ محمود عبدالوہاب محمود مصریؒ، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہریؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ اور حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب پشاوریؒ وغیرہم ہیں۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، شیخ نادی درویش، شیخ احمد قلاش، شیخ ناجی، شیخہ فاطمہ بنت احمد، شیخ مالک بن عربی، شیخ حسن بن حسین باسندوہ، ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ اور حضرت مولانا احمد حسن صاحب ٹونکیؒ وغیرہ علمائے عرب وعجم سے اجازتِ حدیث حاصل فرمائی۔ تقریباً ایک درجن سے زائد کتب آپ کے بہار آفریں قلم سے نکل کر عوام و خواص سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں، جن میں اضواء علی تاریخ الحرکۃ العلمیہ، شرحِ دیوان امام شافعیؒ، علامہ بدرالدین عینیؒ اور علم حدیث میں ان کا نقشِ دوام، افکارِ پریشاں اور رشد و ہدایت کے منار قابلِ ذکر ہیں۔ آپ وسعتِ علم کے ساتھ وفورِ عقل سے بھی بہرہ ور تھے، وسعتِ نظر وفکر نے آپ کی شخصیت کو آفاقی بنا دیا تھا، آپ کی ذات اس حیثیت سے امتیازی شان کی حامل تھی کہ مختلف المسلک والمشرب حضرات بلا تکلف آپ کی طرف کشاں کشاں چلے آتے تھے، افراد سازی آپ کا سب سے بڑا مشن تھا، جس سے کسی پل بھی بے خبر نہیں تھے، ہر منفی میں سے مثبت پہلو نکالنے کے فن سے پوری طرح آشنا تھے، شخصیات اور ان کی صلاحیت شناسی میں بڑے طاق تھے، کیچڑ میں سے کنول کا پھول نکالنا آپ کا فطری ملکہ تھا، کتب بینی آپ کا سب سے محبوب مشغلہ تھا، آپ کا بے مثال اہتمام وانتظام صدیوں تک یادگار رہے گا۔

بقول حضرت مولانا مختار احمد صاحب فاروقی زید مجدہ علمی جاہ وجلال، عربی، اردو ادب کا صاف ستھرا ذوق، تاریخی عبور، مثالی تفکر وتدبر، اعلیٰ درجے کا حسن انتظام، حسنِ اخلاق، جوہر شناسی، معاملہ فہمی، مستقبل کا ادراک، مثالی تربیت، خوابیدہ صلاحیتوں کا ادراک، اصابتِ رائے و دیگر صلاحیتوں اور اوصاف نے حضرت مولاناؒ کو ایسی جامعیت اور مرکزیت عطا کی تھی، جس کی مثال گجرات کے ماضی قریب میں ملنی مشکل ہے، بالخصوص گجرات کے جنوبی خطے میں علمی بہار اور علمی وقار تو آپ کے فیض یافتہ تلامذہ سے ہی قائم ہے۔

''دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر'' کا آپ کا دورِ اہتمام اس کا زریں عہد ہے، آپ نے اس کو شہرت کے آسمانِ ہفتم تک پہنچایا، ہر سطح پر اس کو علمی وقار بخشا اور اس کے نصابِ تعلیم ونظامِ تربیت کو متحرک وزندۂ جاوید بنایا۔ علما کی قدر دانی، عزت افزائی کی وجہ سے آپ کے زمانے میں جامعہ بین الاقوامی اساتذہ وفضلا کا مرکز بن گیا تھا۔ فنِ تفسیر، فنِ حدیث، فنِ تجوید اور فنِ ادب کے شعبوں میں ہر متعلقہ استاذ یکتائے زمانہ ہوتا تھا، جس کی مقناطیسیت کی وجہ سے ہر جگہ کا طالب علم یہاں کھینچا چلا آتا تھا۔

اکابر علما ومشائخ سے آپ کو غایت درجہ محبت وتعلق تھا، دورِ طالب علمی ہی سے اکابرین کی زیارت وملاقات کا اہتمام رہا، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ، حضرت مصلح الامتؒ مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ، حضرت مسیح الامتؒ مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادیؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب جون پوریؒ، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ، حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ وغیرہ اکابر علما کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کیا اور اُن سے خصوصی کسبِ فیض فرمایا۔ اِن حضرات اکابر نے آپ کو ہمیشہ محبت واعتماد کی نظروں سے دیکھا اور آپ کے ساتھ بڑی عنایتوں کا معاملہ فرمایا، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید علی میاں صاحب ندویؒ کی شخصیات نے آپ کے ذہن ودماغ پر سب سے زیادہ اثر چھوڑا، جنیدِ وقت حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ اور حضرت مولانا سید علی میاں ندویؒ کا آپ کو خصوصی اعتماد حاصل رہا، آخر الذکر دو حضرات نے آپ کے بارے میں بڑے وقیع کلمات ارشاد فرمائے ہیں، اِسی محبت وتعلق کا نتیجہ تھا کہ نوا کابر ومشائخ نے آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا اور آپ آخری دم تک عوام وخواص کے رشتہ کو اکابرین کے ساتھ مربوط کرنے کے سلسلے میں بڑی مستعدی کے ساتھ کوشاں رہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو ایک حساس اور پاکیزہ دل عطا فرمایا تھا، جو زندگی کے آخری سانس تک اپنے

سے زیادہ دوسروں کے لیے دھڑکتا رہا، دنیا میں کہیں کوئی حادثہ ہوا ہو، کوئی پریشانی ہو، کوئی غم ہو، کوئی فکر ہو، حضرت بے چین ہو جاتے، راتیں آنکھوں میں کٹتیں، علما و مدارس کی فکر نے تو سراپا اضطراب بنا دیا تھا، آپ کے اِس وصفِ عالی میں حضرت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ عالیہ ''**کان دائم الفکرۃ، طویل الأحزان**'' کی جھلک نظر آتی ہے۔

دوسرا بہت ممتاز اور نایاب وصف خاکساری اور تواضع کا تھا، لباس سادہ پہنتے، سادہ کھانا تناول فرماتے، ہر آدمی کے ساتھ اکرام کا معاملہ فرماتے، یہاں تک کہ اپنے سے چھوٹوں کو بھی ''حضرت!'' کہہ کر پکارتے، چھوٹے سے چھوٹے بچہ کو ''آپ'' کہہ کر مخاطب فرماتے، یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے آپ کو اپنی پلکوں پر بٹھایا اور عزت و محبت سے نوازا ؎

خاکساری اپنی کام آئی بہت　　　ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا

حسنِ اخلاق آپ کی زندگی کا نہایت روشن باب ہے، جو بھی ایک بار آپ سے ملاقات کرتا یا آپ کی مجلس میں شرکت کی سعادت حاصل کرتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا، ملاقات کے وقت سراپا بچھ جاتے، لوگوں کی دل آزاری سے بہت ہی زیادہ احتیاط برتتے، زندگی کے ہر موڑ پر لوگوں کو راحت و سکون پہنچانے کی کوشش کرتے، حد یہ ہے کہ مراحلِ مابعد الموت کے سلسلے میں بھی اِس کا خصوصی لحاظ رکھا، چناں چہ نمازِ جنازہ کے بارے میں وصیت فرمائی کہ لوگوں کا انتظار کر کے حاضرین کو کھڑے رہنے کی زحمت میں مبتلا نہ کریں، نیز تدفین کے لیے ایسی جگہ خود منتخب فرمائی جہاں آسانی سے لوگوں کی آمد و رفت ہو سکے اور لوگوں کو تلاش و جستجو کی زحمت میں مبتلا نہ ہونا پڑے۔

وسعتِ ذہنی کا یہ حال تھا کہ ہر مکتبِ فکر کے ساتھ اپنائیت کا معاملہ برتتے، کسی کو آپ سے اجنبیت محسوس نہ ہوتی، آپ کا فیض صرف علما و مدارس تک خاص نہ تھا؛ بل کہ اسکولوں، کالجوں، یونی ورسٹیوں، انجمنوں، سیاسی شخصیات، اخبارات و رسائل، رفاہی اداروں اور سماجی کارکنوں؛ غرض ہر ایک کے لیے مرجع و ملجاء کی حیثیت رکھتے تھے، ہر ایک کو اُس کے میدانِ کار و صلاحیت کے اعتبار سے ہدایات دیتے، حوصلہ افزائی فرماتے اور ترقی کی راہ ہموار کرتے، جس کی برکت سے اللہ نے آپ کو ہر دل عزیز شخصیت بنا دیا تھا۔

قوم و ملت کا زوال آپ کے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا، آپ جہاں یہ فکر فرماتے تھے کہ لوگوں میں علم و دین سے تعلق پیدا ہو وہیں قوم کے معاشی احوال کی اصلاح کے لیے کُڑھن بھی لگی رہتی، گجرات کے مسلم اخبار ''گجرات ٹوڈے'' میں ایک مرتبہ قوم کے نام یہ پیغام نشر فرمایا کہ مسجد کے مناروں کے ساتھ ساتھ فیکٹریوں اور کارخانوں کی چمنیاں بھی بلند ہونی چاہیے تاکہ مسلم قوم افلاس کی دلدل سے باہر نکل

سکے۔ دوسرے پیغام میں فرمایا کہ مسلم طلبا کو حساب، جغرافیہ اور سائنس جیسے عصری علوم میں خصوصی مہارت حاصل کرنی چاہیے تاکہ معاشرے میں ان کی افادیت قائم ہوسکے۔ گجرات میں مسلم اخبار جاری کرنے کے لیے بے انتہا کوشش فرمائی اور بار ہا لوگوں کو اِس جانب متوجہ فرمایا۔

مدارس وجامعات کا جمود اور تشتت ختم کرنے کے لیے زندگی بھر متحرک رہے؛ مگر آخر عمر میں بڑے افسوس کے ساتھ کئی مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی طرف سے خاطر خواہ تعاون حاصل نہ ہوسکا، آپ کے دل کی آرزو تھی کہ علما وعوام میں ربط بڑھے، اِس غرض سے کالج و یونی ورسٹیز کے پروفیسران کو مدعو فرماتے، مدارس کے نصاب ونظام سے اُن کو مانوس فرماتے، اُن کے شکوک وشبہات کا ازالہ فرماتے، اسی طرح آپ کی یہ چاہت تھی کہ علما علمی میدان میں ترقی کریں، جدید اسلوب میں لکھی جانے والی کتابوں کا مطالعہ کریں، مخطوطات کی تحقیق کریں، علمی وتحقیقی مقالے لکھیں، اپنے اذہان کو وسیع کریں، اپنے مسلک پر تصلب کے ساتھ ساتھ دوسروں کے لیے وسعت پیدا کریں، ہر ضروری علم وفن نیز عصری زبانوں اور علوم میں بھی بقدر ضرورت دلچسپی لیں، ''**الحكمة ضالّة المؤمن حيث وجدها فهو أحق بها**'' پر شدت کے ساتھ عمل پیرا رہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی رحلت کا صدمہ علما و مدارس کے ساتھ ساتھ عصری اداروں میں بھی یکساں طور پر محسوس کیا گیا۔

امت میں اتحاد ویکجہتی پیدا کرنے کے لیے ہمیشہ متفکر رہتے، خصوصاً علما ومشائخ، جماعتوں وجمعیتوں اور دینی اداروں کے انتشار سے نہایت ملول خاطر ہوتے، صلح کے لیے آپ کی ذات عالی سے جو کچھ بن پڑتا اس سے دریغ نہ فرماتے، اس سلسلے میں بسا اوقات انتہائی ناگوار حالات کا بھی سامنا کرنا پڑا؛ مگر آپ کے پائے استقلال میں جنبش پیدا نہ ہوسکی۔

کتابوں کے ساتھ وارفتگی عشق کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، دنیا کے کسی بھی کونے میں کوئی نئی کتاب چھپتی تو اس کے حصول کے لیے تگ ودو فرماتے، کسی مصنف کی کوئی کتاب مارکیٹ میں نئی آتی تو اپنی جیبِ خاص سے رقم صرف فرما کر یا اہلِ ثروت کو متوجہ فرما کر اس کے متعدد نسخے حاصل فرماتے اور گجرات کے اداروں اور ملک کی اہم شخصیات کے نام ہدیۂ ارسال فرماتے، اس سے مقصود جہاں علمائے کرام کو نئی کتابوں سے مطلع کرنا ہوتا؛ نیز اُن کے اندر مطالعہ کا شوق پروان چڑھانا ہوتا، وہیں مصنفین کی حوصلہ افزائی بھی مقصود ہوتی، یہ جذبہ آخری سانس تک آپ کے دل ودماغ پر مسلط رہا، حضرت کی ان ہی مساعیٔ جمیلہ کی برکت سے علمائے گجرات میں مطالعہ وکتب بینی اور تحریر وتقریر کی جانب میلان بڑھا۔

وقت کی قدر و قیمت آپ کی زندگی کا ایک زریں اصول تھا، ہر کام کے لیے ایک وقت متعین تھا،

دوسرے کے اوقات کا بھی خصوصی خیال فرماتے، وقت کی قدر دانی ہی کی برکت ہے کہ جہاں آپ نے درجن سے زیادہ کتابیں یادگار چھوڑیں وہیں سیکڑوں کی تعداد میں نفوس اپنے پیچھے چھوڑے جو آج بڑے بڑے اداروں اور دانش گاہوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

اور یہ صرف ایک دلِ ناداں کی آواز نہیں؛ بل کہ سیکڑوں علما اور اکابر کے دل کی صدا ہے۔ سطور ذیل میں چند بین الاقوامی شخصیات اور اکابر علما کے دل کی آواز صدائے بازگشت کی صورت میں سنی جاسکتی ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی ہشت پہلو شخصیت کو اپنے معاصر علما و اکابر کے درمیان کس عظمت و تقدس سے دیکھا جاتا تھا اور آپ کی شخصیت گرامی نے اسلام و انسانیت کے حوالے سے کیا لازوال خدمات انجام دی ہیں، جن کے اعتراف میں یہ زبان و قلم رطب اللسان اور نغمہ سنج ہیں۔

برصغیر کی مایہ ناز شخصیت، محدثِ جلیل، شیخ الحدیث ازہر ہند حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

> ''آپ مفکر، عالی ظرف اور سیر چشم، سراپا زہد و عمل اور دوسروں کی ترقی کے خواہش مند رہتے ہیں۔ عربی اور اردو زبانوں کی مہارت، قوم و ملت کی فکرمندی اور نظم و انتظام کی مہارت ایسے جوہر ہیں جن میں ان کا کوئی شریک و مماثل نہیں''۔

جانشینِ فقیہ الامت، مفتیٔ اعظم گجرات و رکنِ شوریٰ ''دار العلوم دیوبند'' حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دام ظلہٗ یوں رقم طراز ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک حساس اور دینی و ایمانی غیرت اور حمیت سے بھرپور دل عطا فرمایا ہے۔ ماضی قریب کے بہت سے اکابر اور بزرگوں سے استفادے کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو موقع عنایت فرمایا، ان کی توجہات اور خصوصی عنایات سے بہرہ ور فرمایا۔ مختلف النوع دینی لٹریچر کے وسیع مطالعے سے نوازا۔ تعلیم و تربیت کے میدان میں طویل خدمات کی انجام دہی اور نظم و انتظام اور دنیا کے مختلف ممالک کے علمی و تبلیغی اسفار کے نتیجے میں وسیع تجربات سے مالا مال فرمایا۔ اس وقت آپ کا وجود تمام مسلمانوں کے لیے اور بالخصوص اہلِ علم و اہلِ مدارس کے لیے بسا غنیمت اور بڑا قابلِ قدر ہے''۔

حضرت مولانا سید زاہد الراشدی دام ظلہٗ شیخ الحدیث ''دار العلوم گوجرانوالہ''، جنرل سیکریٹری پاکستان شریعت کونسل لکھتے ہیں:

> ''اللہ رب العزت نے آپ کو دینی علوم پر مہارت کے ساتھ وقت کی ضروریات اور ملی

مسائل و معاملات کے حوالے سے بھی گہری بصیرت سے نوازا ہے، اور امتِ مسلمہ کی بہبودی اور فلاح کے لیے آپ مسلسل مصروفِ عمل ہیں''۔

ماہنامہ ''حرا کا پیغام'' کے تبصرہ نگار کا قلم یوں گل افشانی کرتا ہے:

''آپ قدیم و جدید کا سنگم ہیں، ہر مکتبۂ فکر کی اچھائیوں کا عالی ظرفی سے استقبال کرتے ہیں۔ انہوں نے قدیم سرمایہ کو بھی کھنگالا ہے، جدید تحقیق کو بھی قریب سے دیکھا ہے، مغربی تمدن سے بھی انہیں واسطہ پڑا ہے اور مشرقی ثقافت تو ان کے گھر کی اصیل ہے۔ آپ نے جدید نظریات اور نئے کتب خانوں سے بھر پور استفادہ کیا ہے، علم و تحقیق کے میدان میں بھی انہوں نے نئے افق تلاش کئے ہیں اور زبان و بیان کی وسعت و رعنائی میں بھی منفرد مقام رکھتے ہیں۔ آپ کا اسلوبِ تحریر سادہ و پرکشش جس میں دعوتی مٹھاس، درد انگیزی، فکری شعور اور الفاظ کی آمد آمد ہے۔ مضامین چشم کُشا، بصیرت افروز اور ان میں دعوت کا درد بھی پنہاں ہے، اور علمی موشگافیوں و تحقیقی نکتہ سنجیوں کا بھی پتہ چلتا ہے، بہت سی زبانوں پر انہیں دسترس ہے، فارسی زبان جس میں ملت کا بیش تر علمی و ادبی سرمایہ ہے اس سے بھی آپ کو حظِ وافر ملا ہے''۔

دارالعلوم فلاحِ دارین کے سابق شیخ الحدیث، صاحبِ طرز خطیب و قلم کار حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب نوری قاسمی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''موصوف اردو، عربی زبان کے بہترین اسکالر ہیں، عربی اور اردو میں ان کی کئی مؤلفات ہیں۔ موصوف دور بیں، صاحب الرائے اور موجودہ زمانہ کے حالات سے بڑی قریبی واقفیت رکھتے ہیں، اللہ رب العزت نے موصوف کے سینے میں امت کی فکر، مسلم نوجوانوں کی اصلاح اور ان کی ترقی کے لیے بڑا درد رکھا ہے''۔

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت اقدس مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم بڑے درد بھرے انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ رب العالمین نے موصوف کو جن ظاہری و باطنی خوبیوں سے نوازا ہے وہ اپنے بزرگوں سے گہرے تعلق کا ثمرہ ہے۔ ماشاء اللہ! موصوف نے بزرگوں سے خوب خوب استفادہ کیا ہے؛ مگر تعجب بھی ہوتا ہے اور افسوس بھی کہ اس عظیم شخصیت سے اتنا استفادہ نہیں کیا جتنا کیا جانا چاہیے تھا''۔

یہ مشتے نمونہ از خروارے اکابر اہل علم کے چند تأثرات ہیں جو انہوں نے حضرت مرحوم کی حیاتِ طیبہ ہی میں پیش فرمائے تھے؛ غرض! آپ کے اوصاف وکمالات اور خوبیوں کو کوئی کہاں تک ذکر کرے، کس کس پہلو کو اجاگر کرے ؎

دامانِ نگاہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار　　گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

بہرحال آپ کا بچپن، کہولت اور بوڑھاپا سب قابلِ عبرت اور قابلِ اقتدا ہے، رات میں جاگ کر بند کمرے میں چوری چھپکے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے اعمال کا جائزہ لینے والے اِس نوجوان میں ہمیں حضرت ابن عباسؓ کی جھلک دکھائی دیتی ہے تو کہیں دعائے تھانویؒ آپ کی پشت پناہی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ استاذ کی خدمت کے بہانے کتابوں سے پینگیں بڑھانے والے اس طالب کی زندگی میں کتابوں سے بے پناہ محبت ووارفتگی کا مشاہدہ ہوتا ہے جس نے پھر ہزار لوگوں کو کتاب آشنا کردیا۔ حضرت مدنیؒ کے اسفار اور رحلات میں رفاقت جہاں بزرگوں سے سچی محبت وعقیدت کا پتہ دیتی ہے وہیں آپ کی فکرِ آخرت اور اصلاحِ نفس کی مساعیٔ جمیلہ کا اندازہ ہوتا ہے، غرض! گلشن گلشن، روش روش، آپ نے علم وعمل کے وہ دیپ جلائے ہیں جن سے مدتِ مدید تک لوگ روشنی پاتے رہیں گے ؎

آتی ہی رہے گی ترے انفاس کی خوشبو　　گلشن تری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

حقیقت یہ ہے کہ حضرتؒ ایک غیر معمولی اور عبقری شخصیت کے حامل بزرگ تھے، آپ کی ذاتِ عالی نوع بنوع کے کمالات سے آراستہ وپیراستہ تھی، آپ جیسی جامع الکمالات شخصیات صدیوں میں جاکر کہیں نظر آتی ہیں، آپ ایسے گنجینۂ کمالات کا اٹھ جانا پورے عالمِ اسلام کا زبردست خسارہ ہے، جس کی بھرپائی بظاہر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی کامل مغفرت فرمائے، درجات میں پیہم ترقی نصیب فرمائے اور ہم پس ماندگان کو حضرتؒ کے بتائے ہوئے خطوط پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

❁……❁……❁

فخر گجرات حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ

نقوش وتاثرات

مولانا محمد سجاد حسین قاسمی ❖

خلاق عالم نے اس جہان رنگ وبوکو خاکی فطرت انسان کے وجود مسعود سے کچھ اس طرح سجایا اور سنوارا ہے کہ ہر چہار سو انسانی کمالات کے چمکتے دمکتے موتی، رنگ برنگی موہنی صورت وسیرت کے حسین مناظر، خوش کن اخلاق واطوار کے نقوش، حسن آفریں محاسن کے عطر بیز گلدستے ، علمی زروجواہر کے شہ پارے ایک دلکش اور دلربا قوس قزح کا عکس پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ اس قوس وقزح کا سب سے حسین رنگ جو اس کے پورے وجود کو نکھارتا اور آب وتاب بہم پہونچاتا ہے، اس کی چمک دمک کو دوبالا کرتا ہے، اس کے رنگ وآہنگ کو بالیدگی وتازگی بخشتا ہے، اس کے حسن وجمال کو چار چاند لگاتا ہے، اس کی رعنائی وبرنائی کو صیقل کرکے دیدۂ انسانی کو نور اور قلب خاکی کو سرور سے بہرہ ور کرتا ہے، جسے علم ومعرفت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی علمی وادبی ،فکری وروحانی ،تہذیبی وثقافتی ،دعوتی وتعلیمی اور تاریخی وتمدنی قوس قزح کا نظر نواز اور دلفریب رنگ جو ہندوستان کے قدیم اقدار وروایات کے حامل ،علمی لعل وگوہر کے مخزن ، روحانی سوز وساز کے مستقر اور صنعتی وتجارتی کمپنیوں کے مرکز ''صوبۂ گجرات'' کے افق پر اپنی علمی رنگا رنگی ،فکری گل کاری، ادبی سحر کاری اور روحانی اثر انگیزی سے پورے خطۂ گجرات کو شبانہ روز مسحور ومگن کرتا رہا، اپنی نور ونکہت بھری رنگت سے ان گنت لوگوں کو مسرت وفرحت کی سوغات لٹاتا رہا، اپنے علم وادب، کمال وہنرمندی، وضعداری اور خوش مزاجی کی ضیا بار کرنوں سے ہر طبقے اور ہر حلقے کو روشن وتابندہ کرتا رہا؛ جسے ہم فخر زماں، یگانۂ وقت ، نابغۂ روزگار، عالم باکمال ،مفکر بے مثال ،صوفی ومرتاض ،صاحب طرز ادیب ،فقید المثال منتظم ،مشفق مربی اور کہنہ مشق استاذ حضرت مولانا عبداللہ اسماعیل پٹیل کاپودرویؒ رئیس فلاح دارین ترکیسر ،سورت، گجرات کے نام سے جانتے ہیں۔

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

حضرت رئیس علیہ الرحمہ اپنے اخلاق و سیرت کے آئینے میں

سراپا

کھلتا ہوا رنگ، ہنستا بولتا بیضوی چہرہ، خوش رو، خوش پوشاک، متوسط قد، کشیدہ قامت، کشادہ پیشانی اور سرقدرے گولائی لیے ہوئے جس پر ریشم جیسے ملائم اور نرم بال، بڑی بڑی آنکھیں اور ان پر خوش نما سنہری عینک، ہلالی بھویں، ستواں ناک، متوازن اور سڈول بدن، آواز صاف اور دل نواز صورت سے نور برستا، آنکھوں سے حیا جھلکتی، باتوں سے رس ٹپکتا، نقش ونگار ملکوتی، نشست وبرخاست ناسوتی، خوش خلق وخوش ادا، خوش نوا وخوش چلن، خوش نگار وخوش پیرہن، مجموعہ ذہانت وذکاوت، مجسمہ رأفت وشفقت، فیاضی ودریا دلی کا پیکر اور حسن اخلاق کا فرشتہ تھے۔ صداقت وشرافت کا بے تاج بادشاہ، کشادہ دستی وسیر چشمی کا مرقع، اعلیٰ ظرفی وبلند حوصلگی کا نمونہ تھے۔ متانت وسنجیدگی ان کی طینت، خودداری اور وضعداری ان کی عادت تھی خود فراموشی، بے نفسی اور گم نامی ان کی شرست میں ودیعت کی گئی تھی۔ وہ بڑے خاکسار، مرنجاں مرنج، ہنس مکھ، ملنسار، شگفتہ دل، بذلہ سنج اور ظریف الطبع انسان تھے۔ وہ علما نواز، انسانیت کے غمخوار، اسلام کے پرستار، سنت نبوی کے عاشق تھے۔ ان کی زندگی اسلامی حمیت کی دیدبانی، اسلامی شعار کی پاسبانی، ملی غیرت کی رجز خوانی اور دین ہاشمی ﷺ کی سربلندی وسرفرازی سے عبارت تھی۔

مجسمۂ اخلاق

وہ حسین اخلاق کے پیکر تھے؛ لینت ونرمی، حلم وعفو، متانت وسنجیدگی، تواضع وخاکساری ان کے صحیفۂ اعمال کے جلی عنوانات ہیں۔ اس پر مستزاد روشن ضمیری وروشن دماغی، عقائد میں رسوخ وپختگی، اعمال میں استقامت، ثقاہت ومتانت، قلب ونظر کی وسعت، مسلک میں اعتدال وتوازن، حسن مذاق اور لطافت مزاج کا ایسا سنگم جس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ جن کے اعمال واخلاق ''خلق عظیم'' کی عملی تفسیر تھے، وہ فطرۃً پاک دل، پاک طینت، سراپا شرافت وانسانیت، سراپا خلق ومروت، سراپا مہر ومروت اور سراپا جمال تھے۔ ان کی ذات عزیزوں کا معاون ومددگار،، دوستوں کا ہمدرد وغم گسار، غریبوں اور بے کسوں کا ہمدم وغمخوار، ضبط وتحمل کا پہاڑ، ایثار وقربانی کا حسین پیکر اور عفو ودرگذر کی سچی تصویر تھی۔ ان کی ہستی تکلف وتصنع،

خودنمائی وخودسری سے بیزار کبر ونخوت سے گریزاں، دنیاوی جاہ واقتدار اور نام ونمود سے دامن کشاں تھی۔ ان کا سینہ بے کینہ اور اس کا دل ایسا صاف اور مجلی آئینہ تھا جس میں دشمن کے لئے بھی گرد وکدورت کی گنجائش نہ تھی۔ وہ ایک بے ضرر فرشتہ صفت انسان تھا جو تادم حیات آدمیت وبشریت کی تمام خوبیوں سے متصف رہا یہی وجہ تھی کہ اس میں انتقام کی ہوسناک چنگاری فروزاں نہ ہوسکی اور اپنے بداندیشوں کے سامنے بھی محبت کا پھول لٹاتا رہا اور اسی عمدہ ترین وصف نے اسے محبوب القلوب بنایا اور ان کی محبت کی حکمرانی اور سحر کاری کی مقناطیسی طاقت نے بے شمار انسانوں کو اپنا اسیر بنایا۔

جوئے شیر علوم اسلامیہ کا فرہاد

قسام ازل نے مولانا کے دل میں کتابوں کی ورق گردانی کا ایک بے پناہ شوق جاں گزیں کردیا تھا کہ وہ اور کتاب یار غار سے عبارت تھے۔ شب وروز کتب بینی میں منہمک رہنا اور انھیں پر اپنی خداداد ذہنی ودماغی صلاحیتوں کو کھپانا ان کی شناخت تھی۔ کتابیں اور اس کے صفحات کا دیدار اور ان پر نقش شدہ مضامین ومشمولات کا ان کی روحانی وقلبی تسکین کا سامان تھا۔ درحقیقت کتابیں ان کا ہمراز ودمساز تھیں انھیں سے ہمیشہ راز ونیاز اور مناجات کرنا آپ کا شیوہ رہا۔ مطالعے کے دوران اگر کوئی نیا علمی نکتہ یا کوئی جدید تحقیق ہم دست ہوجائے تو آپ کا دل باغ باغ ہوجاتا، چہرے بشرے پر مسرت وشادمانی کے شادیانے بجنے لگتے گویا آپ کو ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ آگئی۔ الحاصل کتابوں سے ایسا عشق تھا جیسے ایک پروانے کو شمع سے ہوا کرتا ہے۔

عزیمت واستقلال کا مرد آہن

ان کا عزم آہنی، ان کی ہمت فولادی، ان کا جوش عمل طوفاں بدوش، ان کا حوصلہ ناقابل تسخیر، ان کی پامردی ناقابل شکست، دین کی راہ میں ان کی جدوجہد سیماب صفت، انھوں نے جس کام کا بیڑا اٹھایا اس میں سدا تیز گام رہے، پورے جوش وخروش، ولولہ وانہماک سے لگے رہے، ان کے وجود مسعود میں ایک غیر محسوس اسپرٹ ودیعت کی گئی تھی جو انھیں ہر لحظہ اور ہر آن تحریک بخشتی تھی اور پیش روی اور تیز گامی ہی ان کی صفت تھی جو انھیں ہمہ وقت نشیط اور چاق وچوبند رکھتی تھی، وہ سست گامی اور سست روی تو جانتے ہی نہ تھے۔ اسی عزیمت کی یہ دولت وہ تمام ضعف ونقاہت، علمی مصروفیات، اصلاحی مجالس کی کثرت، ملاقاتیوں کے جم غفیر کے حقوق کی ادائیگی کے باوجود عبادت وبندگی، پابندئ معمولات، اوراد ووظائف، ذکر وشغل کی کمیت وکیفیت میں سرِ موفرق نہیں آتا تھا۔ آپ اس شعر کے حقیقی مصداق تھے:

مہر ومہ وانجم کا محاسب ہے قلندر ☆ ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

وقت کا بے حد قدردان

وقت ایک انمول دولت اور زندگی کا بیش قیمت سرمایہ ہے جس کی قیمت کے سامنے سونے، چاندی ،موتی اور ہیرے کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ وقت گزر جانا یا لٹ جانا درحقیقت ایک عظیم ترین انسانی اثاثہ کا لٹ جانا ہے۔ وقت ہی انسان کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتا ہے۔ جو وقت شناس ہوتا ہے اس کی زندگی باغ و بہار بنی رہتی ہے اور اس میں مسرت و شادمانی کے شگوفے کھلتے رہتے ہیں۔ اس پر مستزاد قرآن مقدس اور حدیث نبوی میں ذکر کردہ مضامین بھی اس بات کی طرف مشیر ہیں جس سے وقت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔مندرجہ بالا وجوہات کی وجہ سے آپ نے اپنا وقت غیر ضروری کاموں میں کبھی صرف نہیں کیا؛ بل کہ ہمیشہ کتابوں کی ورق گردانی کو شیوۂ زندگی بنائے رہے۔ گویا آپ نے علمی سفر میں اس شعر کو حرز جان بنالیا تھا:

کھول یوں مٹھی کہ ایک جگنو نہ نکلے ہاتھ سے
آنکھ کو ایسے جھپک لمحہ کوئی اوجھل نہ ہو

تواضع و خاکساری کا پتلا

خودداری اور کبر و نخوت، بے نفسی اور ریاکاری کے مابین اس قدر باریک اور نازک فرق ہے ہے کہ دونوں کے درمیان امتیاز کرنا از بس مشکل ہے؛ لیکن حضرت والا جہاں علمی جاہ و جلال کے مالک تھے، وہیں خودفراموشی، گم نامی اور بے نفسی میں دونوں جہاں کی بھلائی سمجھتے تھے، قلندرانہ شان کے حامل ہونے کے باوجود فروتنی اور عاجزی کو اپنی روزمرہ کی زندگیوں میں برتتے تھے، اپنی بڑائی، خودستائی، اور خودنمائی سے یکسر دامن کشاں تھے۔ نام و نمود، جھوٹی شہرت اور نمائش سے تو کوسوں دور تھے۔ ان کی رفتار و گفتار اور کردار سے خاکساری اور تواضع جھلکتی ہی نہیں؛ بل کہ ٹپکتی تھی۔ وہ فی الواقع حدیث نبوی: من تواضع للہ رفعہ اللہ کی جیتی جاگتی تصویر و تشریح تھے۔ الحاصل حضرت موصوف خودی و خودداری کے گوہر آبدار میں تواضع وانکساری اور کسر نفسی کا لعل بدخشاں لیے ہوئے تھے جس سے آپ کی رفتار و گفتار، نشست و برخاست، انداز و ادا ،چال چلن اور طرز زندگی تابندہ و درخشندہ تھی گویا کہ آپ کی قلندری و پارسائی خودفراموشی اور خودنیستی میں مضمر تھی۔ آپ کی عاجزانہ زندگی اس شعر سے عبارت تھی:

تواضع اذا ما نلت رفعة
فان رفیع القوم من یتواضع

نفاست اور خوش ذوقی کا مظہر

بعض اہل علم کا سینہ علمی خزانوں اور معارف کے جواہر پاروں سے معمور ہوتا ہے؛ لیکن ان کو صفائی ستھر ائی کا دھیان آتا ہے نہ ہی اس سے ان کی طبیعت پر گرانی ہوتی ہے؛ چناں چہ لباس و پوشاک، وضع وقطع کی رعایت کو ضیاع وقت باور کرتے ہیں اور ظاہری ہیئت وصورت پر بالکل توجہ نہیں دیتے؛ چناں چہ سامنے کی گھنڈیاں بے ہنگم انداز میں کھلی ہوتی ہیں، سر اور داڑھی کے بال تیل و کنگھی کے دیدار کے سراپا شوق بنے رہتے ہیں، داڑھی اور سر کے بال میں الجھاؤ اور پراگندگی، پگڑی باندھی تو لٹ پٹ، الغرض درویشی کی علامت اور دنیا سے بے اعتنائی کا مطلب نظافت و پاکیزگی سے محرومی اور حدیث پاک سے سرتابی ہو؛ لیکن حضرت کو نفاست ولطافت، نزاکت وحساسیت، شائستگی وسلیقہ مندی مبدأ فیاض کی طرف سے بے حد وحساب ہاتھ آئی تھی، اسی وجہ سے نستعلیقیت، خوش ذوقی ووضعداری اور سلیقہ مندی ہر کام میں جھلکتی تھی گویا کہ شمائل نبویہ وخصائل محمدیہ کے درخشاں صفحات ان کی زندگی میں آباد تھے؛ چنانچہ سرمہ لگانا، بالوں میں کنگھی کرنا، بہ کثرت مسواک کا استعمال اور خوشبو لگانا آپ کی عادت شریفہ میں داخل رہا۔ صاف وسفید لباس، نظیف وخوشنما رومال، دیدہ زیب عینک اور سنہرا قلم استعمال کرتے۔ ہر چیز میں حضرتؒ کی سلیقہ شعاری اور قرینہ پسندی نمایاں نظر آتی تھی، یہی ذوق کتابوں کے سرورق، کاغذ اور کتابت میں ملحوظ ہوتا؛ لیکن اس نفاست کے باوجود ان کے کسی قول وفعل میں کہیں تکبر اور احساس برتری کی بو نہیں آتی تھی۔

عربی اور اردو کا بلند پایہ ادیب

خدا تعالیٰ نے مرحوم کو دونوں زبانوں میں یکساں کمال عطا کیا تھا۔ ان کی اردو زبان سہل، شستہ، شگفتہ، رواں اور سلیس تھی۔ وہ برجستہ اور بے ساختہ بولتے اور لکھتے تھے۔ اسلوب میں بلا کی چاشنی وشیرینی، دلآویزی اور سحر کاری، مقناطیسیت اور جاذبیت تھی۔ ان کی تحریر وتقریر میں بلاغت کی اثر انگیزی، فصاحت کی تازگی اور سلاسلت کی پرکاری کے ساتھ ساتھ زبان کا بانکپن اور رسیلا پن نمایاں نظر آتا تھا۔ عربی زبان سے انھیں بے حد وارفتگی اور محبت تھی، اسے ٹوٹ کر چاہتے اور اس کی حلاوت سے خود بھی محظوظ ہوتے اور دوسروں کو بھی تسکین پہونچاتے۔ مبدأ فیاض سے عربی زبان وادب کا بہت خوبصورت اور عمدہ ذوق پایا تھا۔ عربی کی شاہکار عبارتیں نوک زبان تھیں، عربی کہاوتیں، حکیمانہ مقولے اور ظرافت آمیز قصے ان کے خانہ دماغ میں آباد تھے۔ مزید برآں عربی اشعار کے ایک معتد بہ حصہ ان کے حافظہ کی زینت تھا جو برمحل سناتے اور بے حد لطف اندوز ہوتے۔

فرشتہ صفت انسان سے کچھ یادگار ملاقاتیں

احقر ماہ جنوری ۲۰۱۲ء کو بہ غرض انٹرویو جامعہ قاسمیہ کھروڈ حاضر ہوا۔ جامعہ کے نیک طینت، نرم مزاج اور نیک صالح مہتمم حضرت مولانا ایوب پٹیل فلاحی سے علیک سلیک ہوئی اور پرتکلف کھانے سے فراغت کے بعد میری علمی وتدریسی سرگرمی کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ گفتگو کے اختتام پر مولانا نے حضرت رئیسؒ کا مکمل تعارف، ان کا علمی وادبی مقام ومرتبہ، ان کی مقبولیت ومحبوبیت، ان کا تحقیقی وتصنیفی ذوق، خطۂ گجرات کے مدارس ومکاتب اور دینی دانش گاہوں کی تعمیر وترقی میں مرحوم کی گراں قدر خدمات، ترکیسر کے تعلیمی واصلاحی، تہذیبی وثقافتی معیار کو بلند کرنے میں فخر گجراتؒ کی بے مثال قربانیوں اور کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا کہ وہ حضرت مدنیؒ کے براہ راست شاگرد ہیں اور عربی زبان وادب کا بہت خوبصورت اور پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں۔ اس مکمل تمہید کے بعد انھوں نے کہا کہ: ہم لوگ علی الصباح حضرتؒ کی زیارت کے لیے روانے ہوں گے میں نے ہامی بھری۔ ٹھیک صبح فجر کی اذان کے وقت میں حضرت مولانا ایوب صاحب کی رفاقت میں ''کاپودرہ'' گاؤں کا رخ کیا۔ جوں جوں گاؤں کے قریب پہونچتے گئے، مفکر اسلامؒ کی زیارت کا شوق تیز تر ہوتا گیا اور دل ودماغ پر طرح طرح کے خیالات مرتسم ہوتے گیے۔ کبھی ان کی علمی وجاہت، کبھی ان کی فکری بلندی، کبھی ان کے قلم کی کوہ کنی تو کبھی ان کی شان وشوکت کا خیال دل پر دستک دینے لگا۔ کار ایک عظیم الشان حویلی کے قریب رکی جو رنگ برنگ پھولوں کا ہار پہنے ہوئے صبح کی بادنسیم کی جاں فزا اٹکھیلیوں اور سرمستیوں سے طرب آمیز تھی اس پر مستزاد قمقموں کی رنگ برنگی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ کار سے سیدھے اتر کر مسجد میں داخل ہوئے جو اپنی صفائی وستھرائی، نظافت وپاکیزگی میں اپنی مثال آپ تھی، زرق برق منقش قالین بچھی ہوئی اور عود کی خوشبو پوری مسجد کے نورانی وایمانی ماحول کو بہشت زار بنا کر بندگان خدا کی ارواح کو معطر کر رہی تھی۔ مسجد کے دائیں گوشے میں ایک ربانی نور اور ملکوتی نکہت سے سجا ہوا بندۂ خدا؛ جس کا چہرہ قرآنی تب وتاب سے منور، آنکھیں فراست سے آراستہ، پیشانی زیرکی ودانائی کا غماز اور ہونٹوں پر آیات صحیفہ ربانی کے عطر بیز پھول سجے ہوئے تھے۔ ناچیز ان کی موہنی صورت کو سراپا عقیدت ومحبت سے دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں ان کی نیکی وخداترسی، بزرگی وصالحیت کی گواہی دیتا رہا۔ نمازوں سے فراغت کے بعد ان کی کرسی کی جانب لپکا، ان کی خدمت عالیہ میں سلام کا تحفہ پیش کرنے کے بعد مصافحہ سے سرفراز ہوا۔ سلام کے فوراً بعد انھوں نے ''مرحبا بکم، اہلاً وسہلاً'' سے میرا خیر مقدم کیا۔ حضرتؒ نے تہنیت وتبریک کے کلمات اس خوبی اور خوش اسلوبی سے پیش کیا کہ ان

کا علمی رعب اور جلال محبت وشفقت اور اپنائیت وانسیت میں یکلخت تبدیل ہو گیا۔اس کے بعد عربی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے اپنے کمرے لے گئے۔مجھ سے تعارف پوچھا، میں نے عربی زبان میں نے اپنا طالب علمانہ تعارف پیش کیا۔اس کے بعد دوسرا سوال کیا کہ مدارس عربیہ میں عربی زبان کی ترویج واشاعت اور اس کو فروغ دینے کے لیے آپ کے ذہن میں کیا لائحہ عمل ہے؟ نیز طلبہ کی تقریری وتحریری اور لغوی ولسانی مہارتوں کو بروئے کار لانے کے لیے آپ کے دماغ میں کوئی ٹھوس منصوبہ ہے؟ راقم سطور نے اپنے طور پر ٹوٹے پھوٹے جواب دینے کی حتی المقدور کوشش کی۔اس کے بعد گجراتی زبان میں مولانا ایوب صاحب مدظلہ العالی سے کہا کہ ''سارو مانس''۔بعد ازاں نشاط بخش اور اخلاص سے لبریز چائے سے ضیافت کرتے ہوئے کہا کہ ''مولوی صاحب! بچوں کو اپنا سرمایۂ حیات سمجھیں، امت نے آپ پر اعتماد کر کے اپنے لخت جگر کو سونپا ہے، ان کو نکھارنے اور سنوارنے میں ہمہ تن مصروف رہیے۔''

چار سال شفقتوں کے سایے میں

ویسے تو ہر احسان کنندہ، عزت دہندہ اور قدر شناس انسان لوگوں میں ہر دل عزیز اور پیارا ہوتا ہے ؛لیکن اگر عنایتیں اور توجہات اگر ایسی دل آویز شخصیت کی جانب سے ہو جو صدر ایوان علم وفضل اور مسند آرائے بزم اہل صفا ہو، شبستاں معرفت وحکمت کا گل سرسبد ہو۔ان کی سب سے بڑی عنایت جو مجھ ناچیز پر ابر نیسان بن کر برستی رہی وہ تھی نئی اور جدید کتابیں، دیدہ زیب عربی مجلّات، قیمتی اور وقیع رسائل جو کہیں سے آجائے تو احقر کو مدعو کرتے اور کتاب کی فہرست پڑھ کر اس کی افادیت واہمیت پر مختصر روشنی ڈال کر کتاب میرے حوالے کرتے اور اس کے بعد فرماتے اس کتاب کا خلاصہ لکھ کر لے آئیے جو ایک طرح کی تحریض وتشویق کے ساتھ ساتھ مطالعہ میں مصروف کرنے کا ایک مدبرانہ اور حکیمانہ طریقہ تھا۔جب کتاب کا مطالعہ مکمل ہو جاتا اور اس کی تلخیص تیار ہو جاتی تو حضرت کی خدمت میں پھر باریابی ہوتی، میری حقیر، غیر مرتب اور بے کیف تحریر کو بہ غور پڑھتے جیسے کسی چیز کی جستجو ہو اور اس کے بعد اتنے حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرماتے کہ میری ڈھارس بندھ جاتی۔دوسری ناقابل فراموش عنایت خسروانہ یہ تھی کہ جب تعلیمی سال کا آغاز ہوتا تو مجھ سے پوچھتے کہ کون کون سی کتابیں آپ کو سپرد کی گئیں ہیں۔کتابوں کی تفصیلات معلوم کرنے کے بعد ہر کتاب کے طریقہ تدریس، طلبہ کے نفسیات کے ادراک، کتاب کے متعلقات، عربی شروح وحواشی کے متعلق مفصل ہدایات دیتے۔کھروڈ میں مدرسی کے پہلے سال احقر کو ''مختصر المعانی ، مختارات، متنبّی اور مفتاح العربیۃ'' سپرد کی گئی تو سوال کیا کہ متنبّی کے لیے کن کن کتابوں کی مراجعت کرتے

ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ شیخ الادبؒ کے حاشیہ کے ساتھ ابو البقاء العکبری کی ''التبیان فی شرح الدیوان'' بھی زیر مطالعہ رہتی ہے۔ حضرتؒ نے خوشی کا اظہار کیا دو روز کے بعد اپنے فرزند ارجمند مولانا اسماعیل صاحب کے ذریعہ عبدالرحمٰن البرقوقی کی شرح ارسال کر کے شعری محاسن، خیالات کی ندرت، افکار کی جدت کو سمجھنے کی جانب میری توجہ مبذول کرائی۔ چار سالوں میں لگاتار ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا ، میری رفاقت کے بہ غیر جس دن کھروڑ کے اساتذہ شرف دید سے بہرہ ور ہو کر جامعہ واپس آتے تو مجھے بتاتے کی حضرتؒ تمہارا تذکرہ کر رہے تھے۔ یہ صرف مجھ جیسے کم علم، کم فہم اور کم مایہ پر ان کی کرم فرمائی اور ذرہ نوازی تھی۔ جب ہندوستان کے عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم وقف دیوبند میں تقرر کی بات آئی تو میں بے حد پس و پیش کا شکار تھا کہ حضرت کو بتاؤں یا نہ بتاؤں، اگر بتاتا ہوں تو کہیں طبیعت پر گرانی نہ ہو، اور اگر نہ بتاؤں تو برسوں کی عنایات والطاف کو ٹھکرانا اور احسانات پر پانی پھیرنا کے مرادف ہوگا۔ خیر جسارت کرتے ہوئے، دل میں مختلف خیالات لیے ہوئے آپ کے کاشانہ پر حاضر ہوا، جو کچھ دل میں تھا بے لاگ لپیٹ پیش کر دیا اور آپ کے نورانی چہرے کو بہ غور پڑھتا رہا۔ سن کر کچھ اداس سے ہوئے اور فرمایا ''کہ مولوی صاحب اب پھل کھانے کا وقت تو آپ پابہ رکاب ہیں میری دلی خواہش تھی کہ آپ کھروڑ میں چار سال مزید رہ کر عربی زبان وادب کے ماحول کو اور مستحکم کر دیتے پھر جاتے تو اچھا ہوتا۔ میں طلبہ اور اساتذہ سے آپ کی کارکردگی اور محنت کو سنتا ہوں دل سے دعا دیتا رہتا ہوں۔ دارالعلوم وقف دیوبند ایک بڑا ادارہ ہے اس کو بہت سے قابل افراد مل جائیں گے ؛لیکں یہاں تقاضہ ہے جس کی تکمیل کے لیے آپ بے حد موزوں تھے۔'' پھر میں نے دارالعلوم وقف دیوبند میں اپنی علمی ترقی کے متعلق تفصیلات پیش کی تو اطمینان کا اظہار کیا اور کہا: ''تب تو منع کرنے میں خیر نہیں ہے۔ جائیے جہاں بھی رہیے شاد وآباد رہیے۔''

میری آخری ملاقات کھروڑ میں منعقدہ سیمینار بہ عنوان ''حضرت محدث عصر مولانا یونس جونپوریؒ: حیات اور کارنامے'' میں ہوئی دعاؤں سے نوازا۔

ایک یادگار لمحہ: میری زندگی کا سب سے زیادہ خوش کن اور قابل فخر لمحہ فلاح دارین ترکیسر کے النادی العربی کے سالانہ تقریری مسابقہ میں حاضر ہونا تھا۔ وہ ایک تاریخی پروگرام تھا جس میں ہندوستان کے موقر جامعات اور مدارس کی شہرہ آفاق شخصیات موجود تھیں۔ حضرت علیہ الرحمہ اس سدا بہار اور عظیم الشان اجلاس کے صدر نشین تھے۔ ایشیاء کی عظیم ترین دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے باکمال استاذ، صاحب طرز انشاء پرداز حضرت الاستاذ مولانا نور عالم خلیل الامینی صاحب مدظلہ العالی چیف ایڈیٹر ''مجلۃ الداعی'' بحیثیت مہمان خصوصی مدعو تھے، جن کی دلآویز اور قد آور شخصیت کی مقناطیسیت کی وجہ سے اطراف واکناف کے طلبہ،

اساتذہ، منتظمین اور علم دوست اشخاص کا ایک جم غفیر کشاں کشاں اس اجلاس میں حاضر ہو گیا تھا۔ اسٹیج علمی آفتاب و ماہتاب، ادبی مہ وانجم اور روحانی کہکشاں سے جگمگا رہا تھا۔ خیر احقر کو طلبہ کی تقریر کے اختتام کے بعد اور حضرت الاستاذ کی تقریر سے قبل اپنے تاثرات کے اظہار لیے موقعہ عنایت کیا گیا، پورا کوکبی و ماہتابی چہروں سے درخشندہ تھا۔ میں نے عربی زبان کے حصول کے طریقوں پر اپنے مشفق استاذ سے معذرت چاہتے ہوئے گفتگو کی۔ میرے تاثرات کو حضرتؒ اور استاذ دونوں خوب سراہا اور اس کے بعد سے گجرات کے مختلف اداروں میں عربی زبان وادب کے حوالے سے جانا ہوتا رہا۔ یہ حضرت کی وسعت ظرفی ہی تھی کہ انھوں نے اپنے موقر ادارہ میں مجھ ناچیز کو بلا میری عزت افزائی فرما کر آگے بڑھنے کے بال و پر دیے۔

خصائص وامتیازات

(۱) حضرت رئیسؒ کی قدآور شخصیت میں ظاہر وباطن کی یگانگت کا حسین امتزاج تھا۔ ان کی زبان اس چیز کی ترجمانی کرتی نظر آتی جو ان کے دل میں ہوتا تھا۔ نفاق، دوہرے پن اور دورنگی سے بالکل دامن کشاں تھے۔ ایسے آدمی کی آنت شیطانی نہیں ہوتی؛ لہٰذا وہ مصلحت اندیشی اور مفاد پرستی کی آلودگیوں سے بالکل مبرا ہوتا ہے؛ کیوں کہ اس طرح کی قبیح ترین حرکت کے لیے بہ ظاہر نرم گفتاری اور بہ باطن سنگ دلی کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) جوہر شناسی ومردم سازی

اللہ رب العزت نے انھیں فراست ایمانی کا وافر حصہ عطا کیا تھا جس کے فیضان سے ایک نظر میں اپنے ہم نشیں کی صلاحیتوں، قابلیتوں اور ہنرمندیوں کو تاڑ لیتے تھے اور ان کی مزید تراش خراش، نکھار اور جلا بخشنے کے لیے اس کے ذوق ورجحان کے مطابق کام میں لگا کر ان کی مہارتوں کو اس طرح مہمیز لگاتے کہ وہ اپنے میدان کا ہیرو اور اپنے فن کا نیر تاباں بن کر دینائے علم وفن کے افق پر چمکتا اور لوگ اس کے کمال پر سر دھنتے۔ ان کی کیمیا اثر نظر کی کرشمہ سازی کہ لیجیے کہ آج برصغیر ہی نہیں؛ بل کہ یورپ کی فضاؤں میں ان کے سیکڑوں تراشیدہ موتی ہیں جن کی تب وتاب سے قافلۂ بشر، شاہ راہ صواب پر گامزن ہے اور حضرتؒ والا کی قدردانی اور قدر شناسی میں جبین نیاز وسپاس خم کیے ہوئے ہے۔

(۳) وسعت ظرفی اور علمی ذوق کی رنگارنگی

وہ بڑے خوش مذاق، زندہ دل اور کشادہ نفس تھے۔ کسی کے فضل وکمال، کسی کی ذکاوت وذہانت، کسی کی علمی کاوش اور فنی خدمت کو سراہنا اپنا فرض گردانتے تھے اور اس باب میں بخل بالکل روا نہیں رکھتے تھے۔ وہ

قلم کاروں کی گل کاری، محققین کی دیدہ وری اور نکتہ آوروں کی نکتہ وری کی تعریف وتوصیف میں بڑے فیاض واقع ہوئے تھے۔ کبھی کبھی تو نوآموز اہل قلم کے لیے ایسے تعریفی کلمات کہہ جاتے جن کا وہ مستحق نہ ہوتا؛ لیکن ان کی تعریف یا داد تحسین دل بڑھانے یا کام کا حوصلہ پیدا کرنے کی خاطر ہوتی اور ان کی مخلصانہ فراخ دلی نے تو ان کے بہت سے شاگردوں کو اہل قلم کی فہرست میں لا کھڑا کیا، یہی وجہ ہے کہ ان کے احباب ان کے علم وفضل، ذاتی فضیلت وبرگزیدگی، سیرچشمی ورواداری، جوہر شناسی وقدردانی اور مزاج کی شگفتگی سے ہمیشہ ان کے گرویدہ رہے۔ آپ ہندوستان کی تمام دینی دانش گاہوں، ان کے فضلا اور ان کے علمی آثار ونقوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کا دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلما، مظاہر علوم سہارنپور کے علما سے حددرجہ عشق تھا اور ہر ایک کی تصنیفات وتالیفات سے استفادہ کرنے کو اپنے لیے باعث فخر محسوس کرتے تھے۔ ان کی طبیعت میں بے پناہ رنگارنگی، ذوق میں ازحد تنوع تھا؛ جس کی وجہ سے وہ تمام علوم فنون کی کتابوں سے محبت کرتے اور انھیں اکٹھا کرنے کی اپنی بساط بھر کوشش کرتے تھے۔

(۳) تعصب کی آلاش سے پاک دِرآبدار

حضرت والا کی ذات بابرکت تعصب کی گندگی اور عفونت سے بالکل مبرا تھی۔ قومی، وطنی، لسانی، نسلی، خاندانی اور علمی تعصب تو ان کے پاک دل اور صاف دماغ کے قریب اپنا پر بھی نہیں مار سکتا تھا۔ تعصب کی سرکوبی، اس کی بیخ کنی اور اس کی مذمت اپنی تحریروں، تقریروں اور مجلسوں میں بارہا کرتے تھے۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ تعصب علمی وفکری پرواز، روحانی وایمانی ترقی، اخلاقی وذہنی ارتقا، عقلی ودماغی بالیدگی کی راہ میں ایک بڑی خلیج اور عظیم سدباب ہے۔

(۴) قدیم وجدید کی جامعیت

حضرت والا کا خصوصی وصف یہ تھا کہ ان کا ہر قول وعمل، کام کاج اور فکر ونظر میں غایت درجے کا اعتدال تھا۔ وہ علوم قدیمہ وجدیدہ کے مجمع البحرین تھے اور دونوں کی اہمیت وافادیت کے قائل تھے۔ بالخصوص نونہالان قوم وملت کی ذہنی ودماغی سطح اور ان کی نفسیات کو جاننے کے لیے اہل مغرب نے جو کاوشیں کی ہیں ان کو خوب سراہتے تھے اور ان کی تحریروں سے مستفید ہوتے تھے۔ اسی طرح مدارس اسلامیہ کے فضلاء کو دور حاضر کی رائج اور سب سے زیادہ بولی جانی والی زبان ''انگریزی'' میں کمال پیدا کرکے دشمنان اسلام کے لچر سوالات واعتراضات کا دنداں شکن جواب دینے کی طرف توجہ مبذول کراتے تھے۔ ان کی جامعیت کی جیتی جاگتی مثال ان کے گاؤں کا حسین وجمیل اسکول ہے جس کی تعلیمی معیار کو بلند کرنے

کے لیے حضرت نے شبانہ روز جانی و مالی قربانی پیش کر کے وہاں کے باشندگان کے لیے ایک عظیم صدقہ جاریہ اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔

حضرت رئیسؒ کی مجلس کی کچھ جھلکیاں

حضرت کی مجلس علمی وادبی شخصیات، ماہرین فن، کہنہ مشق اساتذہ، تجربہ کار معلمین، تشنگان علوم نبویہ اور گاؤں کے خواص وعوام سے بھری پری رہتی تھی۔ عام طور پہ یہ زعفران زار مجلس عصر کی نماز کے فوراً بعد حضرتؒ کے کاشانے کے دائیں جانب ایک خوشنما اور نظر نواز پھلواری کے جنوبی حصے میں لگتی جہاں کرسیاں بڑے ہی سلیقے اور قرینے سے لگی ہوتیں۔ حضرتؒ اپنے آرام دہ جھولے پر تشریف فرما ہوتے آنے والے تمام زائرین کا پرتپاک اور گرم جوش خیر مقدم کرتے۔ اس کمتر کے ساتھ ان کا معاملہ ہی کچھ اس قدر والہانہ اور محبانہ؛ بل کہ عزیزانہ تھا کہ اسے اپنے قریب جھولے پر بٹھاتے اور پانچ منٹ کے بعد یہ فرماتے کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو تکلف ہو رہا ہے؛ کیوں کہ آپ کے دیار میں اس کا رواج نہیں ہے۔ آپ کی مجلس پند ونصائح، موعظت وحکمت کے جواہر سے پر ہوتی تھی، بالفاظ دیگر آپ کی مجلس علم ریز، فکر انگیز اور روحانیت خیز اور نورانیت سے لبریز ہوا کرتی تھی۔ آپ کو خدا تعالی نے بلا کا حافظہ عطا کیا تھا اس لیے مجلس میں ساٹھ ستر سال پرانے واقعات اس طرح تفصیل وتیقن کے ساتھ بیان کرتے گویا یہ ابھی رونما ہوئے ہوں، ماضی کے اوراق پلٹتے تو تاریخ کا دفتر کھل جاتا، اپنے اساتذہ واکابر کے علم وفضل، اخلاص وللہیت، تواضع وبے نفسی کے واقعات بہت ہی عقیدت مندی اور دل سوزی کے ساتھ سناتے۔ ان کی مجلس لغویات، طنزیات، فقرہ بازیوں، غیر ثقہ جملوں، قہقہوں اور چھچھوں کی ہول پکار سے پاک تھی؛ بل کہ آپ کی مجلس حجازی جمال وجلال، دینی باغ وبہار اور مدنی جام وسبو سے عبارت تھی۔ دل کی سردانگیٹھیوں میں عشق ومحبت کی آگ لگاتے، محبت شراب صبوحی وغبوقی پلاتے، کبھی دل میں ذوق خدائی کا شعلہ وشرر بھڑکاتے تو کبھی خلد بریں کے حسین مناظر سے دل ودماغ کو سامان مسرت فراہم کرتے۔ اور تمام بادہ کشوں کو سراپا ذوق وشوق، وجد وسرور، وصل وحضور، عشق کے سوز وساز اور محبت وعبدیت کے راز ونیاز سے واقف کراتے۔ اور مجلس کا ہر حاضر باش خیر وبرکت، عشق الہی کی تپش، محبت رسول کی حرارت، سوز دروں اور ذوق عبادت وشوق ریاضت کا جام آتشیں نوش کر کے واپس آتا۔ ان کی مجلس کا خاص وصف یہ تھا کہ وہ اپنے تمام ہم نشینوں کے مزاج ومذاق کا بھرپور خیال کرتے اور ان کی سطح اور علمی معیاری کے مطابق گفتگو کرتے۔ اگر کسی کو عربی کا شوق ہے تو عربی اشعار اور ادبی کتابوں کے تراشے پڑھ کر سناتے اور کلام کی پوشیدہ خوبیوں کو

اپنی شستہ اور شائستہ زبان سے اجاگر کرتے اور اگر کسی کو تصوف وسلوک کا چسکہ ہوتو اسے جام معرفت پلا کر مخمور کرتے ۔جب دیہات کے لوگوں سے ہم کلام ہوتے تو اس طرح بات کرتے جیسے آپ نے کبھی مدرسے کا منہ ہی نہ دیکھا ہو۔

باتیں ان کی یاد رہیں گی

(۱) اخلاص: دل کو اس گراں مایہ سرمایہ سے آباد رکھیے۔

(۲) ظاہری طہارت اور جسمانی نظافت کا بھرپور خیال رکھیے۔

(۳) آداب اسلامی کا ہمہ وقت خیال رکھیے۔

(۴) صفائی معاملات سے قلوب صاف رہتے ہیں۔

(۵) علما کو خدا شناسی کے ساتھ ساتھ خودداری اور خردنوازی کے زیور سے آراستہ ہونا چاہیے۔

(۶) دل حسد وبغض اور کینہ سے پاک رکھیے، دماغ فتنہ پروری، بدگمانی اور گندے خیالات سے پاک رکھیے

(۷) زبان کو فحش گوئی، دریدہ دہنی، گندے بول اور عامیانہ کلام سے دور رکھیے۔

(۸) علمی وجاہت اور دینی مقام ومنصب کا ہمیشہ پاس ولحاظ کیجیے۔

(۹) ”واعبد ربك حتی یأتیك الیقین “ کو ہمیشہ نگاہوں کے سامنے رکھیے۔

(۱۰) علامہ یوسف قرضاوی مدظلہ العالی کا مقولہ بارہا دہراتے تھے ”رجل ذو همة یحیی ا لأمة“

تصنیفی وتالیفی خدمات

تصنیف ایک ایسی خاموش سنجیدہ ، پائیدار اور جاویداں خدمت ہے جو گمنام کو ناموری اور شہرت عطا کرتی ہے، قصباتی کو آفاقی اور فقیر کو شاہوں کی صف میں لا چھوڑتی ہے، تصنیف ہی وہ علمی بہشت ہے جس میں انسانی عقلوں کو راحت وسکون، بشری ارواح کو قرار وطمانیت ، خاکی صفت خلق کو مسرت وفرحت ہاتھ آتی ہے ۔تصنیف وہ آب حیات ہے جو مردہ جانوں میں روح پھونکتی اور پژمردہ قلوب میں حرارت پیدا کرتی ہے ۔اس میدان میں بھی حضرت والا کی بافیض اور باتوفیق شخصیت نے امت مسلمہ کے لیے بالعموم اور طبقۂ علما وصلحا کے لیے بالخصوص قیمتی اور وقیع گنجہائے گراں مایہ اپنے پیچھے چھوڑا ہے جو علمی ،فکری، دعوتی ،اصلاحی اور تحقیقی میدان میں کام کرنے والوں کے لیے منارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ان کی تصنیف علوم ومعارف، فنی نکات، علمی جہات، فکری نقاط، حکمت ودانائی، فکر وفن کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

(۱)أضواء علی تاریخ الحرکة العلمیة والمعاهد الاسلامیة والعربیة فی غجرات الهند
(۲)علامہ بدرالدین عینی اور علم حدیث میں ان کا نقش دوام
(۳)دیوان امام شافعیؒ (شرح اردو)
(۴) نصیحة المسلین (ترجمہ حواشی وتعلیقات)
(۵)چالیس احادیث (عربی، گجراتی، انگلش)
(۶)حضرت حاجی امداد اللہؒ اوران کے نامور خلفاء (گجراتی)
(۷)علامہ قطب الدین نہروالیؒ اور خدمات حدیث
(۸)علامہ یوسف بنوریؒ اورخدمات حدیث
(۹)افکار پریشاں (اول، دوم)
(۱۰)صدائے دل (اول، دوم)
(۱۱)گلشن کا پودرہ (گجراتی)
(۱۲)رشد وہدایت کے منار جن سے میں نے کسب فیض کیا

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

فضل وکمال کا پیکر، حکمت ومعرفت کا گوہر پنہاں، کاروان علم وادب کا حدی خواں اور مسلمانوں کے علمی لشکر کا رجز خواں ۲۴ر شوال ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۰رجولائی ۲۰۱۸ء بروز منگل بہ وقت ظہر، تقریباً چار بجے دن راہی بقاء ہوا۔ اوراپنے ساتھ علم وفن کی بالغ نظری، شعروادب کی رمز شناسی اور ذہن رس کی نکتہ وری، کردار کی دل آویزی، سیرت کی رعنائی لے کر ہماری آنکھوں میں اشکوں کی سوغات دے کر چل بسا۔ عالم بقا کے مسافر! تجھ پر رحمت، تیری روح پر رحمت، اسلامی روایات کی تیری پاسبانی پر رحمت، تیرے قلم کی کوہ کنی پر رحمت جس سے جوئے شیر اسلامیہ کی نہر بہتی رہی بارالٰہا! اس پاک دل اورخوش اخلاق بندے کواپنی رحمتوں کی کوثر، برکتوں کی تسنیم اورشان کریمی کی سلسبیل سے سیراب کر۔ الوداع، السلام تو جا چکا، مگر تو زبان حال سے کہتا گیا:

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

وہی چراغ بجھا جس کی لو قیامت تھی

مولانا مجتبیٰ حسن قاسمی ❖

آہ! ماہر تعلیم، فلاح دارین کے رئیس، بے مثال عالم و مفکر، علاقے کی سب سے محبوب و دل آویز شخصیت، صوبہ گجرات میں اس ناچیز کے سب سے زیادہ خیر خواہ و مربی: حضرت مولانا عبد اللہ کاپودروی صاحب، ۲۵/شوال المکرّم ۱۴۳۹ھ=۱۰ جولائی ۲۰۱۸، منگل کو شام تقریباً چار بجے اللہ کو پیارے ہوگئے، إناللّٰه و إنا اليه راجعون.

حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے متعدد خوبیوں سے نوازا تھا، عوام و خواص میں محبوبیت کا یہ عالم تھا کہ ان کی وفات پر سب حزین و غمگین تھے اور اہل خانہ کے ساتھ خود کو بھی محتاج تعزیت سمجھ رہے تھے۔

پہلی ملاقات

ناچیز آج سے کوئی آٹھ سال قبل [شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ=اکتوبر ۲۰۱۰ء ''بسلسلۂ تدریس'' بھروچ کے ایک ادارہ: دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی میں حاضر ہوا، وہاں کے مہتمم مولانا امجد بیمات صاحب مرحوم سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے معذرتاً فرمایا کہ میں بہ ذات خود آپ کا استقبال نہیں کرسکا، وجہ یہ ہوئی کہ میں ''باجی'' کے یہاں گیا ہوا تھا۔ انہوں نے لفظ ''باجی'' کو بڑی عقیدت و محبت سے ادا کیا، میں اس لفظ کے گجرات میں بولے جانے والے پس منظر و حقیقت سے واقف نہیں تھا؛ اس لیے انہیں تعجب خیز نظروں سے دیکھنے لگا، مولانا امجد صاحب کو میری حیرت کا اندازہ ہوا اور فوراً مسکراتے ہوئے وضاحت کی کہ ہمارے یہاں انتہائی قابل احترام شخصیت کو ''باجی'' کہتے ہیں، دراصل میں حضرت مولانا عبد اللہ کاپودروی دامت برکاتہم کے یہاں گیا ہوا تھا اور انہیں ہم لوگ عقیدت و محبت کے ساتھ لفظ ''باجی'' سے یاد کرتے ہیں، ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ آئندہ کل ہم سب لوگ ''باجی'' سے ملنے جائیں گے۔

متعدد مرتبہ حضرت مولانا عبد اللہ کاپودرویؒ کا نام سن رکھا تھا؛ لیکن اس وقت تک زیارت نہیں ہوسکی

❖ استاذ حدیث دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ

تھی، جب اگلے دن مولانا امجد صاحب کی معیت میں حاضری ہوئی، تو دیکھا علماء کے جھرمٹ میں ایک انتہائی قابل احترام اور سنجیدہ شخصیت بیٹھی ہے، تمام علماء ان کی جانب متوجہ ہیں، حضرت والا ہر ایک کی جانب متوجہ ہو رہے ہیں اور ان کی خبر خیریت دریافت کر رہے ہیں۔

جب میری طرف متوجہ ہوئے تو مولانا امجد صاحبؒ نے میرا تعارف کرایا، حضرت رئیس رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت اپنے قریب بلا کر بٹھایا اور مانوس کرنے کے لیے چند چیزیں دریافت فرمائیں، مثلاً: کہاں سے تعلیم حاصل کی، اساتذہ کون تھے، آپ کا رجحان کس فن کی جانب ہے، اس فن کی مشہور کتابیں کیا ہیں اور آپ نے کن کن کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، اب تک کوئی تفصیلی مقالہ لکھا یا نہیں؟ سوالات اس شفقت بھرے انداز میں کر رہے تھے، کہ فوراً انسیت ہو گئی اور جواب دینے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی۔ بس اس دن سے ان کے تئیں عقیدت و محبت کی جو چنگاری میرے دل میں روشن ہوئی، وقت کی رفتار کے ساتھ وہ شعلہ بنتی گئی، پھر تو ایسا ہو گیا کہ اپنی ہر طرح کی علمی سرگرمی سے ان کو باخبر کرتا اور وہ خود بھی ہمیشہ میرے تئیں فکر مند رہے۔

حضرت والا جب میری کوئی تحریر دیکھتے، تو حوصلہ افزائی کی خاطر خوب تعریف فرماتے، بعض گوشوں کی نشان دہی کرتے، اور نصیحتوں سے نوازتے، جب ان کی مجلس سے اٹھ کر آتا، تو خود اعتمادی سے اپنا دامن لبریز پاتا، اور محسوس ہونے لگتا کہ ہم نے بھی کوئی کام کیا ہے، پھر تھکے ہارے مسافر میں کام کرنے کی اسپرٹ پیدا ہو جاتی تھی۔

۲۰۰۱ء میں احقر نے معہد، حیدرآباد میں رہتے ہوئے، استاذ محترم حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی نگرانی میں اردو زبان میں ایک تحریر لکھی تھی، موضوع تھا: ''اسلام اور جدید ذرائع ابلاغ'' یہ مقالہ کتابی شکل میں پہلی مرتبہ دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی اور اس کے عالی وقار مہتمم مولانا امجد بیماتؒ نے شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، حضرت والاؒ کو اطلاع دی، بہت خوش ہوئے، درخواست کی گئی کہ بہ طور تقریظ کوئی تحریر عنایت فرما دیں، فرمایا: مفتی صاحب! ضرور لکھوں گا، آپ مسودہ بھیج دیجیے۔ پھر حضرت والا نے تفصیلی تحریر لکھی، جس کا ایک حصہ یوں ہے:

آلات فی نفسہا قابل مذمت نہیں ہیں، جیسے اشعار کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: ''**حسنه حسن و قبيحه قبيح**'' بعینہ یہی شکل ان وسائل جدیدہ کی ہے، اگر ان آلات کا اسلامیزیشن (Islamization) کیا جائے، یعنی ان کو اسلامی حدود میں لا کر ابلاغ دین اور دفاع دین کے لیے استعمال کا جائے، تو دعوت دین کے لیے بے حد مؤثر ہوں گے۔

ہمیں خوشی ہے کہ اس اہم موضوع پر شرعی نقطۂ نظر پیش کرنے کے لیے ہمارے عزیز مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی حفظہٗ اللہ (مدنی دارالتربیت، کرمالی کے قابل اور باذوق استاذِ حدیث) نے ''اسلام اور جدید ذرائع ابلاغ'' کے نام سے یہ قیمتی کتاب مرتب فرمائی ہے، ان کی فقہی آراء پر تو اصحاب افتا ہی روشنی ڈال سکیں گے، مگر ایک بات یقینی ہے کہ موجودہ دور کے اس اہم مسئلہ پر متفقہ فیصلے اور اجتماعی غور وخوض کی ضرورت ہے، تاکہ ہم عملی اور قولی تضاد سے بچ سکیں، **والله يهدينا جميعا إلىٰ سواء السبيل.**

حضرت مفتی صاحب نے فوٹو اور ٹیلی فون کے بارے میں بھی مفید باتیں لکھ دیں ہیں، اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی خدمات کو قبول فرمائے، اور ہم سب کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

جب یہ کتاب چھپ کر آئی، تو پچاس نسخے منگوائے اور فرمایا کہ اسے ساؤتھ افریقہ بھیجوں گا، وہاں تصویر کے مسئلے میں علماء کرام میں شدید اختلاف ہے، آپ کی تحریر معتدل ہے، اس سے اختلاف کو ختم کرنے میں مدد ملے گی۔ ظاہر ہے کہ حوصلہ افزائی کا یہ بھی ان کا ایک انداز تھا۔

گجرات کے مستند عالم دین ومفتی حضرت مولانا ومفتی احمد بیماتؒ کے فتاویٰ کی ترتیب وتخریج کے بعد جب پہلی جلد کا مسودہ خدمت میں پیش کیا، تو حضرت والا نے انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا، بے شمار دعائیں دیں اور فرمایا کہ آپ کی حسن ترتیب وتخریج نے مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ میں چار چاند لگا دیے ہیں، اور تقریظ کے لیے ایک تفصیلی تحریر عنایت فرمائی، جس میں آپ نے تحریر فرمایا:

حضرت مفتی احمد بیماتؒ بہترین مدرّس، حق گو عالم اور تجربہ کار مفتی تھے، ڈابھیل اور ترکیسر میں چالیس سال تک فقہ وحدیث کی خدمت انجام دیتے رہے، دارالعلوم فلاحِ دارین کے مفتی کی حیثیت سے بہت بڑی تعداد میں فتاویٰ لکھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کے فرزند گرامی حافظ اسجد صاحب مدظلہٗ کو توفیق اور ہمت عطا فرمائی کہ اُنھوں نے اپنے والدِ محترم کی گجراتی کتابوں کو اردو میں منتقل کیا، اور فتاویٰ کے اہم کام کے لیے جدوجہد فرما رہے ہیں۔

مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی مدظلہٗ، جو مدنی دارالتربیت کے اُستاذِ حدیث ہیں، فنِ فقہ سے خاص مناسبت رکھتے ہیں، اُنھوں نے انتہائی جاں فشانی سے اِن فتاویٰ کے حوالے کتبِ معتبرہ سے لکھے ہیں اور بہت عمدہ تعلیقات فرمائی ہیں، جس کی وجہ سے اِن فتاویٰ کی قدر وقیمت میں اِضافہ ہو گیا ہے، اور علماء اور اصحابِ فتاویٰ کے لیے قیمتی تحفہ بن گیا ہے۔

الحمد للہ فتاویٰ فلاحیہ کہ چار ضخیم جلدیں بہت ہی کم وقت میں اس ناچیز کی تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں، اس قدر عجلت میں اتنا بڑا کام کیوں کر ہوا؟ سوچتا ہوں تو بس اللہ کی توفیق کے بعد بظاہر دو وجہ

سمجھ میں آتی ہے، ایک تو میرے کرم فرما حافظ اسجد صاحب کے بار بار تقاضے کو اس میں دخل ہے، وہیں دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ ناچیز جب بھی کا پودرا حضرت والاؒ کی خدمت میں جاتا، تو خبر وخیریت کے بعد سب سے پہلا سوال یہی کرتے کہ فتاویٰ فلاحیہ کی اگلی جلد کب آرہی ہے؟ کام کتنا ہوا ہے؟

نوجوان علماء کی حوصلہ افزائی

ان کی بڑی خوبی یہ تھی کہ نوجوان فضلاء کی بے پناہ حوصلہ افزائی فرماتے تھے، ان کو لکھنے کی ترغیب دیتے، کوئی کچھ لکھ کر لے جاتا، تو بے انتہا تعریف کرتے، ان کی مجلس میں جا کر ہم جیسوں کو بھی گمان ہونے لگتا کہ واقعی ہم نے تیر مار لیا ہے،

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت والا کے انتقال سے سب سے زیادہ نقصان نئے پڑھنے لکھنے والوں کا خصوصا اس ناچیز کا ہوا ہے۔ اللہ مغفرت فرمائے کہ ان کے احسانات سے جہاں اہل گجرات زیر بار ہیں، وہیں ہم جیسے پردیسی پر بھی ان کے احسانات کم نہیں ہیں۔

جب گجرات کے ایک ادارے سے میری علاحدگی ہوئی، اور ان کو علم ہوا، تو انہیں بڑی فکر لاحق ہوئی، اس موقع پر انہوں نے فرمایا: مفتی صاحب! آپ بڑے کام کے آدمی ہیں، ہم آپ کو کہیں نہیں جانے دیں گے۔ ایسا ہی ہوا، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش وکوشش سے دار العلوم ماٹلی والا میں تقرری ہوئی۔ آج الحمد للہ دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ کی علمی فضا میں کام کرتے ہوئے ان کے لیے جو دل میں جذبات پیدا ہوتے ہیں، ان کے احسانات سے جو آنکھیں چھلک جاتی ہیں، وہ اللہ ہی جانتا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

رب کا شکر ادا کر بھائی
جس نے ہماری گائے بنائی
دودھ، دہی اور مٹھا، مسکہ
دے نہ خدا تو کس کے بس کا

ان کی زبان مبارک سے جب مولوی اسماعیل میرٹھی کی یہ نظم سنی اور اس میں موجود خوبیوں کی جانب حضرت نے جس انداز سے اشارہ فرمایا، تب بات سمجھ میں آئی کہ ہمارے اکابر نے اس کتاب کو اردو سیکھنے کے لیے نصاب میں کیوں جگہ دی ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ دیکھیے، اس نظم میں ایک طرف تو غیر محسوس طریقے سے بچوں کے ذہن میں

وحدانیت وقدرت خداوندی کو بٹھلایا جارہا ہے، وہیں دوسری طرف الفاظ کے ذخیرے بھی جمع ہورہے ہیں۔ چناں چہ دوسرے شعر کی تشریح یوں فرمائی:

''دودھ، دہی اور مٹھا مسکہ'' اس مصرع میں چار الفاظ استعمال کیے گئے اور دوسرے مصرع: ''دے نہ خدا تو کس کے بس کا'' میں بہتر انداز میں اللہ کی قدرت کی جانب اشارہ کیا گیا، یہ اشارہ غیر محسوس طریقے سے بچوں کے ذہن میں بیٹھ جانے والا ہے۔

ان کو علماء میں جو مرجعیت اور اس سے بڑھ کر محبوبیت حاصل ہوئی، میں سمجھتا ہوں کہ ماضی قریب میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

کہا جاتا ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، مختلف میدان اور مختلف ممالک میں کام کرنے والے آپ کے باکمال شاگردان اس کی جیتی جاگتی مثال ہیں۔

حضرت والا کا متعدد اداروں سے ذمہ دارانہ اور قائدانہ تعلق رہا، وہ کسی ادارے یا فرد سے صرف رسمی سرپرستی کا تعلق نہیں رکھتے تھے، بل کہ اس ادارے یا فرد کی ہر قسم کی معلومات رکھتے، حیرت ہوتی ہے کہ جب بھی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، میری دلچسپی کی بات کیا کرتے، پوچھتے کہ کون کون سی کتابیں زیر تدریس ہیں، فلاں کتاب کس نہج سے پڑھاتے ہیں؟ جب میں بتاتا، تو حوصلہ افزائی کے کلمات ارشاد فرماتے، اور کوئی بات قابل اصلاح ہوتی تو متوجہ فرماتے، لیکن توجہ دلانے میں ہر شخص کی عزت نفس کا خیال رکھتے۔

حضرت والا کو جوار رحمت میں جگہ ملے، ان کے درجات بلند ہوں، اور جس طرح وہ اس دنیا میں عزت وعظمت کے اعلیٰ مقام پر فائز رہے، اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی اسی طرح بلندی درجات عطا فرمائے، آمین۔

۞......۞......۞

ایک صاحب عزیمت کی موت

مولانا محمد شاہد الناصری الحنفی ❖

حضرت مولانا مفتی عبداللہ کاپودری صاحبؒ عہد حاضر کے ایک ممتاز صاحب فکر ونظر عالم دین تھے، افسوس کہ وہ بھی گذشتہ دنوں دارفنا سے کوچ کر کے خالق حقیقی سے جاملے۔

مولانا کاپودری صاحبؒ کا نام مختلف مواقع پر گجرات کے بعض احباب کی زبانی سماعت کیا کرتا تھا، اتفاق کی بات یہ ہے کہ کوئی دس سال پہلے ان سے یونائیٹڈ مسافرخانہ ممبئی میں دفعتاً بلاارادتاً ملاقات ہوگئی۔ میں غالباً ظہر کی نماز کے لیے وہاں پہونچا تھا، دیکھا کہ ایک نورانی صورت، سنجیدہ شخص، متانت وبردباری کیساتھ، مراقبے کی شکل میں بیٹھے ہوئے ہیں، وہاں کے امام قاری قربان علی صاحب دربھنگوی سے جب استفسار کیا اوران کا تعارف دریافت کیا، توانہوں نے بتایا کہ یہ گجرات کے بڑے عالم دین مولانا عبداللہ کاپودری صاحب ہیں۔ نماز سے فراغت پرعلیک سلیک ہوئی، قاری صاحب نے میرا تعارف کرایا، وہ بہت خوش ہوئے اور مرشد گرامی حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتا بگڈھی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر بہت دیر تک ہوتا رہا، اس کے بعد مختلف موضوعات پر بلاتکلف گفتگوفرماتے رہے، اسی دوران قاری صاحب نے بتایا کہ ہندوستان اخبار میں مولانا کا روزانہ ایک کالم ''باتیں صحابہؓ کی'' کے عنوان سے شائع ہورہا ہے، توانہوں نے خواہش ظاہر کی کہ میں مضامین دیکھنا چاہتا ہوں اور خاکسار کے عرض کرنے پر کہ جب بزرگوں کے کلام سے امت کوفائدہ پہونچتا ہے، تو پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کلام سے امت کوکس قدر فائدہ ہوگا وہ ظاہر ہے۔ مولانا کاپودری پر یہ سن کر رقت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اگرچہ میں مولانا کی صورت اور بعد میں ان کی گفتگو سے اس نتیجہ پر پہونچ چکا تھا کہ واقعتاً کاپودری صاحب کے اندر شان عبدیت موجود ہے، مزید کسی شہادت کی ضرورت نہیں تھی۔

بعد کے ادوار میں اگرچہ ان سے ملاقات نہیں ہوسکی، مگر بہرحال ان کی قدرومنزلت اورمحبت دل میں باقی رہی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دورقحط الرجال میں مولانا کاپودری صاحب اگلوں کانمونہ تھے۔ وضع قطع

❖ مدیر: ماہنامہ مکہ میگزین، ممبئی

اور چال ڈھال حد درجہ سادہ اور متواضعانہ۔ کہا جاتا ہے کہ پھل دار درخت جھکا ہوا ہوتا ہے، سچی بات یہی ہے کہ مولانا کاپودری مرحوم سو فیصد اسی کے مطابق تھے،صدمحاسن وفضائل اور علم کی جامعیت اور معاصر علماء میں شان انفرادیت کے ساتھ محبوبیت بھی بین العوام والخواص حاصل تھی۔

مولانا کے خطاب کا انداز بھی بہت دلکش ومؤثر تھا،تحریر بھی دردوسوز سے لبریز تھی۔عربی زبان وادب کے شہسوار تھے،بہترین مربی داعی اور امن انسانی کے سفیر تھے۔مردم سازی کہیے یا رجال سازی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ دارالعلوم فلاح دارین کی ظاہری وباطنی ترقی میں ان کا خون جگر شامل ہے۔مولانا کاپودری کے مزاج میں صبر وتحمل اور ایثار وقربانی کی اعلیٰ صفات موجود تھی،حرص وہوس اور نام ونمود سے کوسوں دور تھے، یہی وجہ ہے کہ بغیر کسی مطالبہ یا دباؤ یا اختلاف کے فلاح دارین ترکیسر کے منصب اہتمام سے سبکدوشی حاصل کرلی، ورنہ اب تک وہ بلا کسی قیل وقال کے اس منصب پر فائز رہ سکتے تھے،ان کی ذات سے کسی کو اختلاف کا شبہ تک نہیں تھا۔ بلاشبہ وہ ملک کے قدآور صاحب بصیرت علماء کی صف کے آدمی تھے، چاہیے تو یہ تھا کہ ملک کے مختلف بڑے ادارے کے ذمہ داران یا بڑی تنظیموں کے سربراہان مولانا کاپودری مرحوم سے ان کی زندگی میں استفادہ کرتے ،مگر وائے افسوس کہ اس جانب بہت کم لوگوں کی توجہ گئی۔

مولانا مرحوم خودداری اور غنائے نفس میں بھی طاق ثابت ہوئے۔ بذلہ سنجی برائے دوستاں،شفقت علی الخلق ،علماء وطلبہ اور مشائخ کی عزت وتکریم اور اکرام ضیف آپ کی زندگی کا خاصہ تھا۔ بہرحال اس عہد میں علماء سلف کی آبرو اور یادگار مولانا مفتی عبداللہ کاپودریؒ کی شکل میں اب صبح قیامت تک نہ آنے کے لیے دنیا سے رخصت ہوگیا،مگر یہ کہ گیا کہ:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجری ...

❁……❁……❁

روشن ضمیر، روشن دماغ اور خوش فکر عالمِ دین

حضرت مولانا محمد عبداللہ کاپودرویؒ

مفتی محمد ساجد کُھجناوری ❖

۱۰؍جولائی ۲۰۱۸ء کو فخرِ گجرات اور علم وکمال کے مسند نشیں حضرت مولانا محمد عبداللہ کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ بھی منزلِ فردوس کو سدھار گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، ان للہ ما اعطی ولہ ما اخذ وکل عندہ بمقدار.

یاد رہے کہ حضرت مولانا ادھر ایک زمانہ سے علیٰ شرف الرحیل تھے، چنانچہ آپ کے سانحۂ ارتحال کی خبر وحشت اثر جیسے ہی سوشل میڈیا کے ذریعہ عام ہوئی تو برصغیر ہند وپاک کے اوساطِ دین وادب میں خصوصاً اور بیرون کے اسلامی جگت میں عموماً صفِ ماتم بچھ گئی، اور دیکھتے ہی دیکھتے دیارِ ہند کے علاوہ بلادِ عرب کے بعض اصحابِ علم وقلم کے تعزیتی شذرات واٹس ایپ وغیرہ پر گردش کرنے لگے، قلم وکتاب کے دھنی اپنے اس عظیم علمی رہنما کے کھودینے پر نہ صرف رنج وغم کی تصویر بن گئے بلکہ بزبانِ حال وہ اس حقیقت کا بھی اظہار کررہے تھے　ع

وما کان قیس ہلکہ ہلک واحد　ولکنہ بنیان قومٍ تہدما

حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ محض کوئی روایتی عالمِ دین نہیں تھے کہ جو درسِ نظامی کی تکمیل کرکے محض ایک مخصوص ماحول ومشرب کا طرح دار ہو اور اسلام کے آفاقی مزاج ومنہاج سے اُسے کوئی سروکار نہ رہے، بلکہ وہ تصلب فی الدین رکھنے کے ساتھ اسلام کو اس کے وسیع تناظر میں دیکھنے اور سمجھنے کے روادار تھے، وہ بحرِ علم ومعرفت کے کامیاب شناور، راسخین فی العلم کے زمرہ میں شامل بابصیرت عالمِ دین اور قدیم وجدید مناہلِ ادب سے جرعہ نوشی کرنے والے خدا رسیدہ انسان تھے، دستِ قدرت نے ان کی ذات والا صفات میں علم وفضل کے ایسے قیمتی لعل وجواہر ٹانک دئے تھے کہ ان کے قلب وقالب سے فکر وآگہی کی

❖ استاذ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

دولتِ بیش بہا میسر آتی تھی، شاید مفتی کفیل الرحمٰن نشاطؒ انہیں کیلئے کہہ گئے تھے ۔

دستِ قدرت نے سموئے ہیں اجالے مجھ میں
جب ضرورت ہو چراغوں کی جلا لو مجھ کو

واقعی وہ دین ومعرفت کا ایسا چراغ تھے جس کی روشنی ہر قریب وبعید کو ضوفشاں رکھتی تھی وہ اپنی بافیض شخصیت کے لحاظ سے اپنے علم وکمالات کے اعتبار سے اور فکر وعقیدہ کی پختگی کے زاوِیے سے بھی رجلِ رشید کا اکمل نمونہ تھے، جامعہ فلاحِ دارین ترکیسر گجرات کی تعمیر وترقی اور علم پروری کو ان کے اہتمام ونظامت کی پیشانی کا جھومر ہی کہا جائے گا، جسے کئی دہائیوں تک انہوں نے اپنے خونِ جگر سے سینچا اور تعلیم وتربیت کے لحاظ سے شہرتوں کے آسمان تک پہنچایا، ان کے زمانۂ اہتمام میں جامعہ فلاحِ دارین نے کرشماتی انداز کی خوش گوار ترقی کی، رئیس جامعہ حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ نے علوم وفنون کے ماہر اساتذہ کی ایسی ٹیم وہاں رکھ چھوڑی تھی جو کتاب نہیں فن پڑھاتے تھے، اس کا نتیجہ تھا کہ وہاں سے ایسے رجال کار اور مردانِ حُر تیار ہوئے جنھوں نے اپنی مادرِ علمی کا نام روشن کرنے کے ساتھ معاصر اسلامی درسگاہوں میں تدریس وتنظیم اور تصنیف وافراد سازی کے دیپ جلائے اور ہنوز یہ رجال کار کشتیٔ علم کو ساحلِ مراد سے برابر ہم عناں کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ کی ذات مجموعۂ حسنات تھی، انہوں نے اپنے بڑوں کو نہ صرف دیکھا تھا بلکہ ان کی صحبت ومعیت کی دولتِ بے بدل بھی انہیں حاصل تھی، خود جس گھرانہ کے وہ پروردہ تھے وہاں پہلے سے ہی دین وسلوک کے غلغلے تھے، ان کے جد بزرگوار بلکہ والد گرامی بھی مشاہیر علماء سے ربط وتعلق نبھاتے تھے، بالخصوص حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ تو مرشد وقائد کی حیثیت سے گھر کے ہر فرد کیلئے قابلِ احترام تھے، آپ کے والد کی حضرت تھانویؒ سے مراسلت ومکاتبت بھی رہتی، چنانچہ ایک خط میں جب آپ نے بیٹے کیلئے دُعا کی درخواست گذاری کی تو حضرت تھانویؒ نے ازراہِ جواب لکھا کہ ”میں دُعا کرتا ہوں“۔ ظاہر ہے کہ ایک عظیم مربی والد کی توجہ اور ان کے روحانی شیخ کی دعائیں کیا کچھ اثر نہ دکھاتی، اسی لئے چشمِ فلک نے بھی دیکھا کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کی محبوبیت ومقبولیت مخصوص زمان ومکان تک محدود نہ تھی بلکہ ہر کوئی ان سے ٹوٹ کر محبت کرتا اور ان کے قرب میں ایک خاص قسم کا انس محسوس کرتا تھا، وہ اپنی علم دوستی، ادب نوازی، فکری رواداری، مسلکی اعتدال، نفع رسانی اور انتظامی کمالات سے آراستگی کے سبب گجرات ہی نہیں دور دراز کے تعلیمی وتنظیمی حلقوں میں بھی یاد کئے جاتے تھے، دارالعلوم وقف دیوبند جیسے چوٹی کے اداروں نے انہیں اپنے علمی مشیران اور ارا کین مشاورت میں نہ صرف شامل رکھا

بلکہ ان کے علم و تجربات سے فائدہ اٹھانے میں تخلف سے کام نہیں لیا، ادھر مولانا بھی ہر قسم کے مصالح سے بے پرواہ ہوکر کاروانِ علم کی رہنمائی فرماتے، اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے اور ضرورت پڑنے پر ہر کسی کے کام بھی آتے تھے، حضرت مرحوم کی یہ کشادہ ظرفی بھی انہیں اپنے اقران سے ممتاز کرتی ہے، ورنہ دریں زمانہ بھی مختلف النوع کمالات کے پیکر فرد مل جائیں گے جو آپ کے ہر مرض کا مداوا کر سکتے ہیں، آپ کے دکھ درد کو بانٹ سکتے ہیں، مگر افسوس کہ ان میں سوز وساز ہے اور نہ اخوت و ہمدردی بلکہ تحفظات کی بیڑیوں نے ان کے پاؤں جکڑ رکھے ہیں، اسی لئے ذاتی مفاد سے آگے بڑھ کر ایک قدم چلنا بھی ان کیلئے کارِ دشوار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ملت کے اجتماعی مقاصد کا حصول ان کیلئے غیر ضروری ہوتا ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ کو مصدرِ فیاض نے قلم وخطابت سے خوب خوب نوازا تھا، وہ کثیر المطالعہ اور زود فہم انسان تھے، ان کے اشہبِ قلم سے تقریباً ایک درجن کتابیں بازارِ علم میں آئیں، اور ہاتھوں ہاتھ لی گئیں وہ عربی اور اردو کے زبان شناس صاحبِ قلم تھے، عربی اور اردو کے مختلف اصافِ ادب پر ان کے رشحاتِ قلم پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا ذوقِ علم تحقیقی بھی ہے اور معروضی بھی، زبان و بیان کی نزاکتوں اور فنی کمالات سے وہ آنکھیں موند کر آگے نہیں بڑھتے، بلکہ اس کے مالہ وماعلیہ پر ان کی نظر پینی رہتی ہے، دیگر خالص علمی موضوعات کے علاوہ شخصیات پر بھی انہوں نے لکھا ہے اور خوب لکھا ہے، جس میں وہ اپنے ممدوحین کا تذکرہ خوش عقیدگی، وسعتِ ظرفی اور کمال ادب کے ساتھ ضرور کرتے ہیں، لیکن ان کے اظہارِ اوصاف ومحاسن میں موصوف کا قلم مبالغہ کی سرحدوں سے بیزار رہتا ہے، اسی لئے جو کچھ بھی لکھتے ہیں وہ حقائق وواقعات یا پھر مشاہدات کا ترسیلی بیانیہ لگتا ہے، جو اہلِ نظر کیلئے زود ہضم ہوتا ہے اور وہ اسے جرح وتعدیل کی میزان سے گزارے بغیر ہی سندِ اقبال فراہم کر دیتے ہیں، انہوں نے ہر طرح کے نثری شہ پارے چھوڑے ہیں، ان کے مضامین مختلف انداز کے ہیں چھوٹے بھی بڑے بھی، تحقیقی بھی ہیں اور قلم برداشتہ بھی، مگر ان سب کی مشترک خوبی یہ ہے کہ ان کے پڑھنے میں قاری اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا، مولانا کے یہاں سلاست ہے روانی ہے اور کثرتِ معلومات کے ساتھ قدیم وجدید ادباء کا مشترکہ رنگ وآہنگ غالب ہے، حقیقت یہ ہے کہ مولانا جیسے وسیع النظر صائب الفکر اور دیدہ ور عالم دین کم یاب ہیں، بلکہ شاعر کی یہ بات زیادہ درست ہو ؎

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

اسی لئے حضرت کی رحلت پذیری سے علمی برادری کا جو نقصان ہوا ہے بسہولت اس کی تلافی ممکن نہ ہو سکے گی، باقی کار جہاں دراز ہے چلتا ہی رہے گا، **لعل الله يحدث بعد ذالك امراً**.

قصہ مختصر یہ کہ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روئے تب جا کر مولانا عبداللہ کاپودرویؒ جیسا دیدہ ور عالمِ دین اور رہنما نصیب ہوتا ہے، واقعی وہ چلے گئے تو علمی فضا بھی سوگوار ہے، ہر کسی کو ان کے جانے کا شدید احساس ہے، کاش وہ کچھ دن اور زندہ رہتے تو قلم و کتاب کے رسیا ان سے کسبِ فیض کرتے۔ ان کی علم پروری کے بے شمار واقعات بھی لوگوں کو ازبر ہیں، لیکن ان کی خورد نوازی اور ہمت افزائی کا مشاہدہ خود خاکسار نے اس وقت کیا جب چند سال پیشتر وہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے ذمے داران واساتذہ سے ملاقات کیلئے تشریف لائے، جامعہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ نقشبندی دامت برکاتہم سے ادارہ کی تعلیمی کارگزاری معلوم کرکے بے حد خوش ہوئے اور ہمت افزاء کلمات بھی ارشاد فرمائے، بلکہ یہاں کے روحانی ماحول کو دیکھ کر ایک ہفتہ قیام کرنے کا ارادہ بھی ظاہر فرمایا، اس موقعہ پر کئی گھنٹے آپ نے جامعہ میں گزارے مگر یہ پورا وقت علم اور اہل علم کے احوال وتذکار اور کامیاب تدریس کے طریقۂ کار پر ہی محیط رہا، آج یادوں کے دریچوں سے جھانکتا ہوں تو حضرت کی صحبت میں بیتے وہ لمحات دل ودماغ کو معطر کر جاتے ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مفکرملت حضرت مولانا عبداللہ اسماعیل پٹیل صاحب کاپودرویؒ
ایک تاریخ ساز شخصیت

مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی ❖

ملت اسلامیہ ہندیہ اکیسویں صدی عیسوی میں جس قحط الرجال دور سے دوچار ہے، تاریخ کا کوئی بھی طالب علم اس سے ناواقف نہ ہوگا۔ ہر شخص جانتا ہے، کہ اکابر علمائے امت اور ارباب فکر وفن دن بہ دن رخصت ہوتے جارہے ہیں، جس کی وجہ سے ایک ایسا خلا پیدا ہوتا جارہا ہے، جس کی بھرپائی کا کوئی سبب ظاہری نظرنہیں آتا۔ میدان روز بہ روز خالی ہوتا ہے، قیادتیں اٹھتی جارہی ہیں، میدان علم وفن اور فکر ونظر کی گلیاروں میں کمی آتی جارہی ہے۔ علمی دنیا کی مقتدر شخصیات اور علوم وفنون کے ماہرین اس دار فانی سے ابدی وسرمدی جہاں کی طرف کوچ کرتے جارہے ہیں، جہاں سے نہ کبھی عود ہوگا، نہ کبھی زوال وفنا طاری ہوگا۔ وہ دائمی کامیابی یا سرمدی خسران گاہ ہے؛ لیکن اہل اسلام کے تئیں یہی امید کی جاسکتی ہے کہ وہ دائمی کامیابی وکامرانی اور لازوال زندگی میں جنت خلد کی دولت بیش بہا سے مشرف ہوں گے۔

علمی دنیا کی سرکردہ شخصیات کی فہرست میں ایک نہایت ہی جلی اور روشن نام مفکرملت، نمونۂ اسلاف، فخر گجرات، صاحبِ طرز ادیب، لائق اعتنا انشا پرداز، قابل رشک وتقلید مصنف، بے بدیل منتظم، مردم گر ومردم ساز، سابق رئیس فلاح دارین ترکیسر ورکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند حضرت العلام حضرت مولانا عبداللہ اسماعیل پٹیل صاحب کاپودروی نوراللہ مرقدہ کا ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی کے مختلف گوشے اور زاویے ہیں، ہر گوشہ نہایت ہی اہمیت کا حامل اور ہر زاویہ قابل تقلید وعمل ہے۔ آپ کی خدمات وکارنامے مختلف الجہات اور متعدد الانواع ہیں، آپ نے جہاں تعلیم وتدریس کو اپنا اہم مشغلہ بنایا، وہیں انتظام وانصرام کے میدان میں بھی بہت ہی نمایاں کردار ادا کیا ہے؛ حتی کہ آپ نے جامعہ فلاح دارین ترکیسر گجرات کو ایک مثالی ادارہ بنادیا اور آج اس کی ایک شہرت ہے، ایک بڑا نام ہے، ایک مثالی

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

ادارہ ہے، جس کا سہرہ آپ ہی کے سر جاتا ہے۔ آپ کے علمی شاہ کارے اور جواہر پارے بہ شکل تصنیفات وتالیفات یادگار ہیں، جو آپ کی علمی وعملی اور تحریکی زندگی کے آثار ونقوش ہیں، جو نئی نسل کے مہمیز ہوں گی اور اس کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ آپ کی یاد دلاتی رہیں گی۔

آپ کی ولادت یوں تو ہندوستان کے ایک پڑوسی ملک ''برما'' میں ہوئی، جہاں آپ کے والد بزرگوار بہ سلسلۂ تجارت مقیم تھے، پھر آپ کے ایام طفولت ہی میں اپنے وطن عزیز ہندوستان لوٹ آئے، اور صوبہ گجرات، ضلع بھروچ کے ایک گاؤں ''کاپودرا'' میں تربیت پائی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب سے ہی حاصل کی، پھر وہاں سے گجرات کے مشہور ومعروف ادارہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں بنیادی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مرکز علم وادب، ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا؛ لیکن طبیعت کی ناسازی بنا پر پھر وطن واپس جانا پڑا، اور ڈابھیل ہی سے فراغت حاصل کی؛ لیکن دارالعلوم دیوبند سے قلبی لگاؤ اور دلی خواہش کی بنیاد پر دوبارہ تشریف لائے اور یہاں کے اساطین علم وفضل اور آفتاب وماہتاب سے اکتساب فیض کیا اور اپنی تشنہ لبی کو سیرابی میں تبدیل کر کے فکر قاسمی وعلوم قاسمی کی نشر واشاعت کے لیے کمربستہ ہو کر اپنے وطن گجرات تشریف لے گئے اور مختلف اداروں میں اپنی کارکردگی کی بنا پر وقت کے اکابر علمائے کرام سے داد ودہش حاصل کی اور خاص طور پر جامعہ فلاح دارین ترکیسر آپ کی نظر عنایت کا مرہون منت ہے، جہاں آپ نے سب سے طویل العہد خدمات انجام دیں، جس کو آپ نے اپنے خون جگر سے سینچا، اپنے دور شباب کی توانائیاں اس کے برگ وبار کو پھیلانے اور اس کو تراش خراش کر ایک خوش ذائقہ شجر ثمر آور بنانے میں صرف کیں اور زمانۂ کہولت کے تجربات سے اس کو باغ وبہار عطا فرمایا اور آج بحمد اللہ! اس ادارہ کے فضلاء ملک وبیرون ملک میں عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔

آپ کا سینہ بے کینہ تھا، دل صاف وشفاف آئینہ تھا، نام ونمود اور شہرت سے اللہ واسطے کا بیر تھا، نظافت وپاکیزگی اور نفاست میں آپ بے بدیل تھے، ہمہ وقت ذکر وفکر میں رہنا آپ کا شیوہ تھا، رجال سازی ومردم گری آپ کا امتیاز تھا، خورد نوازی اور خورد پروری میں آپ بے مثال تھے، مہمان نوازی اور ضیافت میں آپ بے نظیر تھے، سخاوت ودریا دلی میں آپ رشکِ حاتم تھے، اکابر علمائے دیوبند سے تعلق رکھنے اور دنیا بھر میں فکر دیوبندی کی ترویج واشاعت کرنے میں آپ نے قابل ستائش خدمات انجام دی ہیں۔

آپ کا علمی ذوق نہایت ہی عمدہ اور پاکیزہ تھا، جہاں کہیں بھی کوئی اچھی کتاب چھپتی، تو اس کو ضرور منگواتے اور خاص طور پر عالم عرب پر بہت گہری نظر رکھتے تھے کہ کہاں کس موضوع پر کون سی کتاب چھپ رہی ہے، اس کو منگوا کر خود بھی پڑھتے اور دوسروں کو ہدیہ بھی کرتے اور اس کی طرف ترغیب بھی دلاتے۔

الغرض جمع کتب اور کتب بینی دونوں کا نفیس ذوق رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا ذاتی کتب خانہ بھی ایسا ہے، کہ ایک بڑی لائبریری ہے، جس میں بہت سی نادر کتابیں بھی شامل ہیں اور یقین نہیں آتا کہ ایک آدمی اتنے علوم وفنون کی کتابوں پر گہری نظر رکھتا ہوگا، لیکن خدا جس کو اتنا عالی اور نفیس ذوق سلیم عطا فرمائے اور اپنی خصوصی عنایات اس پر ہوں، تو پھر توفیق خداوندی کے سائے میں عین ممکن ہے۔ اور آج آپ کا ذاتی کتب خانہ آپ کے نام سے بنی اکیڈمی (دارالعلوم کھروڈ) میں موجود ہے، جو آنے والی نسلوں کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اللہ تعالی اس کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دارالعلوم وقف دیوبند میں جب مجلس مشاورت کا قیام عمل میں آیا، تو بہ حیثیت رکن مجلس مشاورت آپ کی شخصیت پر نظر انتخاب پڑی، اور آپ کو اس کے لیے مدعو کیا گیا، آپ نے بہ سروچشم اس کو قبول فرمایا اور مشاورت کے مختلف پروگراموں میں قدم رنجائی اور تشریف آوری کی زحمت بھی فرمائی، جب کہ یہ آپ کے پیرانہ سالی اور ضعف ونقاہت کے ایام تھے، حیات مستعار کا آخری پڑاؤ تھا، لیکن اس کے باوجود بہت ہی شوق وذوق سے شرکت فرماتے، اس کی تعمیر وترقی کے لیے بڑے انہاک، توجہ اور فکرمندی کے ساتھ دعائیں فرماتے، اس کی خدمات کو سراہتے، خصوصاً شعبۂ بحث وتحقیق حجۃ الاسلام اکیڈمی کی علمی وتحقیقی کاوشوں کی خوب ستائش فرماتے اور حسن کارکردگی پر اطمینان کا اظہار فرماتے۔

حضرت مفکر ملت علیہ الرحمہ میں بے شمار خوبیاں، کمالات اور خصوصیات وامتیازات تھیں، جن کا اجمالی تذکرہ بھی طویل صفحات کا متقاضی ہے، اس مختصر سے تذکرے میں ساری چیزوں کا احصا از بس کہ مشکل ضرور ہے۔ مختصر یہ کہ مختلف پہلوؤں اور زاویوں سے بہ نظر غائر دیکھا جائے، تو آپ کی شخصیت ایک عظیم تاریخی اور تاریخ ساز شخصیت نظر آتی ہے، جس میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے۔ اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے، اعلی علیین میں نبیین، صدیقین، شہداء، اور صالحین کے ساتھ مقام کریم سے نوازے اور آپ کے پسماندگان کو صبر وشکر کی دولت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

۞......۞......۞

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ اسماعیل پٹیل صاحب کاپودرویؒ کے

افاداتی گہرے نقوش

مولانا محمد حنیف صاحب ❖

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ اسماعیل پٹیل صاحب کاپودرویؒ اس دنیا سے رحلت فرما گئے، علم وعمل کی مجلس سونی ہوگئی اور ہرسوں غم واداسی چھاگئی؛ حتی کہ دنیا بھر میں آپ کے فیض یافتگان اور تلامذہ آج اپنے ایک استاذ اور مربی سے محروم ہونے پر ماتم کناں اور اشکبار ہیں۔ باتیں کہنے کی تو بہت ہیں اور بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے؛ لیکن اس وقت میں چند خصوصی باتیں ہی درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، جو میرے لیے مشعل راہ اور زندگی کے طویل ترین سفر میں ممد ومعاون ہیں، شاید کسی اور کے بھی کام آجائیں۔

حضرت کاپودرویؒ کا علمی ذوق

حضرت مفکر ملت علیہ الرحمہ کا علمی اور ادبی ذوق بہت ہی عمدہ اور بڑا نرالا تھا، خود بھی پڑھتے تھے اور دوسروں کو پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے، صحیح معنوں میں حضرت مفکر ملتؒ علم وادب کے عنوان تھے، حضرت علیہ الرحمہ کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے:

”لیس الجمال بأثواب تزيننا ولكن الجمال العلم والادب“ ليس اليتيم من فات والدهُ ولكن اليتيمَ يتيمُ العلم والأدب.“

حضرت کاپودرویؒ کا جذبۂ ایثار

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مفکر ملت کی خاطر بمبئی مسافرخانہ میں ایک کمرہ مخصوص کردیا گیا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اعزاز وتکریم کے اظہار کے طور پر حضرت رحمۃ اللہ بمبئی اسی کمرے میں مقیم تھے کہ اچانک حضرتؒ نے ایک عورت کی ریسیپشن والوں کے ساتھ مباحثہ کی آواز سنی، عورت غالبًا ترکیسر کی تھی، کسی ملک

❖ امام وخطیب مسجد ہدایہ مانچسٹر یو-کے

سے سفر کر کے پہنچی تھی، بچے کے ساتھ کمرے کی تلاش میں مسافر خانہ پہنچی تھی، ریسپشن والے انکار کر رہے تھے کہ مسافر خانہ میں جگہ نہیں ہے، عورت کا مدعی یہ تھا کہ رات کافی گذر چکی ہے، میرے لیے کوئی انتظام کیا جائے۔ حضرتؒ بیدار ہوگئے اور فرمایا: یہ عورت میرے کمرے میں آرام کرے گی اور میں جنرل کمرے میں منتقل ہوجاتا ہوں اور حضرتؒ نے کمرہ اس عورت کے حوالے کردیا، جس پر مسافر خانہ کے انتظامیہ نے خفگی و ناراضگی کا اظہار کیا۔

حضرتؒ اس بات پر مصر رہے کہ خدمت کے جذبات کی دعوت دینے والے خود مثال قائم نہ کریں، یہ تو ہمارے فرائض منصبی کی توہین ہے، بالآخر انتظامیہ کے ذمہ دار نے کا پودرہ پہنچ کر حضرتؒ کی خدمت میں معافی کی درخواست کی تھی اور وہ غالباً بمبئی کے مشہور وکلاء میں سے تھے۔

اختلاف کا حسن اور ادب الاختلاف

دارالعلوم دیوبند کا جو قضیہ پیش آیا - اللہ تعالیٰ اُس سے بھی مثبت نتائج اخذ کرنے کی ہمیں صلاحیت عطا فرمائے - ان ہی ایام میں فلاحِ دارین میں حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سالانہ اجلاس میں مہمانِ خصوصی کے طور پر تشریف لانے والے تھے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مدعو ہیں اور - اللہ تعالیٰ ہمیں ادب الاختلاف کے آداب وسلیقے عطا فرمائے - حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری سے پہلے دارالعلوم فلاحِ دارین کے اساتذہ کو سرکولر بھیجا گیا کہ تمام اساتذہ فلاحِ دارین کی مسجد میں تشریف لے آئیں۔ مفکر ملت رئیس الجامعہ نے اس مجلس میں بیان فرمایا۔ فکری، نظریاتی اختلاف کے باوجود باہمی احترام ملحوظ رکھنا چاہئے، اختلاف کے باوجود جس سے اختلاف ہو، اس کے احترام کو بلندیوں کے ساتھ بجالانا چاہئے، بڑے دوٹوک واشگاف انداز میں مفکر ملت نے تمام اساتذہ کرام کو متوجہ فرمایا اور اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت کے ایسے نمونے پیش فرمائے کہ اللہ کے رسول ﷺ تو اعدائے دین کے ساتھ کیسی بلندیٔ اخلاق سے پیش آتے تھے، ان نقوش کو بطور نمونوں کے پیش فرمایا، جو ہمیشہ یاد رہے گا۔

اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو غریقِ رحمت فرمائے، نسبتِ اولیاء وصدیقین کا اعلیٰ درجہ عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

آفتاب علم وعرفاں کی رحلت

مولانا محمد امیر سندھی ❖

سلطان العلماء، سید الصلحاء، مخدوم الطلبہ، مفکر ملت، فخر گجرات اور اللہ تعالی کے پر اسرار بندے حضرت اقدس مولانا عبداللہ رئیس کاپودروی نوراللہ مرقدہ رحلت فرما گئے۔ إنالله وإنا اليه راجعون.

علم ومعرفت کا کوہ ہمالیہ، روشنی نور کا بلند مینار، محنت ولگن کا کوہ گراں، نورانی فکر خیالات سوچ اور عقائد کا حامل۔ سراپا نور آج نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ سب دل سے مانگیں اور زبان سے پکاریں۔ **اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده.** آٹھ دہائیوں کی مسلسل محنت۔ سالوں کی مخلص امارت۔ ہزاروں علما کے بے لوث مربی۔ سینکڑوں بے آسرا کے نایاب آسرا، فیوض بورکات اور ایمانی انوار کی چلتی پھرتی تصویر، اونچی نسبتوں کا امین، حسن انتظام کا یکتائے زمانہ۔ آہ چل بسا إنالله وإنا اليه راجعون.

کڑے سفر کا تھکا مسافر تھکا ہے ایسا کہ سوگیا ہے
خود اپنی آنکھیں تو بند کرلیں ہزاروں آنکھیں بھگو گیا

آپ کی خدمات بے شمار، آپ کے کارنامے ان گنت آپ کی فتوحات بے مثال آپ کا طرز حیات لاجواب اس مختصر مضمون میں کیا لکھوں اور کیا چھوڑوں۔ آپ جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ہم بجاطور پر فخر کرسکتے ہیں کہ ہم نے مفکر ملت کی لقاء کا لطف اٹھایا، آپ کے علوم ومعارف سے خوشہ چینی کی۔ آپ ان کمیاب ہستیوں میں سے تھے جو سراپا دعوت ہوتے ہیں۔ جو بھی آپ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتا، وہ علم دوستی سے سرفراز ہوتا، معرفت کا مشتاق ہوتا۔ آہ ایسا نایاب چراغ گل ہوگیا۔ **إنالله وإنا اليه راجعون.**

امت مرحومہ پہلے ہی قحط الرجال کی شکار ہے۔ ایسے میں حضرت کی رحلت سے وہ خلا پیدا ہوا ہے جو کبھی پر نہیں ہوسکتا۔ آپ چوٹی کے کبار علماء میں سے تھے ملک وبیرون ملک آپ علماء کے حلقے میں احترام کی کی نظر سے دیکھے جاتے تھے آہ آج ایک مقبول، معتبر معروف ومشہور وسیع الفکر شخصیت اور عالم دین دنیا

❖ فاضل جامعہ قاسمیہ، کھروڈ، گجرات

بھر میں پھیلے ہزاروں شاگردوں کے استاذ، لاکھوں مسلمانوں کا دھڑتا دل، کئی اداروں کا خیر خواہ رخصت ہوگیا۔إنالله و إنا اليه راجعون.

۱۳۵۲ھ میں برما جیسے پس ماندہ علاقے میں آنکھیں کھولنے والا بچہ، کسے معلوم تھا کہ ان مٹ نقوش چھوڑ کر رخصت ہوگا۔ رہتی دنیا تک یاد کیا جاتا رہے گا جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل اور دارالعلوم دیوبند سے تکمیل تعلیم کے بعد جب آپ کو فلاح دارین ترکیسر میں خدمت کا میدان ہاتھ آیا تو آپ کی خدمات نے عروج پایا۔ آپ نے اپنی محنت، کوشش، اور فکر ونظر سے فلاح دارین کو عروج بخشا۔

آپ نے بڑی صعوبتیں اٹھا کر چیدہ چیدہ نابغۂ روزگار شخصیات کو بڑی مشکل سے مدرسہ میں جمع فرمانے میں کامیاب ہوگئے تھے آپ کا نظریہ تھا کہ طلبہ میں تعلیمی، تدریسی اور فکری بیداری فنی اساتذہ ہی کرسکتے ہیں۔ اسی بنا پر آپ اساتذہ کے چناؤ میں باریک بینی سے کام لیا کرتے تھے۔

آپ طلبہ مدارس کے ساتھ ساتھ عصری علوم کے طلبہ کا خاص خیال فرماتے، اسکول کالج کے نصاب پر عقابی اور کڑی نظر رکھتے اور متعلقین کو حکم فرماتے۔ شکوک وشبہات اور باطل افکار ونظریات پر کتابیں لکھواتے ذہنی نشو نما خود اعتمادی اور یقین وایمان کو مضبوط کرنے والے رسائل شائع فرما کر امت کے نوجوانوں کے ایمان ویقین کی حفاظت فرماتے .فجز اہ اللہ خیر الجزا

یہ آپ ہی کی محنت کا ثمرہ کہ فلاح دارین ترکیسر گجرات کے قراء صرف صوبے میں ہی نہیں بلکہ پورے ملک میں انفرادیت اور منفرد لب ولہجہ کی بنا پر جانے وپہچانے جاتے ہیں۔ اور انہوں نے پوری دنیا میں شوق وذوق کی آگ بھڑکا رکھی ہے آپ کی کشادہ فکری وسیع النظر فی تھی کہ آپ تمام مدارس کے طلبہ کو اپنی روحانی اولاد تصور فرماتے۔ صرف مدرسے کی چار دیواری تک آپ کی تربیت محدود نہ تھی بلکہ فراغت کے بعد بھی طلبہ سے ربط رکھتے، عمدہ نصائح، مفید مشوروں سے نوازتے رہتے۔ جو آپ سے ملتا وہ خود کو حضرت کا سب سے قریبی سمجھتا۔ آج کئی لوگ ان سے قربت کا دعوی کررہے یہ ان کی اسی فیاضی اور دریا دلی کا نتیجہ ہے۔

ہماری خوش نصیبی کہ کئی مواقع پر حضرت کی مجلس میں شرکت کا سنہرا موقع ملا۔ آپ کو عربی ادب سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ یہ سب شیخ مصری کی تربیت اور حضرت کے باکمال حافظے کا کمال تھا۔ دور جاہلیت اور اسلامی ادوار کے سینکڑوں اشعار سورہ فاتحہ کی طرح ازبر تھے۔ عربی ادبی نثری شہ پارے برجستہ سناتے جاتے تھے۔ ایک مجلس میں عربوں کی پرانی فطری طرز حیات، دیہاتی زندگی اور صحرائی سادگی کا والہانہ تذکرہ فرمایا۔

جس نے بھی آپ کو دیکھا اپنی سوچ سے بلند پایا، اہل علم نے اپ کی منقبت بیانی کو اپنی سعادت سمجھا،

عرب کے بعض علماء آپ کی شخصیت سے اتنے متاثر ہوئے کہ صفحات کے صفحات لکھ مارے۔ آپ کا محبوب مشغلہ، دلچسپ کام کتب بینی، مطالعہ کی دعوت تھا۔

آپ نے درجنوں کتابیں تصنیف فرمائی۔ کئی ممالک کو اپنی سجدہ گاہ بنایا، ہر جگہ دین، شریعت کی بات چلاتے۔ ان اسفار کے اہم ترین فوائد میں سے ایک نادر کتب کی ذخیرہ اندوزی ہے۔ آپ کا مکتبہ وسیع، اپنی مثال آپ ہے۔ کسی بھی موضوع پر آپ کو کوئی اہم کتب مل جائے گی۔ آپ میں یہ بھی خوبی تھی کہ آپ دین متین کی آبیاری، اسلام کا احیاء چاہتے تھے، چاہے وہ کسی کے ہاتھ سے ہو۔ آپ اس بات پر مرغ بسمل کی طرح تڑپتے کہ امت میں رجال کار ناپید ہیں، آپ کی چاہت، تمنا یہ تھی کہ ہر طالب علم رازی وغزالی بنے۔

سب سے اہم بات کہ آپ نے وطنیت، لسانیت اور علاقائیت سے اوپر اٹھ کر جد وجہد کی۔ جی ہاں عصبیت، تعصب جیسے مہلک امراض سے حضرت علیہ الرحمہ پاک وصاف تھے۔ جس کی وجہ سے کئی نامور ہستیاں عضو معطل بن کر رہ گئیں۔ حضرت کے صرف یہی خصوصیت آپ کے بطل عظیم ہونے کی زندہ وجاوید دلیل ہے۔

اختلافات میں اعتدال مخالفین کی رائے کا احترام اختلاف کے باوجود محبت واپنائیت آپ ہی کے حصے میں آتی ہے۔ غیبت، جھوٹ، کینہ، بغض اور حسد جیسے مہلک امراض سے تنفر دوری، ہر عام وخاص سے اپنائیت، میل میلاپ، تنگی وترشی میں بھی مہمان نوازی اور دریا دلی، متعلقین ومتوسلین کے عیوب سے درگزر اور خوبیوں پر نظر، اور کھلے دل سے اعتراف آپ ہی کو ملا تھا۔ مصائب، آلام اور تکالیف پر صبر شکر، نامساعد حالات سے دل گرفتہ نہ ہونا، سنگین احوال سے راہیں نکالنا، کینسر جیسے موذی مرض میں بھی استقامت پر رہنا، رب کا شکر ادا کرنا واللہ بہت بڑی نعمت ہے۔

دنیا بھر کے تمام مسلمانوں، اہل گجرات اور حضرت نوراللہ مرقدہ کے متعلقین اور اہل خانہ سے دلی تعزیت۔ **اللهم لا تحرمنا لا تحرمنا أجره ولا تفتنا بعده واغفرلنا وله.**

❁……❁……❁

مفکرملت

فخر گجرات سابق رئیس جامعہ فلاح دارین ترکیسر مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ

مولانا محمد عرفان آنندی❖

مورخہ ۲۷رشوال ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۰رجولائی ۲۰۱۸ء بوقت شام اس خبر نے علمی دنیا کوسکتہ میں ڈال دیا کہ گجرات کی محبوب ترین شخصیت اکابرین کے منظور نظر حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی اس فانی دنیا کوچھوڑ دار آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔حضرت مولانا کوحق تعالی شانہ نے گونا گوصفات سےنوازا تھا نوجوان فضلاء کی حوصلہ افزائی کرنااوران کی صلاحیتوں کوضائع ہونے سے بچانا آپ کامحبوب مشغلہ تھا۔

مدارس عربیہ اوروہاں کےطلبہ سے محبت کرنااوران کوترقی کی راہ پرگامزن کرنا آپ کی فطرت میں داخل تھاجب آپ طلبہ میں خطاب فرماتے تو آپ کی فکراوردردوکڑھن کے اظہار سے ایسا لگتا کہ بس آپ اپنا جگر نکالنے پرقادرنہیں ورنہ وہ بھی نکال دیتے جامعہ ابن عباس احمدابادواس کے بانی مولاناعبدالاحد صاحب کے ساتھ والہانہ تعلق رکھتے تھے اس کی ادارت میں نکلنے والا اس ماہانہ رسالہ صوت القرآن کے ساتھ برسوں جڑے رہے،مفیدمشوروں سےنوازتے مدیرمحترم حضرت مفتی رضوان صاحب تاراپوری کی حوصلہ افزائی فرماتے اورتسلسل کےساتھ اس رسالہ کے نکلنے پرمبارک بادی دیتے۔مفکرملت کےلقب کےوہ بجاطور پر مستحق تھے امت کے دردکواپنے سینہ میں رکھنااوران کے لئے سب کچھ کرگذرنے کا جذبہ آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔

آپ جامعہ ڈابھیل کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے بھی فیض یافتہ تھے حضرت مدنیؒ وقاری طیب صاحبؒ کی بھی اچھی خاصی صحبت پائی تھی ان کی باتیں بڑے مزے لے لے کرسناتے ایک مرتبہ ایک دسترخوان پر جہاں راقم بھی حاضرتھا قاری طیب صاحب کاایک ملفوظ جواہل گجرات کے بارے میں وارد ہے۔فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت قاری صاحب برطانیہ میں ایک دسترخوان پرفرمانے لگے جس میں حقیقت اورمزاح دونوں شامل تھا کہ اہل گجرات جہاں گئے چار چیزوں کوساتھ لے گئے مسجد، مدرسہ، پاپڑاورسموسہ۔

❖ جامعہ ابن عباس احمد آباد

فرمایا حضرت مدنی کی مجلس میں ایک مرتبہ عصر کے بعد حاضر تھا کہ علامہ بلیاوی تشریف لائے حضرت مدنی صحن میں چارپائی ڈالے ہوئے بیٹھے تھے۔ مدنی منزل میں قاری اصغر علی کے حجرہ کے قریب ایک سرخ رنگ کے پھولوں کی بیل تھی علامہ نے فرمایا حضرت اس میں صرف رنگ ہی رنگ ہے خوشبو تو ہے ہی نہیں اس پر حضرت مدنی نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا یہ پھول خون شہیدا کے ہم رنگ ہے کل حشر میں حق تعالی شانہ اس میں مشک کی خوشبو ڈال دیں گے۔ فرمایا حضرت مدنی خدمت لینا بالکل پسند نہیں کرتے تھے ایک مرتبہ مکان سے باہر تشریف لا رہے تھے میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو آپ ایک دم سے رک گئے اور فرمانے لگے کیا میں اتنا کمزور ہوگیا ہوں کہ دروازہ بھی نہ کھول سکوں۔ (مقالات نعمانی)

موصوف اپنے قول و عمل نشست و برخاست بلکہ اپنے ہر نقل و حرکت میں اکابرین کی منھ بولتی تصویر تھے یہی وجہ ہے کہ آپ جہاں جاتے عقیدت مندوں کا ایک جم غفیر پروانہ وار آپ کے ارد گرد جمع ہو جاتا تھا۔ آپ جامعہ فلاح دارین ترکیسر گجرات کے ایک لمبے عرصہ تک سربراہ رہے، یہاں تک کہ رئیس جامعہ آپ کے اسم کا جزء لاینفک ہوگیا تھا ان کی قیادت وسیادت میں یہ ادارہ دینی تعلیمی ہر اعتبار سے ترقی حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔

مہمانوں کی خاطر تواضع اور ان کا اکرام تو اس انداز سے تھا کہ اکثر اپنے آپ کو خصوصی مہمان سمجھنے لگتا محبت اس قدر فرماتے کہ ایک مرتبہ کی ملاقات سے وہ ان کا گرویدہ ہو جاتا۔ زبان میں ایسی حلاوت تھی کہ بولتے کیا تھے موتی رولتے تھے۔ اکابرین کے منظور نظر تھے ایسا بہت کم ہوتا کہ شمالی ہند سے کوئی بڑا عالم آتا اور حضرت اسکی ملاقات نہ فرماتے یا وہ حضرت کے دولت کدہ پر تشریف نہ لے جاتے۔

حضرت کی نماز جنازہ آپ ہی کے وطن کا پودرا گجرات میں اسی روز رات ساڑھے دس بجے مفتی گجرات حضرت خانپوری نے ادا کرائی اور ہزاروں فرزندان توحید اور ارادت مندوں کے جم غفیر کی موجودگی میں نمناک آنکھوں کے ساتھ آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔۔

اطلاع ملتے ہی جامعہ ابن عباس احمد آباد سے جہاں ایک وفد تدفین میں شرکت کے لیے روانہ ہوا وہیں دوسری طرف جامعہ کی مسجد میں ایصال ثواب کے لئے مجلس منعقد کی گئی تلاوت کے بعد اساتذہ جامعہ نے طلبہ کے سامنے آپ کے اوصاف جمیلہ اور آپ کی دین اور اہل دین کے تئیں فکروں سے نئی نسل کو آگاہ کیا۔

ہم جملہ اہل جامعہ حضرت کے پسماندگان کی خدمت میں کلمات تعزیت پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں اللہ تعالی حضرت کو اعلی علیین میں جگہ اور اپنا قرب نصیب فرمایے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اسلاف کی پاکیزہ روایتوں کے امین

مولانا عبدالمالک❖

۱۰؍جولائی ۲۰۱۸ء بروز منگل کو انتہائی غم واندوہ کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ گجرات کے مایہ ناز سپوت، معروف عالم دین، صاحب ارشاد بزرگ، رئیس فلاح دارین ترکیسر گجرات اپنی طبعی عمر کو پہنچ کر راہیٔ ملک عدم ہوئے۔ اس روح فرسا سانحہ نے اوساط علمیہ وادبیہ میں رنج وغم کی فضا قائم کردی اور سارے عالم اسلام پر رنج والم کے گھنگھور بادل چھاگئے۔

آج لیکن ہمنوا سارا چمن ماتم میں ہے
شمع روشن بجھ گئی بزم سخن ماتم میں ہے

مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب آیۃ من آیات اللہ ،نمونہ اسلاف،قدوۂ اخلاف اوراکابرو اسلاف کی علمی عظمتوں، روحانی رفعتوں اور پاکیزہ روایتوں کے امین و پاسبان تھے۔وہ اپنے تقوی و طہارت، اخلاص وللہیت، رشد وہدایت، صلاح وارشاد، تواضع وانکساری اورتحمل مزاجی و بردباری جیسی اعلی اعلی صفات کی بدولت نمایائے عصر اورممتاز اقران تھے۔ بڑے دور اندیش، بیدار مغز، حالات شناس اور مسائل کی زلف گرہ گیر کوسنوارنے اور ملت اسلامیہ ہندیہ کی کشتی کو منجدھار سے نکال کر ساحل مراد تک پہنچانے والے مشاق ناخدا تھے۔ ولادت مبارکہ ملک برما کے شہر ہیہو میں تقسیم ہند سے کم وبیش پندرہ برس پہلے ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اقامتی وطن کاپودرہ میں حاصل کی اعلی تعلیم کے لئے گجرات کے تاریخ ساز ادارہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں داخل ہوئے اور وہیں سے ۱۹۵۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔ بخاری شریف شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ خلیفہ شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ سے پڑھی جب کہ اجازت حدیث متعدد محدثین علمائے ہند سمیت علمائے عرب سے حاصل کی فراغت کے کچھ سالوں بعد دارالعلوم دیوبند میں بھی بغرض استفادہ مقیم رہے اور اس درمیان علامہ فخر الدینؒ، مولانا ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا نصیر احمد خان بلند شہریؒ سے رشتہ تلمذ استوار کیا۔ تربیت باطنی وروحانی اصلاح کے لئے مولانا شیخ زکریا

❖ بلندشہر

کاندھلوی سے تعلق قائم کیا ان کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت مولانا قاری صدیق باندویؒ سے رجوع کیا۔ آپ کو دسیوں مشائخ سے اجازت وخلافت حاصل ہے۔ مشہور محدث مولانا محمد یونس جونپوریؒ سے بھی آپ کو خلافت و اجازت بیعت حاصل ہے۔ آپنے فراغت کے بعد ایک عرصہ تک جامعہ فلاح دارین ترکیسر گجرات میں درس وتدریس کے فرائض انجام دئے اس کے علاوہ ۱۹۶۵ء سے ستائیس برس تک انتظامی امور بھی بخوبی انجام دئے۔ آپ دارالعلوم وقف دیوبند و جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ کے رکن شوریٰ، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ورابطہ ادب اسلامی ہند کے موقر رکن تھے علاوہ ازیں آپ کی نگرانی وسرپرستی میں متعدد مدارس ومکاتب جاری وساری ہیں۔ کچھ عرصہ سے آپ کی صحت درازی عمر کی بنا پر ناساز رہنے لگی تھی لیکن گونا گوں امراض و اسقام اور پیرانہ سالی کے باوجود آپ کی علمی و ادبی سرگرمیاں حسب معمول جاری تھیں۔ ابھی کچھ روز قبل آپ کی طبیعت کافی علیل ہوگئی تھی جس کا علاج ومعالجہ بھی برابر جاری تھا لیکن چونکہ موعود آچکا تھا اس لئے تمام تدبیریں رائیگاں گئیں اور آپ داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوگئے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

تعزیتی مکتوبات

محترم جناب مولانا اسماعیل عبداللہ پٹیل صاحب

یہ بات پورے طبقۂ علماء کے لئے نہایت رنج والم کا باعث اور ملت اسلامیہ کے لئے بڑا خسارہ ہے کہ کل چار بجے دن ملک کے موٴقر عالم دین، بلند پایہ ادیب اور صاحب طرز بصیرت اسلامی مفکر حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ (رئیس جامعہ فلاح دارین ترکیسر) کی وفات ہوگئی، وہ بڑے وسیع النظر عالم تھے، ان کی فکر میں بھی اعتدال تھا اور زبان وقلم میں بھی، عربی زبان کے بڑے ادباء میں ان کا شمار تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر مردم گری اور افراد سازی کا بڑا ملکہ رکھا تھا اور وہ اس میدان میں اپنے اکثر معاصرین پر تفوق رکھتے تھے، وہ قدیم صالح اور جدید نافع کو ساتھ لے کر چلنے کے قائل تھے، ان کی ہر تحریر میں دعوتی فکر ہوا کرتی تھی، علماء کی تربیت اور مدارس کی علمی ومعنوی ترقی ان کی فکر کا خاص ہدف تھا، وہ علم کے عاشق اور کتابوں کے رسیا تھے اور نوجوان علماء کی حوصلہ افزائی ان کا خصوصی وصف تھا، راقم الحروف کے ساتھ بھی ان کا تعلق بڑا شفقت اور خوردنوازی کا تھا، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی خدمات کو وہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور حسب موقع اس کے سیمیناروں میں شریک ہوا کرتے تھے، وہ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد بھی تشریف لائے، وہ یہاں کے نظام تعلیم وتربیت کو بے حد سراہتے تھے اور گجرات کے فضلاء کو ترغیب دے کر یہاں بھیجتے تھے، جامعہ فلاح دارین ترکیسر گجرات ان کے خوابوں کا تاج محل ہے، جو ہمارے دینی مدارس میں ایک منفرد حیثیت کی دینی درسگاہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور ملت اسلامیہ کو ان کا بدل عطا کرے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا، ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

محترم مولانا اسماعیل عبداللہ پٹیل صاحب ودیگر متعلقین

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون .

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ، وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ، وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ ،وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ، وَاغْسِلْهُ بِالمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ، وَأَبْدِلْهُ دَاراً خَيْرا مِنْ دَارِهِ، وَ أَدْخِلْهُ الجَنَّةَ، وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ القَبْرِ وَعَذَابِ النَّار .

مفکر اسلام حضرت مولانا عبداللہ پٹیل صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے دور کے ان بزرگ علمائے حق میں سے تھے، جنہیں اللہ تعالی نے دینی علوم وکتب اسلامیہ پر مہارت کے ساتھ ساتھ وقت کی ضروریات اور ملی مسائل ومعلومات کے حوالہ سے بھی گہری بصیرت سے نوازا تھا اور امت مسلمہ کی بہبودی اور فلاح کے لئے مسلسل مصروف عمل رہتے تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کو حساس اور دینی وایمانی غیرت اور اسلامی حمیت سے بھرپور دل عطا فرمایا تھا، ماضی قریب کے بہت سے اکابر اور بزرگوں سے استفادہ کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو موقع عنایت فرمایا، ان کی توجیہات اور خصوصی عنایت سے بہرہ ور فرمایا، مختلف النوع دینی لٹریچر کے وسیع مطالعہ کی دولت سے نوازا، تعلیم وتربیت کے میدان میں طویل خدمات کی انجام دہی اور نظم وانتظام اور دنیا کے ممالک کے علمی وتبلیغی اسفار کے نتیجے میں وسیع تجربات سے مالا مال فرمایا، آپ کا وجود بابرکت تمام مسلمانوں کے لئے اور بلخصوص اہل علم واہل مدارس کے حق میں غنیمت اور بڑا قابل قدر ہیں۔ مجھے ان سے چند بار ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی اور انکی شفقتوں اور دعاؤں سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔ ایک بار مجھ سے فرمانے لگے کہ آپ میرے ہم وطن بھی ہیں۔ کیوں کہ آپ بچپن برما میں گزارے تھے۔

آہ! ایک تاثر آج دل میں آرہا ہے ☆ آئے بھی تھے چلے بھی گئے پا کے بے خبر

ہم اپنی بےخودی میں نہ جانے کہاں رہے۔ اللہ تعالی پوری امت مسلمہ کی طرف سے آپ رحمۃ اللہ کو بہتر جزائے خیر عطا فرمائیں اور اللہ تعالی اپنی رحمت خاصہ نازل فرمائیں۔ حضرت والا کے متعلقین اور اہل خاندان بالخصوص عزیز جناب حافظ ابراہیم بن عبداللہ پٹیل کاپودروی صاحب کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آمین

محمد یوسف دنکا

کرائیڈان، جامع مسجد، لندن

محترم جناب مولانا محمد اسماعیل عبداللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت مولانا عبداللہ پٹیلؒ کا انتقال علمی دنیا کے لئے بہت بڑا خسارہ ہے، مولانا مرحوم پورے ہندوستان اور خاص کر علمائے گجرات کے سرپرست اور تاج شمار ہوتے تھے، ان کی پوری زندگی علم وعمل، افرادسازی سے عبارت تھی، وہ گجرات کے عظیم کردار ساز ادارہ دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کے سرپرست اورصدر تھے، نیز گجرات کے جتنے بھی بڑے بڑے ادارے ہیں ان کی سرپرستی ان کو حاصل تھی، نیز دارالعلوم وقف کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی تھے، ایک عجیب وغریب صفت مولانا کی یہ تھی کہ گجرات کے بڑے بڑے اداروں میں پرانی کتابوں کے نئے ایڈیشن نیز علمی نئی کتابوں کا تعارف اوران سے استفادہ کا طریقہ تحریری شکل میں مدارس کو بھیجا کرتے تھے، جب بھی دیوبند یا علی گڑھ کا حضرت مولانا کا سفر ہوتا تو جامعہ رحیمیہ مہدیان ضرور تشریف لاتے، نیز مرکزی جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں تشریف لاکر ہمیں بھی شرف بخشتے۔ کئی مرتبہ حضرت نے اس حقیر فقیر کو گجرات آنے کی دعوت دی، ان کی دلی خواہش تھی کہ میں ان کی سرپرستی میں کام کروں، لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا۔

اس حقیر کا کئی مرتبہ کاپودرہ حضرت کے کاشانہ رحمت پر جانے کا اتفاق ہوا، ہمیشہ علمی اور تعلیم وتعلم ہی کے تعلق سے گفتگو فرماتے اور مہمان نوازی کا بھی خاص خیال رکھتے۔

مولانا مرحوم کا میرے بڑے بھائی حضرت مولانا فضیل احمد صاحبؒ سے بھی خاص تعلق تھا، میرے بڑے بھائی ان کو اپنا سرپرست ومربی تصور کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور پسماندگان کو جو کہ اہل علم وفضل ہیں اور بحمد اللہ والد گرامی کے نقش قدم پے رواں دواں ہیں، ان سب کو اور جملہ متعلقین کو صبر وسلوان کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

مولانا عزیز احمد قاسمی

جنرل سکریٹری مرکزی جمعیۃ علماء ہند

محترم مولانا اسماعیل صاحب، حافظ ابراہیم صاحب، حافظ قاسم صاحب مولانا محمد صاحب مدظلہم

رزقکم اللّٰہ صبرا جمیلا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ گذشتہ ہفتہ آں جناب کے والد محترم رحمہ اللہ کے حادثۂ جانکاہ کی خبر سنی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، **اللھم اجرنا في مصيبتنا وعوّضنا خيرا منها، لله ما اخذ وله ما اعطى وكل شئى عنده بمقدار، ادعو من اللّٰه تعالى أن يرزقهم صبرا جميلا وعلى ما فقد تم اجرا عظيما و جزيلا، ان العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول الا ما يرضي ربنا.**

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ بہت بڑی نعمت سے محروم ہو گئے۔ والد محترم کے سایہ عاطفت کا سر سے اٹھ جانا ایک ایسا نقصان عظیم ہے کہ جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ ایسے نازک وافسوسناک موقع پر آپ کا رنج والم اور فطری تاثر قدرتی چیز ہے مگر اس راہ سے کس کو مفر؟ ''**کل نفس ذائقة الموت**'' کا فیصلہ حتمی ہے، ہم سب ہی کو اس منزل سے گذرنا ہے۔ سنت نبوی کی اتباع میں یہ چند سطریں قلم بند کرتا ہوں۔ اس وقت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے وہ اشعار جو انہوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی کو ان کے صاحبزادے کی تعزیت میں تحریر فرمائے تھے نقل کرتا ہوں:

إنـي أعـزيك لا أني على طمع ☆ من الخلود ولكن سنة الدين

فما المعزى بباق بعد صاحبه ☆ ولا المعزى و إن عاش إلى حين

میں تعزیت پیش کرتا ہوں مگر خلود کی لالچ میں نہیں، بلکہ اس لئے کہ یہ دین اسلام کا طریقہ ہے۔ نہ تعزیت کنندہ باقی رہنے والا ہے اس کے دوست کے بعد، تعزیت کیا جانے والا، اگرچہ دونوں اجل مسمی تک زندہ رہیں۔

آپ کو رنج ہوگا کیونکہ آپ یتیم ہو گئے مگر مومن کا سب سے بڑا ہتھیار صبر ہے۔

اس وقت رہ رہ کر مرحوم کی خوبیاں یاد آ رہی ہیں۔ خود بھی ایصال ثواب کیا اور گذشتہ کل بعد عصر مسجد میں بھی ختم یس شریف کر کے کچھ والد صاحب مرحوم کے حالات سنائے اور دعائے مغفرت ودعائے بلندئ درجات کی گئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے ساتھ اپنی خصوصی رحمت کا معاملہ فرمائے اور ہم سب ناقدروں کی طرف سے بہتر سے بہتر بدلہ نصیب فرمائے اور جملہ پسماندگان کو خصوصا آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

مرحوم اپنے پیچھے نیک اور اہل علم صاحبزادوں کے علاوہ تلامذہ اور علماء کی ایک بڑی جماعت چھوڑ گئے ہیں جو انشاء اللہ ان کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔

مرحوم کی وفات ایک گاؤں اور قریہ کے لئے باعث رنج وغم نہیں ہے، بلکہ پورے گجرات بلکہ ہندوستان کے لئے عظیم خسارہ ہے، اس وقت مرحوم کا شمار علماء ہند میں صرف ایک خطیب اور مدرس کے طور پر نہیں تھا بلکہ ایک عظیم رہنما اور صاحب بصیرت مفکر کے طور پر کیا جاتا تھا، اور یقیناً وہ دینی اور دنیوی دونوں علوم کے جامع تھے۔ آپ ایک رسمی خطیب نہیں تھے، بلکہ ایک دردمند واعظ اور ناصح تھے، آپ کے مواعظ سے صرف معلومات میں اضافہ نہیں ہوتا تھا، بلکہ انسانی سوچ اور فکر میں تبدیلی پیدا ہوجاتی تھی۔ آپ کے مواعظ میں قرآن وحدیث کے علوم کے ساتھ تاریخ وسیر کی بھی کافی روشنی ملتی تھی، علماء دیوبند کے حالات و ملفوظات کے علاوہ علماء عصر اور علماء وزعماء عرب کے حالات، ان کی تصانیف اور ان کے کمالات پر سیر حاصل معلومات ملتی تھیں۔ ہر مجلس اور موقع کے مناسب وعظ میں مرحوم فرد فرید تھے، ختم بخاری کا موقع ہو، یا ختم قرآن کا، تعزیتی پیغامات ہو یا نکاح وخوشی کا موقع ہو، مدراس کے جلسے ہوں یا رفاہی کاموں کے فوکشن ہو، بڑے مؤثر انداز سے اس مجلس کی پوری رعایت سے بھرپور کلام فرماتے۔

اس بات کا اقرار بھی ضروری ہے کہ مرحوم میں مسلکی تصلب کے ساتھ مسلکی تعصب قطعاً نہیں تھا، آپ وسیع الظرف اور کھلے دل سے ہر فن کے اہل کا اور ان کے کمال کا اعتراف کرتے، اور دل سے ان کے قدردان تھے۔ اور اپنے متعلقین کو بھی اس کی نصیحت فرماتے تھے۔ راقم کو دسیوں مرتبہ آپ کی مجالس میں بیٹھنے اور آپ کے قیمتی ملفوظات اور نصائح سے استفادہ کا موقع ملا، ہر مجلس کے بعد آپ کی عقیدت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا، اور اس مجلس کا تاثر گھنٹوں نہیں دنوں قلب پر رہتا تھا۔ ہائے افسوس اب ہزاروں ان جیسی مجالس سے محروم ہوگئے۔ آپ کی یہ خصوصیت بھی اہل نظر سے مخفی نہیں ہوگی کہ ہر طرح کے لوگ آپ سے استفادہ کرتے تھے، علماء اور اہل مدارس کے خیر آپ استاد وسرپرست تھے ہی، مگر کالج اور یونیورسٹی کے اساتذہ وطلبہ بھی آپ سے بہت کچھ حاصل کرتے تھے اور وہ بھی مولوی کے لفظ سے کچھ نہ کچھ حد تک دوری کے باوجود آپ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

ذوق مطالعہ بھی مثالی تھا، اس میں جدید وقدیم کا عجیب سنگم تھے، علماء دیوبند کے کتابوں پر آپ کی نظر تھی ہی، مگر علماء عرب کی جدید تصانیف بھی برابر زیر مطالعہ رہتی تھیں، تقریباً ہر مجالس میں علماء کو ان کی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دیتے، اور ان کی تصانیف کے بعض قیمتی جملے سنا کر ان کے مطالعہ کا شوق پیدا فرمادیتے۔

اسی ذوق مطالعہ کا نتیجہ تھا کہ کینیڈا کے علاوہ جہاں جہاں حضرت کا سفر ہوتا مثلاً: برطانیہ افریقہ وغیرہ تو ان ممالک کی مشہور لائبریوں میں تشریف لے جاتے، اور وہاں کے ذخائر سے مستفید ہوتے اور وہاں کے اہل علم کو بھی توجہ دلاتے، حضرت ہی کے توجہ دلانے پر راقم نے اپنے دوستوں کی جماعت کے ساتھ لندن کی

مشہور لائبریری میں حاضری دی اور بلا شک وہاں کے نظام اور اہل یورپ کی اس سلسلہ میں وسعت قلبی، اور اس لائبریری میں انگریزی عربی اردو کے علاوہ دسیوں زبانوں کی کتابوں کی ایک فہرست ہی دیکھ کر ہی ان کی علم کی قدر دانی کی قدر ہوئی۔ شاید اس عمل میں کہ دوسرے ممالک میں سفر پر وہاں کی لائبریریوں کا معائنہ میں آپ فرد فرید تھے۔ ہر سال ان ممالک میں خطباء اور واعظین کی ایک معتد بہ مقدار (بعض بضرورت اور اکثر بلاضرورت سفر کے مصارف پر لاکھوں کا خرچ کرنے والے اور اسراف سے بڑھ کر تبذیر کی حد تک کے مرتکب) میں چند اہل ذوق کے کسی کو اس صفت کا متصف نہیں پایا۔

مرحوم صرف علم کی زیادتی تک مطالعہ اور کتابوں کے شوقین نہیں تھے عملی زندگی بھی قابل رشک تھی، کئی مجالس میں علم کے ساتھ عملی زندگی بنانے کی ترغیب بھی بڑے موثر انداز میں دیتے تھے۔

اس مختصر تعزیتی عریضہ میں کوئی آپ کی سوانح نہیں لکھنی ہے، اور مجھ جیسا آدمی کیا لکھے گا، الحمدللہ اصحاب قلم کے مضامین کا ایک مجموعہ بعض حضرات کی محنت سے وجود میں آچکا، اس لئے بھی اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔

اخیر میں اس بدوی کے دو شعروں پر تعزیتی عریضہ ختم کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت عباسؓ کی وفات پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو سنائے تھے، ممکن ہے کہ آپ کے لئے یہ اشعار سامان تسلی بنیں۔

اصبر نكن بك صابرين فانما ☆ صبر الرعية بعد صبر الرأس

خير من العباس اجرك بعده ☆ والله خير منك للعباس

آپ صبر کیجئے تو ہم بھی آپ کی اتباع میں صبر کریں گے، کیونکہ رعایا اس وقت صبر کرتی ہے جب بادشاہ صبر سے کام لے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے انتقال کے بعد آپ کا اجر زیادہ باعث خیر ہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں آپ کے لئے اللہ زیادہ بہتر ہے۔ فقط والسلام

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری ڈیوزبری

۳۰ رشوال المکرّم ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴ جولائی ۲۰۱۸ء بروز سنیچر

(مولانا مفتی) یوسف ساچا (صاحب مدظلہم)۔ (مولانا سلیمان بوڈیات (صاحب مدظلہم)

(مولانا یوسف پٹیل ماما (صاحب مدظلہم)۔ (مولانا قاری حنیف (صاحب مدظلہم)

(مولانا احمد سرکار (صاحب مدظلہم)۔ (مولانا سلیمان باکڈ (صاحب مدظلہم)

(مولانا مفتی) زکریا (صاحب مدظلہم)

محترم المقام حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انا للہ وانا الیہ راجعون ، عظم اللہ اجرکم والھمکم الصبر والسلوان ،

حضرت اقدس مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نوراللہ مرقدہ کے سانحہ ارتحال کی خبر سن کر طبیعت پر بڑا اثر ہوا، حضرت کا مسکراتا چہرہ ،شفقت ومحبت بھری ملاقاتیں ،علمی گفتگو، اوراکابر کے واقعات سے آراستہ محفلیں یاد آنے لگیں۔

حضرت مرحوم کے مغفور ہونے میں تو انشاء اللہ کوئی شبہ ہی نہیں کیونکہ رب ذوالجلال نے جو صفات حضرت کوودیعت فرمائیں تھیں وہ مقربین ہی کا حصہ ہوتی ہیں۔

باری تعالی جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے اور آپ کی خدمات جلیلہ کا اپنی شایان شان بدلہ مرحمت فرمائے۔

بندہ آپ تمام حضرات کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔

اللہ پاک آپ سب کو اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہم سب کو حضرت کے نقوش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ۔

مولانا قاری محمد عفان منصور پوری
خادم تدریس جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ یوپی

محترم المقام جناب مولانا اسماعیل عبداللہ پٹیل صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کی وفات کی خبر سے مجھے بیحد صدمہ پہونچا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اس ملت نے اپنا ایک عظیم سر پرست اور محسن کھودیا ہے، وہ بڑے عالم دین اور محدث تھے، وسیع علم کیساتھ زبردست انتظامی صلاحیت کے بھی مالک تھے۔ ان کے شاگردان کے تلمذ پر فخر کرتے ہیں۔ میری ان سے کئی ملاقاتیں تھیں۔ ایک بار لندن کی جس مسجد میں میرا درس قرآن ہوتا تھا، انہوں نے میرے کئی دروس میں شرکت کی، عید کی نماز انہوں نے اسی مسجد میں ادا کی تھی، عید سے قبل والے خطاب میں بھی وہ موجود تھے۔ ایک مرتبہ گجرات کے ایک سفر کے موقعہ پر بعض اہل علم دوستوں کے ہمراہ کاپودرہ گاؤں میں آپ کے گھر پر بھی مجھے شرف نیاز حاصل ہوا ہے، وہ مجھ سے بیحد حسن ظن رکھتے تھے جب کہ میں ان کی اولاد کے درجے میں تھا، میری کتاب اسلامی قانون کا امتیاز شائع ہوئی تو گوکہ اس کے بعد میرا ان سے کوئی رابطہ نہیں تھا مگر گجرات کے بہت سے علماء ومفتیان کو اس کتاب کے مطالعہ کی ترغیب دی اور زیادہ سے زیادہ علمی حلقہ تک پہونچانے پر زور دیا، مجھے اس کا علم ان علماء سے ہوا جنہوں نے مجھ سے فون پر رابطہ کیا اور مولانا کے حوالے سے کتاب کے بارے میں ان کے تاثرات نقل کئے، میں مولانا کی اس محبت اور علم نوازی پر حیران رہ گیا، اللہ پاک ان کی قبر کو نور سے بھردے، میرے پاس ان کے اعزاء واقرباء کے رابطہ نمبر نہیں ہیں، کاش کوئی ان کلمات عقیدت وحسرت کو ان تک پہنچا سکتا۔

ان کی وفات ایک شخص کا نہیں بلکہ پوری قوم کا حادثہ ہے۔ ایک پوری تاریخ ان کیساتھ چلی گئی، وہ اس دور میں سلف کی یادگار تھے، گہرے علم اور بے پناہ فضل وشرف کے باوجود بیحد متواضع تھے، گجرات کی جن چند شخصیتوں سے میرے دل نے گہرے اثرات قبول کئے ان میں ایک آپ تھے، آپ کی خدمات علمیہ کا دائرہ ملک سے بیرون ملک تک وسیع تھا، ایسے لوگ بار بار پیدا نہیں ہوتے۔ اللہ پاک آپ کے حسنات کو قبول فرمائے اور آپ کے چھوڑے ہوئے نقوش پر بعد والوں کو چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس ☆ ورنہ آئے ہیں سبھی دنیا میں مرنے کے لئے

اختر امام عادل قاسمی
مہتمم جامعہ امام ربانی، منوروا شریف، سمستی پور، بہار

عالی مرتبت جناب مولانا اسماعیل صاحب وفرزندان گرامی حضرت کاپودرویؒ زیدت معالیکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب کے والد گرامی اور ہم سب کے مخدوم ومربی حضرت اقدس مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ کا سانحۂ وفات ،صرف آپ کے خانوادے کے لئے نہیں بلکہ اسلامیانِ ہند کے لئے ایک بڑا حادثہ ہے۔

حضرت مولاناؒ کو اللہ پاک نے علم وعمل کی جامعیت ، غیر معمولی مقبولیت ومحبوبیت عطا کی تھی ، اس کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ وہ صحیح معنوں میں ہند میں سرمایۂ ملت کے نگہبانوں اور کاروانِ دعوت وعزیمت کے قافلہ سالاروں میں تھے، وہ صوبۂ گجرات کی قیمتی متاع اور اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ احقر کا بھی حضرت مولاناؒ کے ساتھ سالہا سال سے نیاز مندانہ تعلق تھا، حضرت نے ہمیشہ اپنی خاص شفقتوں اور عنایتوں سے نوازا۔ اس اعتبار سے حضرت کی وفات میرے لئے ذاتی اعتبار سے بھی بڑا حادثہ ہے۔

غم کی اس گھڑی میں ہم آپ کے ساتھ ہیں اور جملہ فرزندانِ گرامی ، احفاد، صلبی و روحانی اولاد، متعلقین اور پسماندگان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ پاک حضرت والا کی جملہ مساعی وحسنات کو قبول فرمائیں، اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب کریں اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔

اس کے ساتھ ہی ذاتی طور سے حضرت مولانا اسماعیل صاحب ودیگر افراد خانہ کا بھی ملت کی طرف سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے آخری دم تک حضرت کی راحت رسانی کا خیال رکھا اور روز وشب خدمت کر کے خوب سعادتیں اور دعائیں حاصل کیں۔ اللہ آپ کی قربانیوں کو بے انتہا قبول کریں اور والد صاحبؒ کا نقش جمیل بنائیں۔ آمین

شریک غم: اشرف عباس قاسمی
خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

مولانا اسماعیل عبداللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مولانا محمد عبداللہ صاحب کاپودریؒ کا سانحہ ارتحال ملت کا ایک ایسا دردناک سانحہ ہے جس سے پوری ملت سکتے میں ہے ایک ایسا خلا جسے پر کرنے کے لئے صدیاں درکار رہوں گی ایک ایسا عالم ربانی جو علم وعمل اخلاص وتقوی کا سمندر تھا جو علم کا دریا تھا جو عمل کا آسمان تھا جو اخلاص کا تاج محل تھا جو علماء کا سردار تھا جو صلحاء کا نور نظر تھا جسکے فراق نے عالم اسلام کو مغموم کردیا آج جہاں عالم اسلام اپنے اس عظیم علمی قائد کی جدائیگی سے رنجیدگی کے حال میں ہے وہاں تنظیم علماء اہل سنت والجماعت پونچھ جموں کشمیر بھی پوری ملت کے ساتھ اس کے غم میں اپنے آپ کو شامل سمجھتی ہے۔

اللہ پاک ہمارے اس مثالی قائد کے درجات کو بلند فرمائے اور عالم اسلام کو نعم البدل عطا فرمائے اور اہل خانہ اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مولانا سعید احمد حبیب	مولانا فتح محمد صاحب	مولانا محمد عبداللہ قاسمی صاحب
(صدر تنظیم علماء اہل سنت والجماعت)	(نائب صدر)	(جنرل سیکرٹری)
پونچھ جموں کشمیر		

محترم جناب مولانا اسماعیل صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نزلنا ههنا ثم ارتحلنا

هكذا الدنيا نزول وارتحال

مورخہ ۱۰ جولائی ۲۰۱۸ء بوقت صبح تقریباً ۶:۴۵ منٹ پر یہ خبر صاعقہ بن کر گری کہ محبوب العلماء والصلحاء مفکر ملت، فخر گجرات، بقیۃ السلف، استاذ الاساتذۃ، مرجع عوام وخواص، رئیس جامعہ فلاح دارین حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ طویل علالت کے بعد ہم سب کو یتیم کر کے اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ انا لله وإنا إليه راجعون

حضرتؒ کی شخصیت غیر معمولی صفات کی حامل تھی، آپ ایک کامیاب مدرس ومہتمم، بہترین مربی، صاحب علم وبصیرت وفہم وفراست، ماہر نفسیات، علم دوست، افراد ساز، مدارس وطلباء کے خیر خواہ، امت کے لئے فکرمند، تقویٰ وطہارت، تواضع وانکساری، صبر وتحمل، عفو ودرگزر سے مزین، طلباء پر شفیق مگر بظاہر بارعب، طلباء کی حوصلہ افزائی ان کی دینی ودنیوی ضرورتوں کا پورا خیال کرنا، اُن کے لئے فکرمند، بزرگوں سے قلبی تعلق و وابستگی، خوش اخلاق، خوش پوشاک، تصنع سے پاک، حق گو، اہل وعیال پر شفیق، امت کے لئے دردمند، سیاسی حالات سے باخبر، تنہائی کتب بینی سے مزین، بہترین خطیب ومصنف اور غیر تنقیدی ذہن جیسے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے بزرگوں کے منظور نظر اور عوام وخواص میں یکساں مقبول تھے۔

آپ کی ذات گرامی آیت کریمہ " إن صلوتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين" کی مصداق اور صدیق اکبرؓ کے تاریخی جملہ "اينقص الدين وانا حي" کی عملی تصویر تھی۔ یقیناً اس دور قحط الرجال میں ان صفات کے حامل شخصیت کا چلے جانا علمی دنیا میں بہت بڑا خلاء ہے۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد

ولكنه بنيان قوم تهدما

آج حضرتؒ ہمارے درمیان نہیں رہے مگر ان کی محبت واخلاص کے نقوش ہمارے سینوں میں محفوظ ہیں، دل ان کی جدائی سے اداس اور آنکھیں اشک بار ہیں، حضرتؒ کی اس جدائی نے فضاء کو رنج والم کے

بادلوں سے گھیر لیا ہے مگر اللہ کی مرضی کے سامنے انسان عاجز ہے۔

ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شیء عندہ لاجل مسمی

اسلامک فاونڈیشن آف تورنتو میں حفظ کے طلباء واساتذہ نے قرآن خوانی کے بعد حضرتؒ کی مغفرت اور رفع درجات کے لئے دعائیں کیں۔

اخیر میں دست بدعاء ہوں کہ حق تعالی شانہ آپ کے خون وپسینے سے سینچے ہوئے گلشن فلاح دارین کو تا قیام قیامت سرسبز وشاداب وسدا بہار رکھے، اور حضرتؒ کے لئے فلاح دارین ودیگر خدمات جلیلہ کو صدقہ جاریہ بنائے، آپ کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے، قیامت کے دن انبیاء، صدیقین وشہداء کے ساتھ حشر فرمائے، آپ کے اہل خانہ وپسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطاء فرمائے اور امت کو نعم البدل عطاء فرمائے، آپ کی صلبی وروحانی اولادوں میں آپ کے اوصاف منتقل فرمائے۔ آمین

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد

عرفان ڈیسائی ترکیسری

تورنتو، کندا

محترم جناب مولانا اسماعیل صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آہ! مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب رخصت ہوگئے

مولانا کا شمار کبار علماء میں ہوتا تھا، وہ جلیل القدر عالم روشن دماغ مفکر خداترس انسان اور شخصیت ساز شخصیت کے مالک تھے، ان کی تواضع علم دوستی، معاملہ فہمی، خوردنوازی بے جا تصنعات سے گریز واجتناب نے مجھے کیا اچھے اچھوں کو اپنا گرویدہ بنایا، یہی وجہ تھی کہ ایک ملاقات کے بعد حضرت مولانا سے بارہا فون پر کثرت سے بات کرنے کا نہ رکنے والا سلسلہ جاری ہوگیا اور مولانا کی بے تکلفانہ عنایتیں ملتی رہیں۔ مولانا ایسے بلند پایہ اخلاق کے مالک تھے اور اس طرح پیش آتے تھے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے والا سوچ میں پڑ جاتا کہ اس سطح کا آدمی اور ایسی سادگی۔

مجھ سے حضرت مولانا کا تعارف کرانے والے نے کہا تھا کہ یوں سمجھئے کہ مولانا گجرات کے حضرت علی میاںؒ ہیں۔ میرا مولانا سے پہلی بار تعارف ۲۰۱۴ئمیں ہوا جب وہ میرے یہاں کانفرنس میں تشریف لائے تھے۔ دوبارہ ۲۰۱۶ئمیں اکل کوا سیمینار کے بعد استفادے کی غرض سے (تفصیلات سے قطع نظر) مولانا کے دولت کدہ پر مولانا کی معیت میں حاضر ہوا۔ ایک ڈیڑھ دن میں مولانا کے جس بلند اخلاق کا مجھ جیسے بے مایہ وکمتر انسان نے مشاہدہ کیا اسکی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ اس طرح کے اخلاق اس سطح کے لوگوں کے یہاں کم ازکم میں نے نہیں دیکھا۔ مولانا مجھے لے کر دارالعلوم ترکیسر گئے اور میری تقریر سے پہلے تعارف کرایا تو میں نے وہیں اپنی گفتگو میں کہا کہ امام حسن البنا کے بارے میں پڑھا تھا کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ کتابیں کیوں نہیں لکھتے تو فرمایا اس لیے کہ میں تصنیف رجال میں مصروف ہوں میں نے آج واقعی مشاہدہ کیا اس سفر میں کہ اشخاص کی تعمیر کیسے کی جاتی ہے۔ بلاشبہ مولانا بلند پایہ عالم تھے بہت وسیع اور متنوع مطالعہ تھا۔ بڑی مرتب موضوعی اور پر مغز گفتگو فرماتے تھے مگر شاید زیادہ کچھ علمی سرمایہ نہیں چھوڑا اسکی وجہ یہی ہیکہ انھوں نے افراد کار تیار کیا اور تصنیف رجال میں عمر مستعار صرف کی۔ مولانا کو کتابوں کا بڑا شوق تھا، خود خریدتے اور افراد واداروں میں تقسیم کرتے، گھر سے متصل مسجد اور مسجد میں مولانا کا کتب خانہ خاص عہد قدیم کی یاد دلاتا تھا، دسیوں ہزار کتابیں پر مشتمل کتب خانہ۔ گجرات کے خاص ماحول میں مولانا کے کتب

خانہ کے تنوع کو دیکھ کر مولانا کی منصف مزاجی، علم دوستی، خالص علمی ذوق، علمی شان اور گیرائی کا اندازہ کرنا مشکل نہ تھا۔ مولانا کا انتقال بالخصوص گجرات کے لیے اور علی العموم پورے ہندستان کے لیے بڑا سانحہ ہے۔ ہمیں ان کے لائق فرزندوں اور شاگردوں سے امید ہے کہ وہ ان کے فکر ونظر کے ترجمان ومظہر نظر آئیں گے اور ان کے مشن کو آگے بڑھائیں گے۔

میں مولانا کے پسماندگان، متوسلین اور اہل تعلق کے غم میں برابر کا شریک ہوں یہ غم ان کا ہی نہیں میرا بھی ہے۔ مجھے اس بات کا شدید قلق رہے گا کہ مولانا کی آواز وغیرہ بند ہونے سے پہلے ایک آخری بار ان سے بات کیوں نہ کرسکا۔ ابھی ہفتہ دس دن پہلے ہی ان کے صاحبزادے مولانا اسماعیل صاحب سے صحیح اور نازک ترین صورت حال فون پر معلوم ہوئی تھی۔ دھڑکا تو لگا ہی تھا کہ آج یہ خبر صاعقہ اثر بھی آ ہی گئی۔ اللہ غریق رحمت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ میری یہ بڑی بدنصیبی ہے کہ بعض ایسی مفید وموثر اور اہل صفا واصحاب وفا سے تعلق بہت دیر میں ہوا۔ کہ تعلق قائم ہونے کے بعد جلد ہی یا تو وہ کسی عارضہ میں مبتلا ہوگئے یا دنیا سے چل بسے۔ انھیں میں ایک میری محبوب شخصیت حضرت مولانا کاپودرویؒ کی تھے اللہ مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔

ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی

صدر کاروانِ امن وانصاف

حضرت مولانا اسماعیل صاحب اور دیگر برادران و پسماندگان   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

لله ما اخذ وله مااعطى ولكل شيءٍ عنده اجل مسمّى فاليصبر واليحتسب

موت کو سمجھے ہیں ناداں اختتامِ زندگی ☆ ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

اس فانی دنیا سے دارالبقاء کی طرف کوچ ایک ٹھوس حقیقت ہے جس سے مفر غیر ممکن ہے، ہر فرد بشر کو یہ پیش آنا ہے۔ آج وہ کل ہماری باری ہے

خوش قسمت ہیں وہ جو اس دنیائے فانی کے انتہائی مختصر مرحلۂ قیام سے اپنی ابدالآباد کی حیات جاودانی کیلئے سرمایۂ عزّ وفلاح، راحت، سکون، اور عیشِ جاوداں کا رختِ سفر لے گئے۔

حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ اسی مبارک قافلہ کے نمایاں فرد ہیں۔ یہ ناہنجار جسے بفضل اللہ زمانۂ موجودہ کے اکابر اہل اللہ کی نہ صرف زیارت وملاقات نصیب ہوئی بلکہ سفر وحضر کی معیت بھی حاصل رہی، پورے یقین سے عرض کر رہا ہے کہ ملاقاتِ اوّل سے مدینہ منورہ کی آخری ملاقات تک جب بھی ملا، نہ صرف کم وبیش مستفید ہوا بلکہ ہر ملاقات حضرت کی عظمت اور عقیدت میں اضافہ کا سبب ہوا۔

اب تمام آلام ومصائب سے نکل کر تمغۂ شہادت کے ساتھ رب کریم کے قرب خاص میں عزتوں، نعمتوں، لذتوں سے لطف اندوز ہورہے ہوں گے، اس کا تصور سرمایۂ تسلی اور وقتی جدائی کے درد کا درماں ہے، آپ بھی اسی تصور کو حرز جاں بنائیں ان شاء اللہ صبر وسکون کا باعث ہوگا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارتحال کی اطلاع پر جو لفظی خاکہ بے ساختہ سامنے آیا، **اذکروا محاسن موتاکم** کی تعمیل میں پیش خدمت ہے۔ کثیر الجہات والزوایا، مجمع الصفات والکمالات، نصح قریب وبعید اور شفقت علی الخلق کا پیکر، محاسن اخلاق کا مخزن ایک سوہنی موہنی مورت جو زندگی بھر ردائے تواضع میں مستور رہی وقت رخصت پر شکوہ جلوس جنازہ اسے آشکارہ کر گیا۔ انشاء اللہ حسب توفیق ایصال ثواب کی سعی کروں گا، اخیراً رب ذوالجلال والاکرام سے التماس ہے **اللهم ارفع درجته و اكرم مقامه وانزله فى اعلى غرف الفردوس من الدرجات العلى مع النبيين والصديقين والشهداء والصلحين وحسن اولئك رفيقا**

راجي الغفران من رب المنان

محمد علی مدینہ منورہ

منظوم

نالۂ غم

بروفات حسرت آیات مفکرِ اسلام، پیکرِ علم وعمل، صاحبِ وقار وتمکنت، لائقِ قدرومنزلت

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ

سابق رئیس دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر، ضلع سورت، گجرات وسابق رکنِ شوریٰ دارالعلوم وقف دیوبند

مولانا ولی اللہ ولیؔ قاسمی بستوی ❖

حضرتِ مولانا عبداللہ اہلِ علم وفن ❖ پیکرِ علم و عمل تھے، نازشِ علمی چمن
وہ تھے اسلامی مفکر اور عالم بے مثال ❖ مسندِ تدریس پر وہ تھے مدرس باکمال
خوب تھا ذاتِ گرامی میں وقار تمکنت ❖ عالموں کے درمیاں تھی خوب قدرومنزلت
علم وفن کے باب میں مانے گئے تھے معتبر ❖ شہ نشیں بن کر مجالس میں رہے ہیں جلوہ گر
عہدِ حاضر کے رہے ہیں عالمِ والا صفات ❖ وقف تھی دین وشریعت کے لئے ان کی حیات
تھے مفسر، تھے محدث، تھے مقرر بے نظیر ❖ عالمِ اسلام کے تھے ایک وہ مردِ شہیر
رائے میں ان کی صلابت تھی، رہے اہلِ کرم ❖ سینۂ بیدار ان کا ایک تھا کنزِ حِکَم
علم کے موتی زباں سے ڈھالتے تھے بے شمار ❖ وقت کے مانے گئے تھے وہ خطیب شاندار
خوش مزاج وخوش چلن تھے اور بے حد خوش نصیب ❖ مردِ حق تھے، متقی تھے، منتظم وہ تھے عجیب
وہ دھنی تھے بات کے، اک غازئ کردار تھے ❖ نیک طینت، اہلِ دل تھے اور خوش گفتار تھے
مجلسِ علمی میں پاتے تھے صدارت کا وہ تاج ❖ جان ودل سے قدر فرماتے رہے اہلِ سماج
تھا اکابر سے تعلق، اور تھے ہر دلعزیز ❖ خدمتِ دین وشریعت ہی رہی ان کو عزیز
وہ جہاں پہنچے، سجایا علم وفن کا گلستاں ❖ سینۂ بیدار میں رکھتے تھے جذبِ بیکراں

❖ استاذ مظاہر علوم وقف سہارنپور

تھے مربی طالبوں کے، تھے معلم کامیاب ❖ ان کے خوانِ علم سے ہوتے رہے سب باریاب
گلشنِ ترکیشوؔر ان سے ہوا تھا خوشگوار ❖ اور تھا گجرات ان کے علم وفن سے پُر بہار
وہ رہے دارالعلومِ وقفؔ کے رکنِ رکین ❖ ان کی آراء بہترین تھیں، وہ رہے بے حد ذہین
تھے چمن بندی کے ماہر، اور تھے نکتہ شناس ❖ اور وہ سارے اکابر کے رہے رتبہ شناس
ان کے سب پسماندگاں ہیں رنج وکلفت سے نڈھال ❖ اور ان کے جاننے والوں کو ہے بے حد ملال
سب دعائیں کر رہے ہیں شاد عبداللہؔ ہوں ❖ گلشنِ فردوس میں آباد عبداللہؔ ہوں
ہے دعائے دل ولیؔ کی، حشر میں مغفور ہوں ❖ عرش کا سایہ ملے وہ خلد میں مسرور ہوں

ان کی تربت پر زمانہ فاتحہ خوانی کرے
رحمتِ باری قیامت تک نگہبانی کرے

❁……❁……❁

مرثیہ

بر وفات حضرت مولانا مفتی عبداللہ کاپودروی صاحبؒ

مولانا مفتی عمران کوسمڑی فلاحی ❖

علم کی دنیا پہ چھایا کیوں قیامت کا سماں ❖ آج ہم سے چل بسا ہے آہ میر کارواں
قلب سی پارہ ہے غم سے آنکھ سے آنسو رواں ❖ تیری رحلت سے ہے اجڑی فکر وفن کی کہکشاں
عزم آہن، فکر عالی، ظرف بحرِ بے کراں ❖ تھے تیری بانگ درا سے جادہ پیماں کارواں
تیری صحبت سے تھے پائے حوصلے ہم نے جواں ❖ اس یتیمی پر نہ ہو کیوں آج ہم ماتم کناں
باغ ترکیسر کے ہر غنچہ و گل کی ہے فغاں ❖ آج ہم سے کیوں ہو روٹھے اے ہمارے باغباں
تیری خدمات جلیلہ کے نشاں ہر سو عیاں ❖ صوبۂ گجرات پر ہیں تیرے احساں بے کراں
اہل علم و فضل کا ہر دم رہا تو قدر داں ❖ کہہ سکیں تجھ سا جسے ہم آہ ڈھونڈیں اب کہاں
تیری محفل کہہ رہی ہے اب زبانِ حال سے ❖ رندو، اب چل دو یہاں سے سوگیا پیر مغاں
رحمتیں ہوں تجھ پہ رب کی ہے یہ عاجزؔ کی دعا ❖ قبر کو ان کی بنا دے اے خدا جنت نشاں
علم کی دنیا پہ چھایا کیوں قیامت کا سماں ❖ آج ہم سے چل بسا ہے آہ میر کارواں

❖ استاذ جامعہ قاسمیہ، کھروڈ

مرثیہ

بروفات حسرت آیات حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ

مولانا عبدالرشید ندوی خان پوری

حیف اے گجرات تیرے سر سے سایہ اٹھ گیا ❖ محفل فکر و نظر کا رازداں جاتا رہا
آسمان علم و فن کا مہر تاباں اب کہاں ❖ جامعات علم کا روح رواں جاتا رہا
آشناں ہم کو کیا تونے ادب کے نام سے ❖ علم تجوید و قراء ت کو بڑھایا شان سے
علم کی ہر پل رآست ہی تیری پہچان تھی ❖ شوق سے ہم تجھ کو کہتے تھے رئیس الجامعہ
حیف اے گجرات............

جامعہ تیرا تیری تدبیر کا ہے شاہکار ❖ تو سجاتا ہی رہا زلفوں کو اس کی بار بار
تونے اپنا درد بانٹا جن کو ہیں وہ بے شمار ❖ آج ہے وہ سب کے سب تجھ سے بچھڑ کر سوگوار
حیف اے گجرات............

ہند میں گجرات کی بے شک تو ہی پہچان تھا ❖ قوم کی تعمیر پر قرباں تو سو سو جان تھا
فکر اسلاف و اکابر کا تو روشن دان تھا ❖ دل یہ کہتا ہے کہوں تو خادم القرآن تھا
حیف اے گجرات............

فکر قاسم اور ندوہ کا تو خوشہ چین تھا ❖ اعتدال فکر تیرا قابل تسکین تھا
نظم و ضبط و ذوق تیرا لائق تحسین تھا ❖ عشق و سوز و ساز تیرا موجب تمکین تھا
حیف اے گجرات............

خلوتیں تیری منور ذکر کے انوار سے ❖ جلوتیں تیری معطر حکمت و افکار سے
مجلسیں تیری مزین علم کے اسرار سے ❖ صحبتیں تیری مبارک خُلق سے اطوار سے
حیف اے گجرات............

گلشن اسلام کا تو تو ایک مہکتا پھول تھا ❖ اہل علم و فضل میں تو بالیقیں مقبول تھا
اہل تقویٰ سے محبت عمر بھر معمول تھا ❖ تربیت چھوٹوں کی تیرا حاصل و محصول تھا
حیف اے گجرات............

اے مردانِ صفا اب ڈھونڈنے جائے کہاں؟ ❖ خالی ہوتا جارہا ہے ان سے یا رب یہ جہاں
دست گیری کر الٰہی قوم کی تو ہر مکاں ❖ بخل نا کرنے لگے افراد سازی میں زماں
حیف اے گجرات............

یارحیم رحم فرما رہبر کامل تھا وہ ❖ اولیاء و اتقیاء کی صف میں بھی شامل تھا وہ
زندگی پوری لواء علم کا حامل تھا وہ ❖ قوم دیتی ہے شہادت عالم عامل تھا وہ
حیف اے گجرات............

شیخ تیری شفقتوں کو کیسے بھولے یہ رشیدؔ ❖ تیرا انداز محبت یاد آئے گا فقید
مشک و عنبر سے معطر ہو تیری آرام گاہ ❖ عرش کے زیریں جوار عبد میں آماجگاہ

حیف اے گجرات تیرے سر سے سایہ اٹھ گیا
محفل فکرو نظر کا رازداں جاتا رہا

تعزیت نامہ

برسانحۂ ارتحال ''پیرطریقت عالمِ ربانی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرہ نوراللہ مرقدہٗ''
سابق رئیس جامعہ فلاح دارین ترکیسر گجرات

مفتی حفیظ اللہ حفیظ قاسمی ❖

اک حادثہ جو آج سرِشام ہوگیا ❖ گجرات بھر میں باعثِ کہرام ہوگیا
سب جس کی روشنی میں نہاتے تھے رات دن ❖ وہ جلوہ و جمال سبک گام ہوگیا
جس کی ادائیں باعثِ تسکینِ قلب تھیں ❖ اب انجمن سے دور وہ گلفام ہوگیا
جس کی نگاہِ ناز کا رہتا تھا انتظار ❖ حوروں کے ہاتھ آج وہ نیلام ہوگیا
کاپودرہ کو جس کی سکونت پہ ناز تھا ❖ رخصت وہ آج داعیِ اسلام ہوگیا
''دارین کی فلاح'' رہی جس کی جستجو ❖ اک یادگار جس کا ہر اک کام ہو گیا
جس کی طرف رجوعِ خواص وعوام تھا ❖ روشن جہاں میں جس کا حسیں نام ہوگیا
اب تک جو حسنِ طرز سے کرتا تھا تزکیہ ❖ سرکش بھی جس کی بزم میں بس رام ہوگیا
سرمستِ بندگی خدا تھا جو تا حیات ❖ جنت میں محوِ راحت و آرام ہوگیا
کرتا تھا جو شکار دلوں کا تمام عمر ❖ باہر شکار گاہ سے بہرام ہوگیا
گمنامیوں میں جس نے گزاری تھی زندگی ❖ تابندہ اس کا نامہ و پیغام ہوگیا
بھرتے تھے اہلِ علم جہاں آ کے خُم کے خُم ❖ ساقی گیا شکستہ ہر اک جام ہوگیا
رشکِ چمن تھا جس کا ہر اک شوخ بانکپن ❖ اب اوڑھ کر کفن وہی گمنام ہوگیا
ڈنکا بجا تھا جس کے علوم وفنون کا ❖ وہ کوہِ فضل مائلِ فرجام ہوگیا
گجرات کی زمیں پہ جو تھا رشکِ ہر حیات ❖ وہ بھی اجل کے سامنے ناکام ہوگیا
کرتے تھے اہلِ علم جہاں اکتسابِ فیض ❖ ویران اب وہ گھر وہ در و بام ہوگیا

❖ بھیونڈی

کاپودرہ سے جلوہ نما تھا جو نازنیں ❖ وہ کیا گیا کہ باعثِ آلام ہوگیا
آغازِ کار جس کا تھا پیہم نتیجہ خیز ❖ اس مرد شاہکار کا انجام ہوگیا
اسلاف کے نہج کا جواک ترجمان تھا ❖ جلوہ شکارِ گردشِ ایام ہوگیا
یارب تو اس کے چاہنے والوں کی لاج رکھ ❖ ہر پختہ عزم جن کا محض خام ہو گیا
اِس ''بندۂ خدا'' کو تو جنت نصیب کر ❖ جب تیری بارگاہ میں اقدام ہوگیا
روتے بلکتے لوگوں کو نعم البدل بھی دے ❖ اک سانحہ یہ برسرِ خدام ہوگیا
آ جا حفیظ مل کے دعا دل سے ہم کریں ❖ ہر روز اب تو حادثہ بس عام ہوگیا

رپورٹ

تعزیتی اجلاس

بروفات مفکر ملت حضرت مولانا مفتی عبداللہ اسماعیل پٹیل صاحب کاپودرویؒ

دارالعلوم وقف دیوبند کی مجلس مشاورت کے مؤقر رکن اور جامعہ فلاح دارین ترکیسر، گجرات کے رئیس حضرت مولانا مفتی عبداللہ اسماعیل پٹیل صاحب کی وفات کی خبر ملتے ہی دارالعلوم وقف دیوبند کی فضاء سوگوار ہوگئی، فوراً ایصالِ ثواب اور تعزیتی نشست کا انعقاد کیا گیا۔

اس موقع پر دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب نے سخت رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مولانا مفتی عبداللہ اسماعیل پٹیل صاحب کاپودروی کی رحلت یقیناً ملت اسلامیہ کے لئے ایک عظیم سانحہ اور ناقابل تلافی خسارہ ہے، آپ کی شخصیت علمی رفعت و وقعت کی بنیاد پر اہل علم کے مابین ایک مسلمہ، متفقہ اور مقبول شخصیت تھی، وسعت فکر نظر نے آپ کی شخصیت کو آفاقی بنادیا تھا، آپ ایک جلیل القدر عالم دین، روشن دماغ مفکر اور شخصیت ساز مربی تھے۔ تواضع علم دوستی، معاملہ فہمی، خورد نوازی، آپ کا اہم وصف تھا۔ علوم نانوتویؒ کے عاشق تھے، دارالعلوم وقف دیوبند اور خانوادۂ قاسمی سے انہیں خاص لگاؤ تھا، ہمیشہ دارالعلوم وقف دیوبند کی ترقی کے لئے متفکر رہتے اور دارالعلوم وقف دیوبند کی حالیہ ترقیات سے بے حد مسرور تھے۔

دارالعلوم وقف دیوبند کی مجلس مشاورت کی تمام میٹنگوں میں خصوصی اہتمام کے ساتھ شریک ہوتے اور تعلیمی معیار کی بلندی کے باب میں مفید آراء وتجاویز سے نوازتے، طلبہ میں وہ حوصلہ اور جذبہ بیدار کرنے کے لئے فکرمند رہتے تاکہ وہ سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کرسکیں نیز وہ اس پر بھی بطور خاص توجہ فرماتے کہ طلبہ کو قیام دارالعلوم کے احوال سے مطلع کیا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ کن سخت احوال میں ہمارے اکابر نے دارالعلوم دیوبند کا قیام کرکے امت پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ اس موقع پر انہوں نے حضرت کے مختلف واقعات اور علمی کاوشوں کا تفصیل سے تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے علمی وعرفانی

فیضان سے مستفدین کی تعداد لامتناہی ہے اور یہ آپ کے لئے عظیم ذخیرۂ آخرت ہے، حق تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور آپ کی خدمات کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب مسعودی نے تعزیتی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کے اس قحط الرجال دور میں آپ کا وجود مسعود منجانب اللہ ایک نعمت غیر مترقبہ تھی، آپ کی ذات عوام وخواص کے مابین امتیازی شان کی حامل تھی ، افرادسازی آپ کا ایک بڑا مشن تھا، جس سے کسی پل بھی بے خبر نہیں تھے، ہر منفی میں سے مثبت پہلو نکالنے کے فن سے پوری طرح آشنا تھے، شخصیات اور ان کی صلاحیت شناسی میں بڑے طاق تھے۔ وہ اپنی اخلاقی رفعت اور علمی وقعت کی بناء پر اپنی ایک امتیازی شان رکھتے تھے، گذشتہ دو تین سال کے عرصہ میں انہیں بہت قریب سے دیکھنے اور ان سے استفادے کا بارہا موقع ملا، وہ اپنی ظاہری وجاہت کے ساتھ علمی جاذبیت بھی رکھتے تھے افسوس کہ یہ ملت آج ایک عظیم شخصیت سے محروم ہوگئی، حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور آخرت میں ان کے درجات بلند فرمائے آمین، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند مولانا محمد سفیان قاسمی کی دعاء پر مجلس کا اختتام ہوا۔

اس موقع پر جملہ اساتذہ دارالعلوم وقف موجود رہے۔

۞......۞......۞

دارالعلوم وقف دیوبند کا تعاون کیسے کریں؟

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتوی قدس سرہ نے ادارہ کی ترقی کے لیے جو اصول وضع کئے ہیں ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ دارالعلوم کو توکل علی اللہ اور عوامی چندے سے چلایا جائے اور اس کے لیے خاص طور پر غریب طبقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس لیے جو اہل خیر حضرات دارالعلوم وقف دیوبند کو اپنے عطیات، زکوٰۃ اور صدقات کی رقوم ارسال کرنا چاہتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ:

اپنے حلقوں میں پہنچے ہوئے سفراء کرام (جن کے پاس دارالعلوم وقف دیوبند کا شناختی کارڈ ہو) کو رقومات دے کر رسید حاصل کرلیں۔ منی آرڈر، ڈرافٹ یا چیک کے ذریعہ اپنی رقومات براہ راست ارسال کرسکتے ہیں۔ وصولیابی کے بعد رسید ارسال کردی جائے گی۔ اگر براہ راست بینک اکاونٹ میں رقم جمع کرتے ہیں تو بذریعہ ای میل مطلع کردیں تا کہ اس کی تصدیق کرکے رسید ارسال کردی جائے۔

نوٹ: دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان G-80 کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔

تمام اکاؤنٹس کی تفصیلات

دارالعلوم وقف دیوبند کے کرنٹ اکاؤنٹس یونین بینک آف انڈیا، کارپوریشن بینک اور ایچ، ڈی، ایف، سی بینک میں ہیں، جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

UNION BANK OF INDIA		
(1) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF DEOBAND
ACCOUNT NUMBER	:	372901010014039
BANK	:	UNION BANK OF INDIA (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	UBININ BBMRT
IFSC CODE	:	537292
CORPORATION BANK		
(2) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF DEOBAND
ACCOUNT NUMBER	:	510101006258505
BANK	:	CORPORATION BANK (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	CORPINBB612
IFSC CODE	:	CORPOOOO786
HDFC BANK		
(3) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	50200002786907
BANK	:	HDFC BANK (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	HDFC INBB
IFSC CODE	:	HDFC 0001974

رابطہ کے لیے

Maulana Mohammad Sufyan Qasmi Mohtamim Darul Uloom Waqf Deoband Near Eidgah, Darul Uloom Waqf Road Distt. Saharanpur U.P. INDIA Pin-247554	Ph No:01336-222752,222352 Email: rector@dud.edu.in Website:www.dud.edu.in

RNI UPURD/2010/32139
Published, Printed and Edited by Mohammad Sufyan Qasmi
on behalf of Darul Uloom Waqf Deoband
Near Eidgah, Moh. Khanqah, P/o Deoband, Distt. Saharanpur (U.P.) &
Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers,
Moh. Barziyaul Haq, Deoband (U.P.)

RNI UPURD/2010/32139
Postal Regd. No. RNP/SHN/005/2017-19

Vol: 9
Issue: 102
Dhu al-Hijjah
September

بین الاقوامی سیمینار

بعنوان

حیات و خدمات

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

زیر انتظام

حجۃ الاسلام اکیڈمی

دارالعلوم وقف دیوبند

International Seminar

on

Life & Achievements

Khatib-ul-Islam Hazrat Maulana
Mohammad Salim Qasmi (R.A.)

12 &13 August, 2018

Organized By:

Ḥujjat al-Islām Academy

Darul Uloom Waqf, Deoband

Saharanpur, U.P. (INDIA)

+91 9897076726
Darul Uloom Deoband Waqf
hujjatulislamacademy2013@gmail.com

دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان ۸۰ جی کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ

आयकर अधिनियम की धारा 80 जी के आधीन कर मुक्त प्रमाण पत्र
न. सं. न. (238)/कर मुक्ति/ आ. आ. नु. मुज/आ. अधि (तक)/2009-10/9603

Exempted u/s 80G
No (238)/TAX EXEMPT/CIT MZN/I.T.O. (TEC) 2009-10/9603